حسن بن صباح

الماس ایم اے



غریب شہر

میرے ایک شاعر دوست کا شعر ہے:

میری عادت ہے کہ کترا کے نکل جاتا ہوں
راستے جب کہیں ہموار نظر آتے ہیں

جناب محمد علی قریشی۔ نے مجھ سے حسن بن صباح پر قلم اٹھانے کو کہا اور میں نے مندرجہ بالا شعر کے تحت وعدہ کر لیا۔

مگر جب حسن بن صباح کے بارے میں مستند مواد کی تلاش شروع کی تو واقعی یہ کام بہت مشکل معلوم ہوا۔ پھر بھی میں نے ان کی فرمائش پر پورا اترنے کے لیے اپنی تگ و دو جاری رکھی اور اس شخص کے دل و دماغ میں جھانکنے کے قابل ہو گیا جس کا ثبوت آپ کے سامنے یہ ناول ہے۔ امید ہے آپ پسند فرمائیں گے اور اپنی رائے سے مطلع کریں گے۔

احقر
الماس ایم۔ اے
زیب ملیح آبادی

چیئرمین این-ٹی-ایم
طاہر اے خان
کے نام

جنہوں نے الیکٹرانک میڈیا میں نئے نئے تجربے کئے
خاص کر ڈراموں میں قوس و قزح کے رنگ بکھیرے

اور

پاکستان کے جواں ٹیلنٹ کو بیدار کر کے گلوکاروں
اور فنکاروں کی ایک نئی ٹیم تیار کی۔
جس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

الماس ایم-اے
زیب النجم آبادی
261- خیبر بلاک اقبال ٹاؤن، لاہور

وہ آپس میں گہرے دوست تھے۔

نیشا پور کے ایک غیر معروف مکتب میں پڑھنے والے یہ تین بچے اپنے چہرے مہرے سے تو بالکل عام بچے لگتے جب وہ آپس میں گفتگو کرتے تو ان کی آنکھوں اور پیشانی کی چمک سے ذہانت ٹپکتی معلوم ہوتی تھی

ایک کا نام عمرو۔

دوسرا حسن بن علی۔

اور تیسرا صرف حسن کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

ایک دن حسن نے کہا۔

"یارو ! ایک بات کئی دن سے میرے ذہن میں کھٹک رہی ہے۔"

عمرو نے جلدی سے کہا۔

"حسن۔ تیرے ذہن میں کسی بات کا کھٹکنا بہت برا ہے۔ اسے جلدی سے نکال پھینک۔"

حسن بن علی نے بھی اس کی تائید کی۔

"ہاں بھائی حسن۔ ذہن کو ہر وقت پاک و صاف رکھنا چاہئے۔"

حسن کو حسن بن علی کی بات شاید ناگوار گزری۔ اس نے منہ بنا کر کہا۔

"حسن بن علی تم بے وقوف تو نہیں ہو لیکن بات کی تہہ کو نہیں پہنچے۔ ذہن کو پاک و صاف رکھنے والے کسی مسجد کے پیش امام تو ہو سکتے ہیں مگر دنیا میں

کوئی نام پیدا نہیں کر سکتے۔"

اس وقت عمرو نے حسن بن علی کی حمایت کی۔ اس نے کہا۔ "حسن۔ مسجد کا پیش امام ہونا کوئی بے عزتی تو نہیں۔ جہاں تک ذہن کو پاک و صاف رکھنے کا تعلق ہے تو ایسے خیالات ایک عالی دماغ انسان کی صفت ہو سکتے ہیں۔"

حسن لڑ پڑا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم مجھے گدھا سمجھتے ہو؟"

عمرو اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے ہنس دیا پھر سنجیدہ ہو کے بولا۔

"حسن اگر تم میری بات پر یقین کرو تو میں پیشن گوئی کرتا ہوں کہ تمہاری آنکھوں کی طلسماتی چمک اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ تم کوئی ایسا فتنہ پیدا کرو گے جس سے نصف دنیا تہہ و بالا ہو کے رہ جائے گی۔"

"میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں عمرو۔" حسن جلدی سے بولا۔ "کاش تمہارا کہنا سچ ہو جائے۔ میں بالکل وہی بننا چاہتا ہوں جو تم نے بتایا۔"

حسن بن علی مسکراتے ہوئے بولا۔

"ارے حسن تم نے دل میں کھٹکنے والی بات تو بتائی ہی نہیں۔ وہ بات تو بتاؤ؟"

"ہاں۔ تم نے ٹھیک یاد دلایا۔" حسن بولا۔ "وہ بات دراصل ایک عہد اور وعدے کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آج ہم تینوں یہ عہد کریں کہ ہم میں سے جو شخص کسی مرتبہ پر پہنچ جائے وہ اپنے ساتھیوں کو بھی اپنا ہمسر بنائے؟"

حسن بن علی اور عمرو سوچنے لگے۔ کچھ دیر بعد حسن بن علی بولا۔

مجھے عہد کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے" عمرو مسکرایا۔ "اس لیے میں نہ کسی منصب پر پہنچ سکوں گا اور نہ کسی کو اپنا ہمسر بنانے کی زحمت اٹھانا پڑے گی۔"

پھر تینوں دوستوں نے یہ عہد کر لیا۔

کسے معلوم تھا کہ نیشا پور کے اس غیر معروف مکتب کے یہ تینوں لڑکے

بڑے ہو کر اپنے اپنے ذہن کے مطابق ایسا نام پیدا کریں گے جو تا قیامت نہ مٹ سکے گا۔

عمرو جب بڑا ہوا تو عمر خیام کے نام سے اس نے فارسی شاعروں میں وہ مقام پیدا کیا جس نے اس کے نام کو امر کر دیا۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ عمرو کے باپ دادا خیمے بناتے تھے اس لیے عمرو اپنے نام کے بجائے "خیام" کے نام سے مشہور ہوا کہ لوگ اس کا اصلی نام ہی بھول گئے۔ شاعری کے علاوہ عمر خیام نے فن ستارہ شناسی میں بھی کمال پیدا کیا۔

دو سال بعد ان تینوں دوستوں میں جدائی ہو گئی۔ انھوں نے مروجہ تعلیم حاصل کر لی تھی۔ آپ سوچتے ہوں گے ایک مکتب میں کیا تعلیم ہو سکتی ہے لیکن آپ کا یہ خیال درست نہیں۔ اس دور کے مکتب اور مدرسے آج کل کی یونیورسٹیوں کے مانند تھے جہاں پر ہر مضمون کی مکمل تعلیم دی جاتی تھی۔ بغداد کا "مدرسہ نظامیہ" جس کا ذکر آگے آئے گا اپنے دور کی سب سے بڑی یونیورسٹی تھی۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد حسن اور حسن بن علی کارزار حیات میں اپنا مقام پیدا کرنے کے لیے وطن سے نکل کھڑے ہوئے لیکن خیام نے شاعرانہ طبیعت پائی تھی۔ وہ ایک پرسکون زندگی گزارنے کا خواہش مند تھا پس وہ نیشا پور ہی کا ہو کر رہ گیا۔ اس کے خیالات فلسفیانہ تھے اس لیے اس کے شاعرانہ انداز نے فلسفہ میں بھی شاعرانہ شوخی اور کسک پیدا کر دی تھی۔

خیام کو بچپن ہی سے انجم شناسی کا بھی شوق تھا۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ مکتب میں پڑھنے والے ان تینوں بچوں کی آنکھوں سے ذہانت ٹپکتی تھی چنانچہ ایک طرف خیام نے شعر و شاعری میں اعلیٰ مقام پیدا کیا تو دوسری طرف ستارہ شناسی میں بھی وہ نام پایا کہ امراء وزراء اور والیان ریاست تک اٹھ کر پیشوائی کرتے اور بعض تو خیام کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتے تھے۔ چنانچہ شمس الملک بخاری کے لیے مشہور ہے کہ وہ خیام کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتا تھا۔ سلطان سنجر کے لیے بھی ایسا کہا گیا ہے۔ ملک شاہ سلجوقی، جسے دنیائے اسلام کا

شہنشاہ کہا جاتا ہے کے خیام سے تعلقات تھے مگر دور دور سے، خیام اس کے دربا(ر) سے کبھی منسلک نہیں ہوا۔

علم نجوم کو ایک مہمل فن کہا جاتا ہے مگر علمائے یونان نے اس پر بہت زور دیا ہے۔ خیام کو اب فن میں کمال حاصل تھا۔ مشہور ہے کہ جب سلجوقی سلطان ملک شاہ نے ایک عظیم درسگاہ بنانے کا ارادہ کیا تو اس دور کے بڑے بڑے بیت داں اور منجم جمع کئے۔ ان میں ابوالمظفر اسفزاری، میمون بن نجیب واسطی کے ساتھ عمر خیام کو بھی بلایا گیا اور عمر خیام نے وہاں نمایاں کام انجام دیا۔

ایک بار بادشاہ وقت نے شکار پر جانے کا ارادہ کیا۔ خیام کو حکم ہوا کہ علم نجوم کے ذریعے ایسی تاریخ مقرر کرے کہ سفر برف و بارش سے محفوظ رہے۔ خیام نے دو دن غور و فکر کے بعد ایک دن مقرر کیا۔ ملک شاہ لاؤ لشکر کے ساتھ شکار کے لیے روانہ ہوا۔ اتفاق دیکھئے کہ ابن ملک شاہ مشکل سے چار پانچ میل گیا تھا کہ گھنگور گھٹا چھا گئی۔ ایسے بادل گرجے کے گھوڑے منہ پھیرنے لگے پھر جو برف باری ہوئی ہے تو زمین پر برف کی سفید چادر بچھ گئی۔

ایک بد ذات مصاحب نے شاہ سے عرض کیا۔

"عالیجاہ! انجم شناسی ایک غلط علم ہے اس پر یقین کرنا بھی کفر ہے۔ خیام نے جو کہا اس کا حشر عالیجاہ کے سامنے ہے۔"

ملک شاہ نے بڑی بے کسی سے خیام کو دیکھا۔

خیام نے فورا" عرض کیا۔

"قبلۂ عالم۔ مطلق فکر نہ فرمائیے۔ ابھی بادل لپٹے جاتے ہیں پھر پانچ ... تک زمین نم بھی نہ ہو گی۔"

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ خیام کی پیشن گوئی بالکل سچ ثابت ہوئی۔

ناول کا نام "حسن بن صباح" ہے قارئین سوچ رہے ہوں گے حسن بن صباح کا صرف اب تک نام ہی نہیں آیا۔ قارئین کا خیال درست ہے مگر اصل بات یہ ہے نیشا پور کے مکتب میں پڑھنے والے ان تین بچوں میں عمرو خیام اور حسن بن علی

آگے چل کر نظام الملک طوسی کے نام سے مشہور ہوا۔ ان دونوں کا حسن بن صباح سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ اگر ان دونوں ثانوی کرداروں کا مختصر سا حال نہ بیان کیا جائے پھر "حسن بن صباح" کا کردار کھل کے سامنے نہیں آ سکے گا۔ اس لیے ان کا مختصر حال لکھا جا رہا ہے۔

خیام کے بارے میں دو ایک دلچسپ باتیں بیان کرنے کے بعد کچھ حال حسن بن علی یعنی نظام الملک طوسی کا بیان ہو گا اس کے بعد پھر حسن بن صباح کی شوخیاں، شرارتیں کچھ کھلی ڈھکی باتیں پھر فتنہ طرازیاں اور قتل و خون کی ایک ایسی داستاں شروع ہو گی جسے پڑھ کے آپ انگشت بد نداں رہ جائیں گے۔

خیام کی سب سے دلچسپ بات ان کا عشق ہے اور ان کا یہ عشق غالب کے عشق سے بہت ملتا جلتا ہے۔ دبا دبا گھٹا گھٹا اور چھپا چھپا عشق۔ خیام کا عشق بھی ایک حادثہ ہی تھا بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ان کی ایک بہت مقبول اور مشہور رباعی نے ان کے اس عشق کو جنم دیا۔ یہ تو آپ کو معلوم ہو گا کہ خیام شراب کے بہت رسیا تھے۔ کم پیتے مگر روز پیتے ۔ پھر پینے کے بعد تنہا مٹرگشتی پر نکل پڑتے تھے۔

ایک رات مستی کے عالم میں نیشا پور کی ایک خاص بستی سے گزر ہوا۔ یہاں کا ہر گھر سازو آواز کے ڈونگرے برساتا تھا۔ گلیاں تماش بینوں اور تماشائیوں سے بھری پڑی تھیں' ہر طرف نغمے لکھے ہوتے تھے۔ اہل زر تو کوٹھوں پر جاکے مال ذرر لٹا رہے۔ مگر مفلس 'دل پکڑے نیچے کھڑے دیپک کی طرح جل رہے تھے۔

یکایک ایک عالیشان مہمان خانے سے اٹھتی ہوئی ایک سریلی آواز نے خیام کے قدم پکڑ لیے۔ یہ مہمان خانہ اس خوبصورت حویلی کا ایک حصہ تھا جس میں نیشا پور کی سب سے بڑی مغنیہ قمری رہتی تھی۔ قمری کی آواز نے نیشا پور میں جادو جگا رکھا تھا مگر اس کی محفل میں ہر ایرا غیرا حاضر نہ ہو سکتا تھا۔ صرف امرا اور وزرا ہی کا وہاں گزر ہوتا تھا۔

خیام اس حویلی کے سامنے سے کئی بار گزرا تھا۔ اس نے مغنیہ قمری کی

دلکش آواز بھی سنی تھی مگر جیب اجازت نہ دیتی تھی کہ اس محفل میں جا کے اس کی نغمہ سرائی کا لطف اٹھائے۔ قمری کی آواز سنتا اور گزرتا چلا جاتا تھا۔ اس کے قدم رکنے کی وجہ یہ تھی کہ قمری اتفاق سے اس وقت خیام ہی کی ایک رباعی" کو لہک لہک کے گا رہی تھی۔ اس کے قدم ایسے رکے کہ آگے بڑھنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ ادھر قمری اس کی رباعی کو ہر بار اک نئے انداز سے گا رہی اور غضب ڈھا رہی تھی۔

پھر خیام نے بہت ہمت کر ہی لی اور بے دھڑک مہمان خانے میں داخل ہو گیا۔ ایک طرف قمری سولہ سنگھار کیے اپنے گانوں کا جادو جگا رہی تھی۔ ایک بزرگ جن کی سفید ریش مبارک ناف تک جھکی ہوئی تھی' بادہ و ساغر سے شغل فرما رہے تھے۔ خیام کے اچانک داخل ہونے سے دونوں ہی چونک پڑے۔

خیام کی چڑھتی جوانی تھی۔ اگرچہ وہ شکل و صورت سے خوبصورت دکھائی دیتا تھا مگر جوان تھا اور جوانی خواہ مرد کی ہو یا عورت کی۔ جوانی تو جوانی ہوتی ہے۔ خوبصورت اور لا ابالی _ خیام کا کسی غیر کی محفل میں اس طرح بے دھڑک پہنچ جانا بھی ایک لا ابالی پن ہی تو تھا۔ اسے دیکھ کر قمری کے چہرے پر ایک لمحہ کے لئے ناگواری کے آثار پیدا ہوئے مگر وہ فوراً" ہی مسکرا دی اور اس نے کھڑے ہوتے ہوئے فوراً" خیام کو سلام کیا۔ قمری کو شاید گمان گزرا کہ آنے والے کا تعلق یا تو کسی بڑے رئیس گھرانے سے ہے یا پھر یہ حکومت وقت کا اعلیٰ افسر ہے۔

خیام کو اس طرح داخل ہوتے دیکھ کر باریش بزرگ کے بھی ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے اور وہ ادھر ادھر منہ گھما رہے تھے جیسے شرما رہے ہوں۔

قمری نے اس سحر کو توڑا اپنے آنے والے مہمان سے کہا۔

"محترم اجنبی۔ تشریف رکھیے۔" قمری کا انداز نہایت مودبانہ تھا۔

خیام ان بزرگ سے ذرا ہٹ کے بیٹھ گیا۔

قمری نے بات آگے بڑھائی۔

"کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ ہم اس اجنبیت کو دور کرنے کے لیے ایک دوسرے سے متعارف ہو جائیں۔"

قمری نے سوال خیام کی طرف رخ کر کے کیا تھا مگر خیام کے جواب دینے سے پہلے بزرگ محترم بول پڑے۔

"خاتون خانہ کی رائے بہت معقول ہے۔ ہمیں بے شک ایک دوسرے سے متعارف ہو جانا چاہئے تاکہ محفل کا رنگ پھیکا نہ پڑنے پائے۔"

قمری نے تبسم بکھیرا۔

"سب سے پہلے میں اپنا تعارف کراتی ہوں۔ میرا نام قمری ہے اور-----"

"اور آپ نیشا پور کی سب سے معروف مغنیہ ہیں۔ یہ حویلی آپ کی ہے اور آپ کی محفل میں صرف خاص خاص لوگوں کو باریابی نصیب ہوتی ہے۔" خیام نے بڑی خوبصورتی سے قمری کی بات کاٹی اور اس کا پوا تعارف خود کرایا۔

بزرگ محترم کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا اور قمری بیساختہ ہنس پڑی۔

"آپ نے میرا تعارف اس انداز سے کرایا ہے جیسے آپ میرے بارے میں ہر بات سے واقف ہیں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں اس قدر مشہور ہو چکی ہوں۔ خیر اب آپ اپنا تعارف کرائیے تاکہ ہم آپ کی شخصیت سے پوری طرح آگاہ ہو سکیں؟"

خیام نے بڑی شوخی سے کہا۔ میں خاتون خانہ کے اس انداز پر احتجاج کرتا ہوں اس لیے کہ اس محفل میں ایک اور بزرگ موجود ہیں۔ پہلے ان کا تعارف ہونا چاہیے۔"

بزرگ کے چہرے پر ہوائیاں اڑ گئیں۔ انھوں نے قمری کو اس طرح گھورا جیسے اسے منع کر رہے ہوں۔

قمری جھجکتے ہوئے بولی۔

"یہ محترم ------ یہ ------ یہ"

"خیر جانے بھی دیجئے۔" خیام نے مسکرا کے کہا۔ "آپ کا مہمان خانہ اور یہ شراب کہن کا چلتا ہوا دور۔ ایسی محفل میں سوائے "فقیہہ شہر" کے اور کون آنے کی جرات کر سکتا ہے۔"

وہ بزرگ جن کی داڑھی ان کی ناف تک پہنچی ہوئی تھی واقعی "نیشا پور" کے فقیہہ تھے جو رات کو دنیا کی نظروں سے چھپ کے قمری خانم کے مہمان خانے میں شراب شباب اور موسیقی کا لطف اٹھانے آتے تھے۔ خیام نے انھیں پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا۔

خیام نے جب فقیہہ شہر کا بھانڈا پھوڑا تو قمری خانم ہنستے ہنستے لوٹن کبوتر بن گئی۔ پر اس نے سنبھل کے کہا۔

"واہ حضرت! آپ تو چھپے ہوئے رستم نکلے۔ فقیہہ محترم کو آج تک میرے یہاں آتے کسی نے نہیں دیکھا یا اگر دیکھا ہو گا تو ان کے منہ پر ایسا زور دار طنز نہ کیا ہو گا۔"

خیام نے اسی شوخی سے جواب دیا۔

"اگر فقیہہ محترم کو میرا آنا ناگوار گزرا ہو تو میں دست بستہ معافی کا خواستگار ہوں۔"

قمری خانم جو اجنبی سے بے پناہ متاثر ہو گئی تھی اسے چور نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"بس آپ انہیں اور زیادہ شرمندہ نہ کیجئے اور تعارف کرائیے اور یہ بتائیے کہ اس گھڑی آپ کا ادھر آنا کیسے ہوا۔؟"

"میں کیا اور میرا تعارف کیا۔" خیام نے انکساری سے کہا۔ "ایک بالکل گمنام انسان ہوں۔"

"اس کا جواب آپ کی شعلے کی طرح لپکتی آواز ہے۔" خیام نے قدرے سرشاری سے جواب دیا۔

قمری خانم کی سمجھ میں خاک بھی نہ آیا۔ آنکھیں نکاتی ہوئی بولی۔

"آپ بہت اونچی باتیں کرتے ہیں۔ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکی۔ کیا میری آواز میں شعلے اور انگارے بھرے ہوئے ہیں۔؟"

خیام نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"جی ہاں۔ آواز میں شعلوں کی گرمی اور شبنم کی ٹھنڈک ہوتی ہے۔ آپ عمر خیام کی جو رباعی گا رہی تھیں اس میں طنز کے شعلے بھرے ہوئے تھے۔"

"اچھا تو آپ رباعی سن کے میرے یہاں تشریف لائے ہیں۔" قمری خانم نے ایک ادا کے ساتھ کہا۔

"آپ کی آواز اور خیام کی رباعی نے مل کے ایسا سماں باندھا تھا کہ اگر عمر خیام سن پاتا تو بس آپ کے قدموں میں کھنچا چلا آتا۔"

"کیا آپ عمر خیام کو جانتے ہیں؟"

قمری خانم نے بے چینی سے پوچھا۔

"جی ہاں۔ مجھے اس کی دوستی پر فخر ہے۔" خیام نے جواب دیا۔ "اس کا زیادہ وقت میرے ساتھ گزرتا ہے۔"

"تو پھر کسی دن لائیے نا انہیں۔ بڑی مہربانی ہو گی آپ کی۔" قمری خانم نے بڑے چاؤ سے درخواست کی۔

"لے تو آؤں میں۔ مگر آپ کے فقیہہ شہر کو برا لگے گا؟" خیام نے فقیہہ شہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو اس وقت خاموش بیٹھے ان کی باتیں سن رہے تھے اور دل ہی دل میں کڑھ رہے تھے۔

ان کی آپ فکر نہ کیجئے۔" قمری خانم اٹھلائی۔ "یہ آتے ہیں۔ پیتے پلاتے ہیں مجھے چھیڑتے ہیں اور پھر نصیحت فرماتے ہیں کہ اے قمری خانم! ہوش میں آ تو اندر سے کتنی اچھی ہے اور باہر سے تیرے کام کیسے گندے ہیں۔"

"اوہ۔ اب میں سمجھا۔" خیام نے فقیہہ شہر کو گھورتے ہوئے کہا۔ "تو آپ ان کی نصیحت کے جواب میں خیام کی رباعی گا رہی تھیں۔"

"اور کیا۔؟" قمری خانم مسکرائی۔ "مگر فقیہہ صاحب ہیں بہت ڈھیٹ۔

خیالم کی رباعی سن کے انہیں شرم آنی چاہیے تھی مگر یہ بیٹھے مسکراتے رہے۔

خیام نے ملتجی نظروں سے قمری خانم کو دیکھا۔

"کیا میں امید کروں کہ آپ خیام کی وہ رباعی دوبارہ پیش کریں گے؟؟"

قمری خانم کچھ جھجکی اور کنکھیوں سے فقیہہ شہر کی طرف دیکھا جو دیر سے منہ لٹکائے بیٹھے تھے۔

اس کی اس ادائے دلبرانہ پر خیام نے کہا

" ان کی آپ فکر نہ کیجئے۔ اس لیے کہ اس رباعی میں خیام نے ان جیسے حضرات کی حقیقت بیان کی ہے۔انہیں تو سن کر اور زیادہ خوش ہونا چاہیے۔"

خیام کے اصرار پر قمری خانم نے عمر خیام کی مشہور زمانہ رباعی کو اپنی سریلی آواز میں یوں سمویا کہ محفل جاگ اٹھی۔ فقیہہ شہر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر قمری خانم کو دیکھنے لگے اور خیام اپنی رباعی سن کر ایسا بے چین ہوا کہ سر دھننے لگا۔

وہ رباعی اس طرح ہے۔

زاہد بہ زن فاحشہ گفتا مستی — ایک زاہد نے زن فاحشہ سے کہا کہ تو بدمست ہے۔
بگرز کہ بگستی وچوں پیوستی — تو نے نہیں سوچا کہ تو نے کس چیز کو چھوڑا اور کس چیز کو اختیار کیا

زن گفت چنانکہ نمایم ہستم — اس نے جواب دیا میں جیسی ہوں ویسا ہی لوگوں کو دکھلاتی ہوں
تو نیز خیانکری نماتی ہستی — کیا آپ بھی اندر سے جیسے ہیں ویسا ہی لوگوں کو دکھلاتے ہیں۔

خیام نے اپنی اس رباعی میں ایک فاحشہ عورت اور ایک زاہد کے اندر اور باہر کو جس انداز سے پیش کیا ہے وہ تعریف سے بالاتر ہے۔ فاحشہ عورت تو جیسی اندر سے ہے ویسی ہی باہر سے بھی ہے مگر زاہد بظاہر متقی اور پرہیز گار ہے مگر اندر سے اس کی یہ کیفیت ہے کہ رات کے اندھیرے میں قحبہ خانوں کی سیر کرنے جاتا ہے اور شراب و شباب سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

پس اس رباعی کے توسط سے خیام اور قمری خانم میں دوستی اور یارانہ ہو گیا جو پہلے محبت پھر عشق میں تبدیل ہوا قمری خانم نے گانا بجانا چھوڑ دیا اور خیام

کی ہو کر رہ گئی خیام تو ویسے ہی مفلس اور قلاش تھا۔ خود اپنی زندگی کا بار اٹھانا مشکل تھا کہ اس میں ایک ہستی کا اور اضافہ ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فاقوں پر فاقے ہونے لگے۔

مشہور ہے کہ زن فاحشہ اگر ایک بار اپنا پیشہ ترک کر کے کسی کی ہو جائے تو پھر کتنی تکلیف کیوں نہ اٹھانی پڑے مگر وہ وفاداری سے منہ نہیں موڑتی اور اپنے پرانے پیشے میں کبھی واپس نہیں جاتی چنانچہ برابر خیام کا ساتھ تو دیتی رہی پر جب زیادہ فاقوں پر نوبت آئی تو خیام نے روز گار کے لئے ادھرادھر ہاتھ پیر مارنا شروع کئے۔ انہیں دنوں کسی نے عمر خیام کو اطلاع دی کہ سلجوقی سلطان ملک شاہ کا وزیر نظام الملک طوسی' خیام کے مکتب کا دوست حسن بن علی ہے۔

آل سلجوقی نے اپنی بہادری اور شمشیر زنی کے زور پر اتنی بڑی سلطنت قائم کر لی تھی کہ بغداد کے عباسی خلیفہ نے اسے سلطان کا پروانہ عطا کیا تھا۔ ملک شاہ کا جد امجد سلجوق ترکستان کے ایک مشہور قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ سلجوق کی کسی بات پر شاہ ترکستان سے چل گئی چنانچہ سلجوق اپنے ساتھ ایک سو سوار ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار بھیڑیں لے کر جند کے علاقہ میں آ گیا۔ جند بخارا کے قریب واقع ہے۔

جند میں آ کے سلجوق نے اسلام قبول کیا اور اسلام کا ایسا شیدائی ہوا کہ تمام عمر اسلام کی تبلیغ میں گزار دی۔ سلجوق کے تغرل بیگ اور چغربیگ دو پوتے تھے۔ ان دونوں نے اسلام کے لئے بڑی سختیاں اٹھائیں مگر اسلام کے پرچم کو کہیں نیچا نہیں ہونے دیا۔ تمام عالم کی تاریخیں چھانی جائیں تب بھی طغرل بیگ اور چغربیگ جیسے دو بھائیوں کی مثال نہیں ملے گی۔ ایک اگر اندرونی نظام کو سنبھالتا تھا تو دوسرا بیرونی نظام کو قابو میں رکھتا تھا۔

ان دونوں کی وفات کے بعد الپ ارسلان نے پرچم سنبھالا تھا۔ ترکی زبان میں الپ ارسلان کے معنی "بہادر شیر" کے ہوتے ہیں یہ بہت بہادر' جری اور خدا پرست انسان تھا اس کی تیر اندازی زمانہ بھر میں مشہور تھی۔ اس کی سلطنت دور

دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

عباسی خلیفہ قائم با اللہ نے الپ ارسلان کے چچا طغرل بیگ کو بسا سیری کی بغاوت فرد کرنے کے لئے بلایا تھا یہ دونوں بھائی (طغرل بیگ اور چغربیگ ایسے بہادر نکلے کہ خود خلیفہ نے انہیں تاج بخشا۔ اسی طغرل بیگ کے دربار میں نظام الملک طوسی یعنی حسن بن علی کی رسائی ہوئی تھی۔ طغرل بیگ کے بعد الپ ارسلان نے بھی نظام سلطنت کی قدر افزائی کی پھر الپ ارسلان کے بعد اس کے جانشین ملک شاہ نے طوسی کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔

سلجوتی خاندان کی ترقی' اقبال مندی اور فتوحات کا سہرا دراصل اسی نظام الملک طوسی کے سر ہے۔ ہر فن کے باکمال طوسی کی قدر دانی سن کے اس کے دربار میں کھینچے چلے آتے تھے۔ اور اپنی اپنی اہلیت کے مطابق مقام حاصل کرتے تھے۔

عمر خیام نے اپنے ہم مکتب نظام الملک طوسی کی داستان عروج لوگوں کی زبانی سنی تو ایک دن قمری خانم سے کہا۔

" تم نے کچھ سنا قمری خانم؟"

" کیا سنا کس کے بارے میں سنا؟" قمری خانم نے دنیا کے عیش و آرام چھوڑ کر خود کو عمر خیام تک محدود کر لیا تھا اور اب فاقہ مستی میں دن گذر رہے تھے پھر بھی وفاداری سے منہ نہ موڑتی تھی۔ آج اس نے عمر خیام کو محبت سے آواز دیتے ہوئے سنا تو چونک پڑی۔

" میرے ساتھ مکتب میں دو لڑکے پڑھتے تھے۔" عمر خیام نے قمری خانم کو بتانا شروع کیا۔ " ایک کا نام حسن تھا۔ نہایت چالاک اور شاطر۔ فتنے تو اس کی آنکھوں میں پھرتے تھے۔ دوسرا بھی حسن نام کا تھا مگر ہم سب اسے حسن بن علی کے نام سے پکارتے تھے یہی حسن بن علی آج کل شاہ وقت ملک شاہ سلجوتی کا وزیراعظم ہے۔ اور نظام الملوک طوسی کے نام سے مشہور ہے"

خیام نے رک کر قمری خانم کی طرف دیکھا۔ وہ بڑے غور سے خیام کی

باتیں سن رہی تھی۔ خیام خاموش ہوا تو اس نے بے چینی سے پوچھا۔

" خاموش کیوں ہو گئے پیارے خیام۔ کیا وزیراعظم تمہارا دوست ہے۔؟"

"دوستی نہیں بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہے۔" خیام نے بڑی مسرت سے کہا۔

تم سے پڑھے لکھے لوگوں میں یہی بڑا عیب ہوتا ہے کہ وہ بات آدھی کہتے ہیں اور وہ بھی چبا چبا کے" قمری خانم نے الجھتے ہوئے کہا۔" جو کہنا ہے وہ صاف صاف کیوں نہیں کہتے۔؟"

خیام نے کھنکار کر گلا صاف کیا' پھر کہا۔

" بات یہ ہے کہ ہم تینوں نے مکتب چھوڑنے سے پہلے ایک عہد کیا تھا وہ عہد تھا کہ ہم ایک دوسرے کو نہیں بھولیں گے اور جب ہم میں سے کوئی بڑے مرتبہ پر فائز ہو گا تو وہ اپنے دوستوں کو بھی اونچے سے اونچے درجہ پر فائز پہنچائے گا۔"

قمری خانم کی باچھیں کھل گئیں۔ بولی۔

" پھر تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

" میرا ارادہ ہے کہ اگلے ہفتے ملک شاہ کے دربار میں جاؤں گا۔"

" ملک شاہ کے دربار میں کہ وزیر اعظم کے دربار میں۔؟"

"وہ ایک ہی بات ہے۔ وزیر اعظم بھی تو اسی دربار میں ہوتا ہے۔"

" اچھا تو پھر اگلے ہفتے کا انتظار کیوں۔ کل کیوں نہیں چلے جاتے؟"

خیام ہنس دیا۔ بولا۔

" بڑی جلدی ہے تمہیں قمری خانم سنو پھر کل کا انتظار کیوں ' آج ہی کیوں نہ چلا جاؤں۔؟"

" یہ تو اور بھی بہتر ہے۔ نیک کام کے لئے دیر نہیں ہونی چاہیے۔"

" خیام نے ایک ٹھنڈی سانس لی پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

" تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ایسے کاموں میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔ بادشاہ کی

زبان کا کیا پتہ۔ جسے آج وزیر بنایا ہے اسے کل فقیر بھی کر سکتا ہے۔"

" تو پھر میں سامان باندھتی ہوں آج ہی چلے جائیں۔" قمری خانم اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

ایک دوسری روایت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ عمرو خیام حسن بن صباح کو بغداد میں یہ معلوم ہوا کہ ان کا تیسرا دوست نظام الملک طوسی (حسن بن علی) شاہ ارسلان کا وزیر اعظم بن گیا ہے وہی روایت زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ عمرخیام اور حسن بن صباح ایک ساتھ نظام الملک طوسی سے ملے تھے۔

ان دونوں دوستوں کی بغداد میں ملاقات اس طرح ہوئی کہ مکتب کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد تینوں دوست اپنا مستقبل بنانے کے لئے ایران چھوڑ کر ادھر ادھر نکل کھڑے ہوئے۔ ان میں عمر خیام اور حسن (حسن بن صباح) ایک زمانہ تک ادھر ادھر کی ٹھوکریں کھاتے اور قسمت آزمائی کرتے رہے مگر کوئی مقام حاصل نہ کر سکے۔

ان کا تیسرا دوست حسن بن علی جو آگے بڑھ کے نظام الملک کے نام سے مشہور ہوا وہ مقدونیہ اور رے میں گھومتا پھرتا مرو پہنچا۔ یہ آل سلجوق کے عروج کا زمانہ تھا اور چغربیگ اور طغرل بیگ دو بھائی بر سر اقتدار طغرل بڑا اور مردم شناس تھا جب حسن بن علی طوسی اس سے ملنے گیا تو طغرل بیگ نے اسے فوراً ملازم رکھ لیا۔ ان کے بعد جب الپ ارسلان سلجوقیوں کا بادشاہ بنا تو اس نے حسن بن علی طوسی اپنے بیٹے ملک شاہ کا آتالیق اور کاتب مقرر کیا۔

الپ ارسلان کے بعد ملک شاہ بادشاہ ہوا تو اس نے حسن طوسی کو اپنا مدارالمہام پھر وزیر اعظم مقرر کیا۔ ذہن اور عالی دماغ حسن طوسی جب نظام الملک کے عہدے پر فائز ہوا تو اس نے ایک طرف سلطنت سلجوق میں چار چاند لگا دیئے دوسری طرف تمام جہاں کے دانشوروں اور اہل فن و حرفہ کو اپنے گھر میں جمع کیا ملک کو اس قدر ترقی نصیب ہوئی کہ ہر طرف ہن برسنے لگا۔

اسی زمانہ میں عمرخیام اور حسن بن صباح کی بغداد میں ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی۔ یہ وہی بغداد تھا جس پر الف لیلی کے شہزادے ہارون رشید اور مامون رشید حکومت کرتے تھے مگر اب عباسی حکومت و خلافت زوال پذیر تھی پھر بھی بغداد، عروس البلاد بغداد ہی کہلاتا تھا اور جہان بھر کے ٹھکرائے ہوئے لوگ پہنچتے تو کہیں نہ کہیں ان کے کھانے اور رہنے کا انتظام ہو جاتا تھا۔

عمرخیام اور حسن بن صباح اس شہر خوباں میں الگ الگ سراؤں میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ ایک طرف عمرخیام دوسری طرف حسن بن صباح، ابوحنیفہ" کے مقبرہ کی طرف چلے۔ اسی دن بغداد میں یہ خبر اڑی تھی کہ سلجوق سلطان ملک شاہ طوس کے ایک شخص حسن بن علی کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا ہے اور اسے دستور اعظم نظام الملک طوسی کا خطاب دیا گیا ہے۔

یہ خبر سن کر دونوں اپنی اپنی جگہ اتنے خوش ہوئے کہ سیر سپاٹے کو نکل پڑے اور یہ بھی اتفاق تھا کہ دونوں نے ایک دوسرے کو مقبرہ کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دیکھا اور بلا تکلف اسی جگہ ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ وہ اس قدر والہانہ انداز میں لپٹے تھے کہ وہاں آنے والے انہیں دیکھ کر وہیں کھڑے ہو گئے۔

عمرخیام نے اپنے گرد لوگوں کا ہجوم دیکھا تو حسن بن صباح الگ ہو گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بغیر فاتحہ پڑھے سیڑھیوں سے نیچے اتر آیا۔

" یار تو بڑے موقع سے ملا۔" عمرخیام نے کمال مسرت سے کہا۔

" میں سمجھتا ہوں کہ یہ میری خوش نصیبی ہے تو مجھے اس وقت مل گیا۔ حسن بن صباح نے اور زیادہ مسرت کا اظہار کیا۔ " میرے پاس تیرے لیے ایک بہت اہم خبر ہے؟"

" اور میرے پاس تیرے لیے اس سے زیادہ اہم خبر ہے۔" عمر خیام نے ہنستے ہوئے کہا۔

حسن بن صباح نے کہا۔

" تیرے پاس مجھ سے زیادہ اہم خبر نہیں ہو سکتی۔؟"

" تم غلط کہہ رہے ہو، حسن۔" خیام نے زور دیا۔ میری خبر ایسی ۔ ہم

دونوں کے مستقبل پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔"

حسن بن صباح شاید زیادہ ذہین تھا۔ مگر بولا۔

" میں سمجھ گیا تم کون سی سنانا چاہتے ہو۔"

" کیسے سمجھ گئے بھلا۔ بتاؤ تو ذرا؟"

" تمہارے پاس ہمارے تیسرے دوست کی خبر ہے۔"

" خیام اس سے پھر لپٹ گیا۔ اس نے پوچھا۔

" مگر انہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں حسن بن علی کے بارے میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔"

حسن بھی ہنس پڑا۔

" یار عمر۔ یہی خبر تو میں تمہیں سنانا چاہتا تھا۔ مجھے صبح ہی کو معلوم ہو گیا تھا کہ اپنا یار حسن بن علی' دستور اعظم نظام الملک طوسی بن گیا ہے۔"

" دیکھو نہ حسن۔ یہ طوسی لڑکا کتنی قسمت والا نکلا۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ہمارا ایک ساتھی کسی ملک کا وزیراعظم بن جائے گا۔"

" قسمت والا نہیں' کوشش کرنے والا کہو۔ قسمت تو انسان بناتا ہے۔ اس نے کوشش کی۔ داؤ لگ گیا اور وہ وزیر ہو گیا۔ میں نے اس سے کم کوشش نہیں کی مگر میرا داؤ نہیں لگا اور اب تک مارا مارا پھر رہا ہوں۔" حسن نے بڑی متانت سے قسمت اور جدوجہد پر تبصرہ کیا۔

" ٹھیک کہتے ہو حسن۔" عمر خیام نے ٹھنڈی سانس لی۔ " خیر چھوڑو ان باتوں کو بتاؤ اب کیا ارادہ ہے؟"

" کس بارے میں؟" حسن بن صباح نے پوچھا۔

" ارے بھئی۔ اب نظام الملک طوسی کو مبارک باد نہیں دینا ہے۔" عمر خیام نے کہا۔ " وہ ہمارا پکا یار ہے۔ اس پر ہمارا فرض بھی ہے۔ اسے کیا ہم سے کیا ہوا عہد یاد نہ ہو گا۔ ہم میں سب سے پہلے وہ کسی مقام پر پہنچا ہے۔ ہم اس سے اپنا حق مانگ سکتے ہیں۔ آخر وہ وزیراعظم ہے۔ اپنے برابر نہ سہی پھر بھی وہ با عزت درجہ یا عہدہ دلا سکتا ہے"

" یہ سب خیال خام ہے پیارے۔" حسن نے منہ سکھا کے کہا۔ " بس دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔ ہم تم اس کی حیثیت اور بچپن کے بھیدی ہیں وہ ہمیں اپنے قریب بھی نہیں آنے دے گا۔ اسے تو ہر وقت دھڑکا لگا رہے گا کہ کہیں ہم اس کا بھید نہ کھول دیں۔"

" ارے حسن۔ او حسن۔" عمر خیام نے منہ بنایا۔ " یار دوستوں کے بارے میں ایسا نہیں سوچا کرتے۔ پھر ہم فقیر تو نہیں۔ اس سے بھیک مانگنے تھوڑی جائیں گے۔ ہاں اپنا حق ضرور جتائیں گے۔ اگر اس نے سیدھے منہ بات نہ کی تو ہم جوان ہیں۔ ہاتھ پیروں میں طاقت ہے۔ خدا کی اتنی بڑی خدائی میں ہم بھی اپنا مقام بنانے کی کوشش کریں گے۔"

حسن بن صباح نے کہا۔

" تم کہتے ہو تو چلے چلتے ہیں اس کے پاس مگر مجھے اس سے کوئی امید نہیں۔" آخر دونوں میں بات طے ہو گئی اور وہ بغداد سے مرو کی طرف روانہ ہوئے۔

مرو کے عظیم الشان شہر کی ایک عظیم الشان شاہراہ سے سلطنت سلجوق کے دستور اعظم نظام الملک طوسی کی سواری گزر رہی تھی۔ آگے سوار، پیچھے سوار، دائیں بائیں مسلح سوار، ہر طرف ہٹو بچو کا شور، اللہ اللہ کیا شان تھی طوس کے اس بچہ کی جو کل تک ایران کے ایک غیر معروف مکتب میں قدرتی گھاس پر اپنے دو مفلوک الحال ساتھیوں کے پاس بیٹھا آموختہ یاد کیا کرتا تھا۔

کل کا حسن بن علی آج کا اپنے دور کی سب سے بڑی سلجوق سلطنت کا وزیراعظم نظام الملک طوسی بن چکا تھا وہ کھلی گھوڑا گاڑی میں سوار تھا مگر اوپر ایک زرنگار چھتر سائبان بنا ہوا تھا۔ اچانک دو درویش صورت جوان بھیڑ ہٹاتے ہوئے گھوڑا گاڑی کے پاس پہنچے اور ہاتھ اٹھا کر سلجوق وزیراعظم کو سلام کیا۔

گاڑی ان کے قریب سے گزر گئی۔ پتہ نہیں وزیراعظم نے ان کے سلام کے لئے اٹھے ہاتھ دیکھے بھی کہ نہیں۔ وہ یہی سوچ رہے تھے کہ دو سپاہیوں نے ان کی کلائیاں تھام لیں اور انہیں گھسیٹتے ہوئے مجمع سے نکال لے گئے۔ سپاہیوں کے ہاتھوں پکڑے جانے والے درویش صورت جوان حسن بن صباح اور عمر خیام تھے۔ انہیں سپاہیوں نے وزیراعظم کے پیچھے آنے والی ایک گاڑی میں سوار کرا دیا اور گاڑی کسی نامعلوم سمت روانہ ہو گئی۔

"یار خیام" برے پھنسے نماز بخشوانے گئے تھے کہ روزے گلے پڑ گئے " حسن بن صباح نے ٹھو کا مار کر خیام کو جیسے سوتے سے جگایا"۔

خیام کو اس کا یہ انداز کلام پسند نہ آیا۔ بولا۔

"کیا فضول باتیں کر رہے ہو؟ حسن! ہمیں گاڑی میں بٹھایا گیا ہے قید تو نہیں کیا گیا!"۔

حسن بن صباح نے گاڑی کا پردہ ہٹا کر باہر جھانکا پھر پلٹ کے کہا۔

"گاڑی کے ساتھ مسلح سوار چل رہے ہیں یہ قید نہیں تو اور کیا ہے اب زندگی کی خیر مناؤ"۔

عمر خیام اور چڑ گیا۔

"کیا بگاڑا ہے ہم نے اس نظام الملک کا کہ وہ ہمارے ساتھ دشمنی کرے گا؟"

"بگاڑا یہ ہے کہ ہم اس کے لنگوٹیا یار ہیں اس کی غریبی کے جیتے جاگتے گواہ اور وہ ہے اتنی بڑی سلطنت کا دستور اعظم یعنی وزیراعظم"۔ حسن بن صباح نے بڑی نفرت اور حقارت سے کہا " میرا خیال ہے کہ وہ یا تو ہمیں قتل کروا دے گا یا پھر ہماری زبانیں کٹوا دے گا تاکہ ہم اس کی غربت کی شہادت نہ دے سکیں"

عمر خیام بھی جل گیا تھا اس نے کہا۔

"حسن یہ سب تمہارا وہم ہے اور وہم میں کوئی سچائی، کوئی صداقت نہیں ہوتی"۔

یہ حسن بن صباح کا وہم ہی ثابت ہوا ان کی گاڑی ایک عالیشان محل پر پہنچی ایک باوردی غلام نے پردہ ہٹا کر کہا۔

نیچے تشریف لائیے۔

حسن بن صباح اور عمر خیام گاڑی سے اترے۔ دو غلام انہیں الگ الگ حمام میں لے گئے۔ پوچھنے پر انہیں بتایا گیا کہ وزیراعظم نظام الملک طوسی کا محل ہے۔ اور ان کے حکم پر انہیں یہاں لایا گیا ہے اب انہیں پورے اہتمام سے غسل دیا گیا۔ غسل کے بعد انہیں بیش قیمت لباس پہنایا گیا پھر انہیں ایک بڑے

مہمان خانے میں لے جایا گیا۔

عمر خیام نے بڑی مسرت سے کہا۔

"حسن میں نہ کہتا تھا کہ تم خواہ مخواہ بدگمان ہو رہے ہو۔ حسن بن علی ہمیں عزت دے رہا ہے"۔

حسن بن صباح کی بدگمانی اب بھی دور نہ ہوئی تھی اس نے گمبھیر آواز میں کہا۔

"خیام تم فریب کھا رہے ہو ابو مسلم خراسانی اور برامکہ کا انجام میری نظروں کے سامنے ہے۔ خیال رہے کہ بکری کو ذبح کرنے سے پہلے اسے ہرا چارہ اور خوب پانی پلایا جاتا ہے۔ نظام الملک کا یہ سلوک میرے خدشہ کو دور نہیں کر سکتا"۔

اسی وقت وزیراعظم کی آراستہ پیراستہ فٹن محل میں داخل ہوئی۔

ایک غلام نے دوسرے سے کہا۔

"وزیراعظم آج خلاف معمول پہلے کیوں آگئے؟"۔

دوسرے غلام نے پتہ نہیں کیا جواب دیا مگر حسن بن صباح نے فوراً عمر خیام سے کہا۔

"یہ غلام پوچھ رہا ہے کہ نظام الملک پہلے کیوں آگیا۔ مجھ سے پوچھو تو میں یہی کہوں گا کہ وہ ہمیں قتل کرانے آیا ہے"۔

"یار حسن! تم بھی کس قدر وہمی ہو ہر بات میں کیڑے نکالتے ہو۔ وہ دیکھو نظام الملک ادھر ہی آرہا ہے ہمیں اس کا احترام بجا لانا چاہئے"۔

حسن بن علی یعنی نظام الملک طوسی نے دور ہی سے "السلام علیکم" کا نعرہ لگایا پھر لپکتا ہوا ان کے پاس آیا اور حسن اور خیام کو اپنے دائیں بائیں بغلوں میں بڑے والہانہ انداز میں دبا لیا۔

"میرے دوستو! میرے قدیم یارو تم لوگ اب تک کہاں تھے میں نے تو نیشاپور، طوس ہر جگہ تمہیں تلاش کروایا؟"۔

عمر خیام نے ہنس کر کہا۔

"ہم دونوں زمانہ سے لڑ رہے تھے اور لڑتے لڑتے یہاں تک پہنچ گئے۔ یہاں سے دیکھو قسمت کہاں لے جاتی ہے؟"۔

"کہیں نہیں" نظام الملک نے نفی میں سرہلایا اب تمہیں کہیں نہیں جانا ہے یہاں رہنا ہے تو میرے ساتھ رہنا ہے۔ اور اگر کہیں اور جانے کی خواہش کی تو تمہیں تمہاری مرضی کے مطابق بھیجا جائے گا"۔

کھانے کا وقت ہو رہا تھا نظام الملک بچپن کے دوستوں کو ساتھ لے کر کھانے کے کمرے میں گیا۔ دستر خوان پر انواع و اقسام کے لذیذ اور خوشبودار کھانے موجود تھے ایسے کھانے تو ان کی نظر سے بھی نہ گزرے تھے۔ دونوں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ اسی دوران نظام الملک انہیں اپنی زندگی اور تجربہ کے واقعات سناتا رہا۔

کھانے کے بعد نظام الملک نے یاروں کو انگور پیش کرتے ہوئے کہا۔

"دوستو! تمہارا بچپن کا یار حسن بن علی اور اس وقت کا نظام الملک اپنا عہد پورا کرنے کے لئے تیار ہے۔ دل کھول کے مانگو تمہیں کیا چاہئے؟"۔

عمر خیام نے اپنی خواہش کا اس طرح اظہار کیا۔

"میں شروع ہی سے عزلت پسند واقع ہوا ہوں مجھے کسی ایسے گوشہ عافیت کی تلاش ہے جہاں بیٹھ کر میں بے فکری اور تن آسانی سے زندگی گزار سکوں"۔

نظام الملک نے مسکرا کے حسن بن صباح کی طرف دیکھا۔

"میرے ذہین دوست تم بھی اپنی خواہش کا اظہار کرو!"۔

حسن جو اتنی دیر سے خواہشات کے سمندر میں غوطے لگا رہا تھا بولا۔

"مجھے تم اپنے ہی سایہ میں کوئی ملازمت دیدو تو زیادہ بہتر ہوگا؟"۔

چنانچہ نظام الملک نے اپنے وعدے اور عہد کے مطابق عمرو خیام کو نیشاپور میں ایک سرسبز و شاداب علاقہ جاگیر میں دے کر اسے باعزت طریقے سے ادھر بھیج دیا۔ حسن بن صباح نے ملازمت کی خواہش کی تھی چنانچہ نظام الملک نے

اسے محلات شاہی کا داروغہ بنا دیا حسن نے اس عہدہ کو اس لئے خوشی خوشی قبول کر لیا کہ اس طرح اسے شاہ و ملکہ سلجوق سے ہمہ وقت ملاقات کے مواقع میسر آسکتے تھے۔

نظام الملک طوسی بہت بڑا مدبر اور انتظام سلطنت کا ماہر تھا۔ اس نے حسن بن صباح کو "داروغہ محلات" تو بنا دیا مگر اس پر نظر رکھی اس طرح نظام الملک کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ حسن بن صباح، شاہ سلجوق کی ملکہ ترکان خاتون تک پہنچنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ ملکہ تک پہنچنے کے لئے اس نے ملکہ کی خاص کنیز پر کچھ ایسا سحر کیا ہے کہ وہ اس کی غلام بن گئی ہے۔ اور ہر وقت حسن بن صباح کی نظر کرم کی منتظر رہتی ہے۔

دراصل قدرت نے حسن بن صباح کی آنکھوں میں کچھ ایسی طلسماتی کشش بھر دی تھی کہ جس کسی عورت سے نظریں ملا کر باتیں کرتا تو عورت ایسی مطیع ہو جاتی جیسے اس پر سحر کر دیا گیا ہو۔ حسن بن صباح صورت و شکل کا بھی اچھا تھا اس کے چہرے پر اگرچہ ایک طرح کی نسوانی نزاکت چھائی رہتی مگر اس کا دل انتہائی سخت بلکہ پتھر کا بنا ہوا تھا۔

آنکھوں کی طلسماتی کشش کی وجہ سے حسن بن صباح بڑی آسانی سے اپنے جال میں پھانس لیا کرتا تھا مگر اس میں ایک بڑا عیب یہ تھا کہ وہ بہت جلد ایک عورت سے اکتا جاتا۔ اور دوسرے شکار کے لئے نکل کھڑا ہوتا۔ اس طرح حسن بن صباح نے کتنی ہی زندگیاں تباہ کر دی تھیں مگر وہ اپنے اس وصف کے باوجود کسی عورت کے ذریعہ اب تک کوئی اہم فائدہ حاصل نہ کر سکا تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حسن بن صباح خود ہی نظام الملک سے داروغہ محلات کا عہدہ مانگا تھا۔ اس عہدہ پر رہ کر ایک شخص محلات کے غلاموں پر حکومت کر سکتا تھا اور کنیزوں کے جمگھٹ سے دل بھی بہلا سکتا تھا۔ مگر عمائدین سلطنت کی نظروں میں اس کی کوئی عزت نہ ہوتی تھی۔

جس وقت حسن بن صباح نے وزیراعظم سے داروغہ محلات کا عہدہ مانگا تو

نظام الملک کو تعجب سا ہوا مگر اس نے اپنا عہد نبھایا اور حسن کو فوراً اس عہدے پر فائز کر دیا مگر اس کے دل میں ایک کھٹک سی پیدا ہو گئی اور اس نے حسن بن صباح پر فوراً ایک جاسوس مقرر کر دیا۔

عمر خیام تو اپنی جاگیر کا فرمان لے کر دوسرے ہی دن روانہ ہو گیا تھا حسن بن صباح کو بحیثیت داروغہ کام کرتے ہوئے دو ہفتے یا زیادہ ہو چکے تھے۔ اس دوران حسن بن صباح اور نظام الملک کا ایک دو بار سامنا بھی ہوا مگر سوائے سلام و دعا کے کوئی گفتگو نہ ہوئی اور نہ دونوں کو کوئی ایسی ضرورت پیش آئی کہ گفتگو کرتے۔

تیسرے ہفتہ کے آغاز ہی میں ایک شب نظام الملک کے اس جاسوس نے اس سے فوری ملاقات کی درخواست کی جسے نظام الملک نے حسن بن صباح پر نظر رکھنے کو کہا تھا۔ جاسوس عام طور سے اپنے آقا سے رات کے وقت ملتے تھے تاکہ ان کی ملاقات پوشیدہ رہے۔

نظام الملک نے جاسوس کو اسی وقت بلا لیا۔ جاسوس سلام کر کے سر جھکا کے کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ ہو یا وزیر، اس زمانہ کا شاہی دستور تھا کہ ان سے کوئی شخص اس وقت تک گفتگو نہیں کر سکتا تھا جب بادشاہ یا وزیر اسے گفتگو کی اجازت نہ دیں۔

نظام الملک چند لمحے جاسوس کو سر سے پیر تک دیکھتا رہا پھر نہایت نرم لہجے میں سرہلاتے ہوئے بولا۔

"تو حسن بن صباح کے بارے میں ہمارا خیال درست نکلا؟"۔

"جی میرے آقا!" جاسوس نے جواب دیا آپ کا شبہ بالکل درست ثابت ہوا داروغہ محلات ملکہ عالیہ ترکان خاتون تک پہنچنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ اس لئے انہوں نے ملکہ کی کنیز "گل ریز" کی خدمات حاصل کی ہیں"۔

نظام الملک چونک پڑا۔

"مگر گل ریز تو ملکہ عالیہ کی خاندانی ملازمہ کی بیٹی ہے۔ وہ کیسے حسن بن

صباح کے ہتھے چڑھ گئی"۔
جاسوس نے جواب دیا۔
"آقائے محترم! یہ تو میں نہیں جانتا کہ داروغہ نے اسے کس طرح رام کیا ہے مگر میری آنکھوں نے دیکھا ہے کہ "گل ریز" اپنے داروغہ سے ملنے کے لئے انہیں محلوں محلوں میں تلاش کرتی پھرتی ہے۔ دن میں جب تک چار مرتبہ داروغہ سے نہ مل لے اسے چین نہیں پڑتا۔ میں نے تو یہاں تک سنا ہے..." جاسوس کہتے کہتے رک گیا۔ کیوں رک کیوں' گئے؟ نظام الملک نے پوچھا"۔
"سرکار! جاسوس آواز دباتے ہوئے بولا "میں نے ابھی کانوں سے سنا ہے آنکھوں سے دیکھا نہیں مگر بات چونکہ ملکہ عالیہ کی کنیز خاص گل ریز کی ہے اس لئے سنی سنائی بات کہتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے؟"۔
نظام الملک مسکرایا۔
"ٹھیک ہے بغیر تصدیق کے کوئی بات منہ سے نہیں نکالنا چاہئے۔ پھر بھی تم کہہ ڈالو۔ سنی سنائی بات کو ہم بھی سنی سنائی بات ہی سمجھ کے سنیں گے اور اس وقت تک اس پر یقین نہیں کریں گے جب تک تم تصدیق نہ کر لو گے۔ ایک بات کو اور ذہن نشین کر لو۔ ملکہ عالیہ ترکان خاتون ہوں یا سلجوق سلطان ہمارے آدمی پر ہاتھ ڈالتے ہوئے وہ کئی کئی بار سوچیں گے"۔
"خدا آپ کا اقبال بلند کرے میرے آقا" جاسوس نے دعا کی۔ "میں نے اگرچہ خود آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن ایک بااعتماد دوست سے سنا ہے کہ "گل ریز" ایک دو بار داروغہ کی حویلی کے بھی چکر لگا آئی ہے"۔
"دن میں رات میں؟" نظام الملک نے دلچسپی ظاہر کی۔
"رات میں _ میرے سرکار رات میں" جاسوس نے پر یقین لہجے میں جواب دیا۔
"ٹھیک ہے۔" نظام الملک نے کہا "بہرحال تم نے ایک اچھی خبر سنائی ہے ہاں تم اسی طرح دونوں پر نظر رکھو اور جب وہ کوئی نیا قدم اٹھائیں تو ہمیں اطلاع دینا"۔

کسی دانشور کا قول ہے۔
"عقلمند وہ ہے جو وقت سے فائدہ اٹھائے"۔
اور کسی دانشور کا یہ بھی قول ہے۔
"بادشاہ کی اگاڑی اور گھوڑے کی پچھاڑی سے ہر وقت ہوشیار رہنا چاہئے"۔

یعنی جس طرح آپ کا گھوڑے کے پیچھے کھڑے ہونا خطرناک ہو سکتا ہے کیونکہ گھوڑا کسی وقت بھی دولتی چلا کر آپ کو زخمی کر سکتا ہے۔ اسی طرح بادشاہ کے بالکل قریب رہنا بھی خطرناک ہے کیونکہ بادشاہ کا جب بھی مزاج بگڑتا ہے تو وہ اپنا پورا غصہ سب سے قریب آدمی پر اتار دیتا ہے گویا بادشاہ غصہ میں آپ کے قتل کا حکم بھی دے سکتا تھا۔
پھر نظام الملک طوسی تو اپنے سلجوق سلطان سے اس کی بیوی ترکان خاتون سے بھی زیادہ قریب ہو گیا تھا۔ اس کے ایک نہیں ہزاروں دشمن تھے اس لئے اسے ہر وقت اپنے کان اور آنکھیں کھلی رکھنا پڑتی تھیں بلکہ اسے دو آنکھیں پیچھے بھی لگانا پڑتی تھیں۔ نظام الملک اپنے دونوں دوستوں (عمر خیام اور حسن بن صباح) کے ساتھ ایک ہی مکتب اور ایک ہی معلم کے زیر سایہ کئی سال تک پڑھتے رہے تھے۔
نظام الملک جب مکتب میں پڑھتا تھا اور صرف حسن بن علی تھا اس نے ایک دن عمر خیام سے اکیلے میں کہا تھا۔
"عمر! یہ اپنا ساتھی حسن کچھ عجیب طبیعت کا مالک معلوم ہوتا ہے؟"۔
اور عمر خیام نے اسے ہنس کر جواب دیا تھا۔
"حسن بن علی تم نے اسے آج پہچانا ہے میں نے اس سے پہلی ملاقات ہی میں اس کے ذہن کو اچھی طرح پڑھ لیا تھا۔ حسن جیسا آدمی اپنے فائدے کے لئے سب کچھ کر سکتا ہے"۔

"بالکل ٹھیک عمر! تم نے سچ کہا" حسن بن علی نے کہا تھا "میرا خیال ہے کہ حسن اپنے فائدے کے لئے کسی کا خون بہانے سے بھی نہیں چوکے گا"۔

"کسی کا خون کیوں؟" عمر خیام نے کہا "وہ تو ہمارا تمہارا خون بھی بہا سکتا ہے"۔

پھر اس بات پر وہ دونوں دیر تک ہنستے رہے تھے۔

نظام الملک کو آج یہ بات نہ جانے کیوں بار بار یاد آرہی تھی۔ اس وقت اسے عمر خیام بھی بہت یاد آیا۔ اگر وہ اس وقت وہاں ہوتا تو نظام الملک اپنے دل کی بے چینی اس سے ضرور بیان کرتا۔ اسے بار بار یہ خیال ستا رہا تھا کہ آخر حسن بن صباح ملکہ ترکان خاتون سے کیوں ملنا چاہتا ہے اور اگر اسے ملکہ کی صرف صورت ہی دیکھنا تھی تو اس نے ایک لونڈی کی خدمات قبول کرنے کے بجائے خود اس سے کیوں نہیں کہا ہو نہ ہو اس میں کوئی بھید ضرور ہے۔ حسن بن صباح کے ارادے نیک نہیں معلوم ہوتے۔

اس رات نظام الملک کو نیند نہ آئی وہ تمام رات جاگتا اور صرف حسن بن صباح کے بارے میں سوچتا رہا صبح ہوتے ہی اس نے اپنے ایک خاص غلام کو بلایا۔ یہ غلام ملکہ ترکان خاتون کی اس غلام گردش میں رہتا تھا۔ جہاں ملکہ کی کنیز "گل ریز" کی رہائش بھی تھی بلکہ وہ غلام اور گل ریز غلام گردش میں کمروں کی ایک ہی قطار میں رہتے تھے۔

نظام الملک نے غلام سے کہا۔

"تم ملکہ ترکان خاتون کی کنیز گل ریز کو جانتے ہو؟"۔

"جی آقا! غلام نے تصدیق کی ہم دونوں غلام گردش کی ایک ہی قطار میں رہتے ہیں"۔

"تم گل ریز کو ساتھ لے کر سیدھے ہمارے پاس آؤ گے۔ "نظام الملک نے حکم دیا"۔

غلام نے پوچھا۔

"گل ریز کو کس وقت پیش کروں میرے آقا؟"۔

"آج رات" نظام الملک نے وضاحت کی جس وقت گل ریز ملکہ کے پاس واپس آئے تم اسے لے کر سیدھے میرے پاس آجاؤ"۔

غلام کسی فکر میں الجھ گیا نظام الملک نے اسے گم سم دیکھ کر ذرا بھاری لہجے میں کہا۔

"کیا سوچ رہے ہو ہماری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی"۔

غلام گھبرا گیا جلدی سے بولا۔

"میرے آقا! میں نے آپ کا حکم سن لیا ہے میں یہ سوچ رہا ہوں کہ گل ریز آج کل ملکہ کے پاس سے دیر میں واپس آتی ہے کیا اتنی رات گئے اسے آپکے پاس لے کے آنا مناسب ہو گا؟"۔

"ملکہ کے پاس سے دیر میں آنے کی کوئی خاص وجہ ہے کیا؟" نظام الملک نے سوال در سوال کیا۔

"پتہ تو نہیں ہے آقا۔ اگر حکم ہوتو وجہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کروں؟"۔

"نہیں" نظام الملک نے کہا " یہ کام تمہارا نہیں جو کہا گیا ہے صرف اسے پورا کروٗ آج رات ہم تمہارا انتظار کریں گے؟"۔

"بہتر ہے سرکار! غلام نے رخصتی سلام کیا اور نظام الملک کا اشارہ پاکر کمرے سے نکل گیا۔

اتفاق تھا کہ اس رات گل ریز محل سے جلدی واپس آگئی اور یہ بھی ایک اتفاق تھا کہ غلام نے اسے واپس آتے دیکھ لیا۔ غلام کا خیال تھا کہ گل ریز روز کے مطابق آج بھی دیر میں آئے گی اس لئے وہ اپنے ایک کام میں لگ گیا۔ اسی وقت سے گل ریز آتی دکھائی دی اور وہ لپک کے اس کے پاس پہنچ گیا۔

"گل ریز۔ تمہیں دستور اعظم نظام الملک نے بلایا ہے؟" غلام نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ نظام الملک کا نام سن کے گل ریز کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل

گئی یہ ٹھیک ہے کہ گل ریز کو خود نظام الملک نے ملکہ ترکان خاتون کی خدمت پر مامور کیا تھا۔ تمام غلام اور کنیزیں وزیراعظم کے اشارے پر بادشاہ اور ملکہ کی خدمت پر لگائے جاتے تھے انہیں یہ سمجھا دیا جاتا تھا کہ وہ دراصل وزیراعظم کے جاسوس ہیں اور انہیں وزیراعظم کے لئے بادشاہ یا ملکہ کی جاسوسی کرنا ہے"۔

گل ریز نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"کچھ پتہ ہے کہ وزیراعظم نے کیوں بلایا ہے؟"۔

گل ریز کے ڈرنے کی وجہ یہ تھی کہ اسے معلوم تھا کہ اس کی طرح یہ غلام بھی وزیراعظم کا خاص آدمی ہے لیکن وہ پوچھنے پر اس لئے مجبور تھی کہ سوائے اس غلام کے وزیراعظم کے بارے میں کسی اور کو کوئی خبر نہ ہو سکتی تھی۔

"پتہ نہیں کیوں بلایا ہے" غلام کا لہجہ اب بھی سپاٹ تھا۔

"کم از کم یہ تو' تم بتا ہی سکتے ہو کہ آقا کے چہرے کی اس وقت کیا کیفیت تھی جب انہوں نے تمہیں میرے بلانے کے لئے حکم دیا تھا؟"۔

"میں نے ان کے چہرے پر کوئی بات نہیں دیکھی" غلام نے اپنا پہلو بچایا۔ "پھر تم ملکہ ترکان خاتون کی منہ چڑھی کنیز ہو تمہارا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے؟"۔

"یہ نہ کہو۔ گل ریز بولی "وزیراعظم کا کچھ کہا ہوا تو شاہ معظم بھی کاٹنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔ ملکہ کیا چیز ہیں""؟

"تم خواہ مخواہ وہم کر رہی ہو غلام نے جواب دیا ان باتوں میں وقت ضائع ہوتا رہے گا چلو میرے ساتھ؟"۔

"کیا اسی طرح چلی جاؤں؟" گل ریز نے ناگوار انداز میں کہا۔ غلام نے تلخ لہجے میں کہا "دیر کرو گی تو تمہارے حق میں برا ہی ہوگا"۔

گل ریز کی اور جان نکل گئی۔ وہ سمجھ گئی کہ دال میں کوئی کالا ہے۔ جبھی یہ چبا چبا کے باتیں کر رہا ہے۔

"اچھا میں ماں کو ذرا بتا دوں" یہ کہتی ہوئی وہ تیزی سے اپنے گھر میں گھسی پھر فوراً" ہی واپس آ گئی۔

وزیراعظم کے غلام نے گل ریز کو اتنی جلدی واپس آتے دیکھا تو پوچھا۔

"کیا گھر میں آگ لینے گئی تھی؟"۔

گل ریز بھی منہ زور تھی۔ فوراً" جواب دیا۔

"آگ لینے نہیں گئی تھی بلکہ یہ کہنے گئی تھی کہ کفن دفن کا انتظام کر رکھو وزیراعظم کا غلام مجھے بلانے آیا ہے"۔

گل ریز کے انداز اور لہجے میں بڑا تلخ طنز تھا۔

غلام شرمندہ سا ہو گیا اس نے کہا۔

"گل ریز! تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو کنیز ہو یا غلام ہماری زندگی ایک دوسرے سے بہتر نہیں ہے۔ ہم لوگ تو اپنے آقاؤں کے ہاتھ میں دبے ہوئے پتھر ہیں وہ جا ہے جس پر کھینچ ماریں۔ میری بات کا برا نہ مانو تم"۔

"میں بھی تمہیں یہی کہنا چاہتی تھی۔ گل ریز نے اس کی بات کی تائید کی۔ آج اگر وزیراعظم میرے خلاف ہے تو کل وہ تمہارے خلاف بھی ہو سکتا ہے۔ ہمیں ایک دوسرے کی کاٹ کرنے کی بجائے ہمدردی کرنا چاہئے"۔

گل ریز نے بڑی حکمت سے غلام کو اپنی طرف کر لیا غلام بالکل نرم پڑ گیا۔ اس نے کہا۔

گل ریز وزیراعظم تم سے یقیناً" ناراض ہے اسکی وجہ تم خود جانتی ہو گی مگر اس سلسلہ میں میرا نیک مشورہ ہے کہ تم وزیراعظم کے سامنے بالکل سچ بولنا خواہ تمہیں یہ یقین ہو کہ تمہارے سچ بولنے سے وزیراعظم تمہیں قتل کرا دے گا۔ میں اسے نیک مشورہ اس لئے کہتا ہوں کہ وزیراعظم کے سامنے سچ بولنے سے تمہاری زندگی بچنے کے زیادہ امکانات ہیں بہ نسبت اس کے کہ تم ان کے سامنے جھوٹ بول کر اسے فریب دینے کی کوشش کرو"۔

گل ریز نے غلام کا مشورہ اپنے پلو میں باندھ لیا۔

وزیراعظم نے گل ریز سے پہلا سوال یہ کیا۔

"گل ریز۔ تو حسن بن صباح کے متعلق کیا کچھ جانتی ہے؟"۔

"میرے آقا" گل ریز نے ہتھیلی پر سر رکھ کے کہا۔ "مجھے حسن نے بتایا کہ وہ آپ کا بچپن کا دوست ہے اور وہ آپ سے جو چیز طلب کرے گا وہ آپ اسے دے دیں گے"۔

وزیراعظم کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ بولا۔

"اس کا مطلب ہے کہ حسن بن صباح نے تجھ سے یہ کہا ہے کہ وہ تجھے یعنی گل ریز کو مجھ سے مانگ لے گا"۔

"بالکل ٹھیک میرے آقا" گل ریز نے بتایا۔ اس نے مجھ سے یہی وعدہ کیا ہے"۔

نظام الملک کا دوسرا سوال تھا۔

"کیا تو نہیں جانتی کہ حسن بن صباح کی عمر میرے برابر ہے؟"۔

"مجھے معلوم ہے میرے آقا۔" گل ریز نے مضبوط لہجے میں کہا محبت ایسی باتوں کو نہیں دیکھا کرتی مجھے اس سے محبت ہے اور میں محبت میں اس کے لئے حد سے گزر سکتی ہوں"۔

"تجھے کیسے یقین ہے کہ اسے تجھ سے محبت ہے؟ نظام الملک نے ایک اور سوال کیا"۔

گلریز نے جواب دیا۔

"یہ بات مجھے اس کی آنکھوں نے بتائی ہے"۔

"کیا بکواس کر رہی ہے تو؟"۔ نظام الملک کو غصہ آگیا تجھے معلوم نہیں تو کس کے سامنے کھڑی ہے؟"۔

"مجھے معلوم ہے کہ میں اپنے آقا کے سامنے کھڑی سچ بول رہی ہوں۔" گل ریز نے ایسے دھڑلے سے کہا کہ نظام الملک حیران رہ گیا۔

وہ ذرا دیر سوچتا رہا پھر پوچھا۔

"تو رات کے وقت کتنی بار حسن بن صباح سے ملنے گئی ہے؟"۔

"تین بار" گل ریز نے بے دھڑک کہہ دیا مگر میں قسم کھاتی ہوں کہ اس

نے اب تک میرے جسم کو انگلی تک نہیں لگائی۔"

"حسن بن صباح تجھ سے کیا چاہتا ہے؟ نظام الملک نے اس سے براہ راست سوال کیا۔

"میرے آقا! گل ریز ہمت کر کے بولی "حسن صرف یہ چاہتا ہے کہ میں اس کی ملکہ عالیہ سے صرف چند منٹ گفتگو کرا دوں"۔

"وہ ملکہ عالیہ سے کس قسم کی گفتگو کرنا چاہتا ہے؟ نظام الملک کو غصہ آنا شروع ہوگیا۔

"یہ بات نہ میں نے اس سے پوچھی اور نہ اس نے بتائی گل ریز نے معصومیت سے جواب دیا۔ نظام الملک کو جب سے یہ معلوم ہوا تھا کہ حسن بن صباح' ملکہ عالیہ سے تخلیہ میں گفتگو کا خواہش مند ہے اس وقت ہی سے نظام الملک کے دل و دماغ میں آگ لگی ہوئی تھی اس نے سوچا تھا کہ وہ گل ریز کو سخت سزا دے گا مگر گل ریز نے اسے سب کچھ صاف صاف بتا دیا شاید اسی وجہ سے نظام الملک اسے کوئی سزا نہیں دے سکا۔

"جا دور ہو جا میری نظروں سے قبل اس کے کہ میں تیرے سر قلم کرنے کا حکم دوں" اور نظام الملک نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

گل ریز تیز تیز قدموں سے بھاگی مگر جب دروازے پر پہنچی تو اسے اپنی پشت پر وزیراعظم کی آواز سنائی دی۔

"اگر اب تو نے حسن کے پاس جانے کا ارادہ بھی کیا تو تجھے ملکہ توران خاتون کے پاس جانا نصیب نہ ہوگا"۔

وزیراعظم کا یہ حکم گل ریز کی موت کا پروانہ تھا وہ ٹھٹھک کے کھڑی مگر اسے پلٹ کر دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی صرف چند لمحے کھڑے رہنے کے بعد وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی کمرے کے باہر نکل گئی۔

گل ریز تین دن تک گھر سے نہ نکلی ملکہ عالیہ نے اسے دو تین بار بلوایا مگر اس نے ہر بار بیماری کا بہانہ کر دیا۔ تیسرے دن شام کے وقت اس کے دروازے

پر دستک ہوئی گل ریز کی ماں نے دروازہ کھولا تو حسن بن صباح بے دھڑک گھر میں داخل ہو گیا گل ریز کی ماں آنے والے کو روکنے کے لئے اس کے آگے کھڑی ہو گئی۔

"مت روکو ماں۔ انہیں مت روکو" یہ گل ریز کی سسکیوں میں ڈوبی آواز تھی۔

گل ریز کی ماں سامنے سے ہٹ گئی حسن بن صباح سیدھا گل ریز کے پاس پہنچا اور بے تکلف اس کی چارپائی پر بیٹھ گیا۔

"گل ریز تم نے مجھے بیماری کی خبر ہی نہیں دی؟ حسن بن صباح نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

گل ریز نے ایک ٹھنڈی سانس لی پھر اس کی آنکھیں چھما چھم برسنے لگیں حسن بن صباح گھبرا گیا۔

"ارے ارے یہ کیا ہوا روکیوں رہی ہو؟"

"اپنی قسمت کو رو رہی ہوں" گل ریز نے بھرائی آواز میں جواب دیا۔

"کچھ مجھے بھی تو بتاؤ؟ اور حسن نے گل ریز کے شانہ پر ہاتھ رکھ دیا"۔

گل ریز نے نظریں اٹھا کر حسن بن صباح کو دیکھا اس کی نظریں حسن کی نظروں سے ملیں اور پھر گل ریز اس کی آنکھوں میں ڈوب گئی اسے دنیا و مافیا کی بھی خبر نہ رہی۔

"کچھ بتاؤ تو گل ریز؟ حسن بن صباح کی آواز تھی"۔

گل ریز کو اس کی آواز کہیں بہت دور سے آتی معلوم ہوئی حسن نے اس کے شانہ کو زور سے جھنجوڑا تو وہ جیسے خواب سے بیدار ہوئی۔

"کیا ہوا ہے تمہیں گل ریز؟" حسن بن صباح کے لہجہ میں پہلے سے زیادہ اپنائیت آگئی تھی۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا" گل ریز نے سسکی بھری "مگر اب تمہارے قابل نہیں رہی"۔

حسن نے اسے چونک کر دیکھا پھر ذرا تیز لہجے میں کہا۔

"گل ریز تمہیں معلوم ہے تم کیا کہہ رہی ہو اور اس کا مطلب کیا ہے"۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں گل ریز نے دوسری سسکی لی" وزیراعظم نے مجھے بلوایا تھا میں تمہارا راز' راز نہ رکھ سکی اور میں نے تم سے بیوفائی کی۔

"گل ریز" حسن بن صباح چارپائی سے کھڑا ہو گیا۔

گل ریز کی آنکھیں پھر برسنے لگیں۔

"میں تم سے شرمندہ ہوں۔ تم مجھے جو چاہے سزا دے سکتے ہو"۔

حسن بن صباح نے واپسی کے لئے قدم اٹھایا مگر رک کر پوچھا۔

"نظام الملک نے تم سے کیا پوچھا تھا؟"۔

گل ریز نے اب بھی سچائی سے کام لیا اور بتایا۔

"انہوں نے پوچھا کہ حسن بن صباح نے تجھے کیا دیا جو تو نے ملکہ توران سے ملانا چاہتی ہے" گلریز رک کر آنسو پونچھنے لگی۔

حسن بن صباح نے سخت لہجے میں دریافت کیا۔

"تم نے کیا جواب دیا اس خبیث کو؟"۔

"میں نے کہہ دیا کہ ہم ایک دوسرے کو چاہتے ہیں گل ریز نے صاف بتایا" میں وزیراعظم کے سامنے جھوٹ نہ بول سکی انہیں سب باتیں پہلے سے معلوم تھیں اگر میں جھوٹ بولتی تو وہ مجھے قتل کرا دیتے"۔

حسن بن صباح نے قدم بڑھایا اور غصے سے بولا۔

"تو تم نے اپنی پھانسی کا پھندا میرے گلے میں ڈال دیا گل ریز مجھے نہیں معلم تھا کہ تم اس قدر کمزور طبیعت کی مالک ہو ورنہ میں تمہیں منہ بھی نہ لگاتا۔ اب میں جارہا ہوں"۔

حسن تیز تیز قدموں سے دروازہ کی طرف چلا۔

گل ریز نے دوڑ کے حسن کا دامن تھام لیا۔

"مجھے سہارا دے کر کس پر چھوڑے جارہے ہو؟"۔

"تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ تمہیں سہارا دیا جائے"۔

یہ کہتا ہوا حسن باہر نکل گیا اس کے بعد حسن پھر کبھی مرو میں دکھائی نہیں دیا۔

حسن بن صباح کا صحیح نام و نسب یوں بیان ہوا ہے۔

حسن بن علی بن احمد بن جعفر بن حسن بن صباح الطہری۔ حسن بن صباح اور نظام الملک طوسی نہ صرف ایک ہی دور کے دو عظیم ہستیاں تھیں بلکہ دونوں کا نام بھی ایک ہی تھا حسن بن صباح کا نام حسن بن علی تھا اور نظام الملک کا اصل نام بھی حسن بن علی ہی تھا حسن بن صباح کو رئے کا باشندہ بتایا گیا ہے۔

چنانچہ جب حسن بن صباح اور نظام الملک طوسی میں اختلاف پیدا ہوا تو حسن بن صباح اپنے وطن رے واپس آگیا۔ اس وقت رے کا قلعدار ابو مسلم تھا ابو مسلم دراصل نظام الملک کا دور کا عزیز تھا۔ ایک روایت کے مطابق حسن بن صباح ہندسہ، حساب، نجوم اور تمام علوم ریاضیہ میں مہارت رکھتا تھا بس جب حسن قلعہ دار ابو مسلم سے ملا اور اس سے ملازمت کی درخواست کی تو حسن کی علمی اہلیت کی بنا پر ابو مسلم نے اسے اپنی مصاحبت میں داخل کر لیا۔

حسن بن صباح انتہائی ذہین انسان تھا اس نے جس قدر علم حاصل کیا تھا اگر وہ اس سے کوئی تعمیری کام کرنے کا مقصد کرتا تو علم کی دنیا میں بہت بڑا نام پاتا لیکن بدقسمتی سے اس کے دماغ میں تعمیر کے بجائے تخریب کاری کا مادہ شروع ہی سے پرورش پا رہا تھا۔ ترقی کی لگن اور کوشش ایک نہایت اچھا جذبہ ہے لیکن جب ترقی کے راستے میں انسان خود غرض اور مفاد پرست بن جائے تو وہ شہرت اور اعلیٰ مقام تو حاصل کر سکتا ہے مگر اعلیٰ شہرت اور اعلیٰ نام پیدا نہیں کر سکتا۔ اپنی اس بدطینتی کے باعث وہ نظام الملک طوسی کے ساتھ زیادہ دن گزارہ نہ کر سکا دراصل حسن بن صباح اپنے دوست نظام الملک عظمت اور عزت سے جل اٹھا تھا اور اس نے پہلے ہی روز فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ نظام الملک کو اپنے راستے سے ہٹا کر خود وزیراعظم بنے گا اسی لئے اس نے سلجوق ملکہ توران خاتون تک پہنچنے کے لئے

گل ریز کو اپنے دام میں پھنسایا مگر وہ کچھ کمزور طبیعت کی نکلی۔ اس لئے اسے نہ صرف گل ریز کو چھوڑنا پڑا بلکہ اس نے نظام الملک کو بھی ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیا اور مرو چھوڑ کر ابو مسلم کے پاس قلعہ رے میں چلا آیا اس قلعہ میں رہ کے اس نے چاروں طرف اپنی سازشی نظریں دوڑائیں اور غور کرنا شروع کیا کہ کون کون سے مقامات اور حکومتیں اس کو فائدہ پہنچا سکتی ہیں حسن بن صباح کو اپنی علمی استعداد پر شاید زیادہ اعتماد نہ تھا بلکہ وہ قدرت کی اس دین پر زیادہ بھروسہ کرتا تھا جو اس کی آنکھوں میں قدرت نے بھری تھی۔ حسن بن صباح کو کامل یقین تھا کہ اس کی طلسماتی آنکھوں میں ایسی کشش موجود ہے کہ اگر اسے کسی بھی خاتون سے صرف چند لمحے آنکھیں دو چار کرنے کا موقع مل جائے تو وہ خاتون اس کے سحر میں جکڑ کے رہ جاتی ہے۔ اور وہ اس سے بڑے سے بڑا کام لے سکتا ہے۔

حسن بن صباح نے اپنی اس طلسماتی کشش سے گل ریز کو اپنے قابو میں کر لیا تھا اور گل ریز نے صرف دو ملاقاتوں میں حسن بن صباح اور ملکہ توران خاتون کی ملاقات کا تقریباً" تمام معاملہ طے کر لیا تھا مگر حسن بن صباح کی بدقسمتی کہ نظام الملک طوسی وزیراعظم سلطنت سلجوق اس سے زیادہ باخبر اور ہوشیار تھا اور اس نے شاہ سلجوق ملک شاہ اور ملکہ سلجوق توران خاتون کے گرد جاسوسوں کا ایسا حلقہ بنا رکھا تھا کہ ان کے متعلق اسے ہر ہر لمحے کی خبر مل جاتی تھی۔

چنانچہ نظام الملک کو اپنے جاسوس سے معلوم ہو گیا کہ ملکہ سلجوق اور حسن بن صباح کی گل ریز کے تعاون سے ملاقات ہونے والی ہے۔ یہ ایک ایسی اطلاع تھی جس نے وزیراعظم کو ہلا کر رکھ دیا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کا بچپن کا دوست جسے اس نے کھلے دل سے اپنی حکومت اور وزارت میں بڑے سے بڑا عہدہ دینے کی پیش کش کی تھی وہ در پردہ اس کی جڑیں کاٹنے کی فکر میں لگ گیا تھا۔

نظام الملک نے پھر بھی حسن بن صباح کے ساتھ بڑی رعایت کی وہ چاہتا تو حسن بن صباح کو اسی وقت قتل کرا دیتا لیکن اس نے شرافت کا ثبوت دیتے ہوئے خود حسن بن صباح سے مل کے اس سے دریافت کیا،

"حسن میرے پیارے دوست تم ملکہ عالیہ توران خاتون سے ملاقات کے لئے اس قدر بے چین کیوں ہو؟"۔

حسن کی سازش نظام الملک کے سامنے کھل گئی تھی حسن بن صباح نے یہ سمجھ لیا کہ اب وہ قتل کرا دیا جائے گا اس طرح جب اس نے موت کو اپنے سامنے کھڑے دیکھا تو نہایت بے باکی سے جواب دیا۔

"نظام الملک تم نے اپنی کوشش اور جدوجہد سے ایک اعلیٰ مقام حاصل کیا ہے۔ پس اسی طرح مجھے بھی حق ہے کہ میں اپنی ترقی کے لئے کوشش اور جدوجہد کروں"۔

نظام الملک کچھ اور زیادہ نرم پڑ گیا بولا۔

"مگر میرے دوست یہ تو بتاؤ کہ ملکہ توران خاتون سے وہ کونسا عہدہ تم حاصل کرنا چاہتے تھے جو میں تمہیں نہیں دے سکتا تھا۔ تم نے مجھ سے سوال کر کے تو دیکھا ہوتا پھر نظام الملک نے ذرا رک کے کہا حسن بن صباح اس بات کا خیال رکھو کہ سلجوق بادشاہ محمد شاہ اور سلجوق ملکہ توران خاتون دونوں کی طاقت اگر یکجا کر دی جائے تو بھی وہ تمہارے نظام الملک سے زیادہ طاقتور نہیں ہو سکتے"۔

"خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ حسن بن صباح جیسے مرنے کے لئے بالکل تیار ہو گیا تھا" میں نے ایک کوشش کی تھی خواہ وہ غلط یا صحیح تم مجھے مجرم سمجھتے ہو تو جو چاہو سزا دے سکتے ہو؟"۔

"میرا خون اس قدر سفید نہیں ہو گیا ہے حسن بن صباح" نظام الملک نے متانت سے کہا "ہم تین دوست ایک عرصہ تک ایک ہی استاد کے زیر سایہ تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں ہمارے کچھ آپس میں عہد و پیمان بھی ہیں میرے خیال میں تمہاری زیادہ سے زیادہ یہ سزا ہے کہ تم یہاں سے کہیں اور چلے جاؤ تاکہ میری نظر تم پر دوبارہ نہ پڑے"۔

یہ نظام الملک کی کمال شرافت تھی کہ اس نے حسن بن صباح کو معاف کر دیا حالانکہ وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ حسن بن صباح کا ملکہ عالیہ توران خاتون تک پہنچنے کا یہ مقصد تھا کہ وہ نظام الملک کو اس کے عہدہ وزارت سے ہٹا کے خود اس کی جگہ وزیر اعظم بن جائے۔

ان حالات میں حسن بن صباح کو نظام الملک سے منہ چھپا کر قلعدار رے کے پاس پناہ لینے کی ضرورت پیش آئی تھی قلعدار ابو مسلم نے حسن بن صباح کے علم و فضل کے پیش نظر اسے اپنا مصاحب بلکہ گہرا دوست بنا لیا تھا اور دونوں میں ایسی دانت کاٹی روٹی تھی کہ حسن بن صباح کے بغیر اسے ایک لمحہ چین نہ ملتا تھا۔

یہ مثل مشہور ہے کہ اگر اقتدار مضبوط ہاتھ میں نہ ہو تو اس پر شراب و شباب غلبہ پا لیتے ہیں کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی بادشاہ یا سردار اپنے مرتبہ کا خیال نہیں کرتا تو وہ لہو لعب میں گرفتار ہو کر اپنی وقعت ختم کر دیتا ہے۔ رے کا قلعدار ابو مسلم بھی کچھ اسی قسم کا حاکم تھا وہ حسن و شباب کا رسیا تھا اور اپنے بیشتر اوقات حسینوں کے جھرمٹ میں گزارتا تھا اور حسن و شباب کے اس گروہ کی سرگروہ ایک قتالہ عالم حسینہ دلنواز تھی جس کا نام بھی اس حسن عالمتاب کی طرح "دل نواز" تھا۔

ابو مسلم اور حسن بن صباح میں پیار و محبت کی شدت میں "دل نواز" کا بڑا ہاتھ تھا حسن بن صباح بچپن ہی سے اپنے دوستوں اور دشمنوں کو قابو میں رکھنے کے لئے ان کی کمزوری تلاش کرتا تھا اور اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کے اس پر قابو حاصل کر لیتا تھا حسن بن صباح نے ابو مسلم سے پہلی ہی ملاقات میں اس کے رنگ ڈھنگ اور رنگ محفل کا پورا پورا اندازہ لگا لیا تھا۔ دل نواز ابو مسلم کی کمزوری تھی اور حسن بن صباح نے روز اول ہی سے دل نواز کو اپنی طلسمی آنکھوں کا رسیا کر لیا تھا۔

شاہی اور بادشاہی کا دور بھی کیا عجب دور تھا کہنے کو تو ایک بادشاہ یا سلطان ہوتا تھا لیکن سلطنت کا ہر کن' عامل یا عہدیدار اپنی جگہ خود کو بادشاہ سمجھتا تھا اور اس کا حکم بھی بادشاہوں کی طرح مانا جاتا تھا۔ ابو مسلم اگرچہ صرف ایک چھوٹا سا قلعدار تھا مگر اس قلعہ پر وہ بالکل مطلق العنان حکمران تھا۔ اس کے

اشارے کے بغیر پتا تک نہ مل سکتا تھا۔

جنگ کے زمانہ میں تو کبھی کبھی قلعوں پر مصیبت آجاتی تھی لیکن زمانہ امن میں یہاں عیش و عشرت کی محفلیں جمتی تھیں اور ہر شخص ایک ہی رنگ میں رنگا ہوا نظر آتا تھا ہر رات رے کے قلعہ میں "اندر سبھا" جمتی ابو مسلم کی پوری محفل میں حسن و شباب بکھرا ہوا نظر آتا۔ ہر طرف قہقہے اور مسکراہٹیں، چھیڑ چھاڑ، چہل بازیاں اور پھر جب دور شراب چلتا تو پھر اس ہنگام میں سب ہی ننگے ہو جاتے تھے۔

جب سے حسن بن صباح اس محفل کا رکن بنا تھا تو ایک تو اس وجہ سے کہ وہ ابو مسلم قلعدار کا دوست و مشیر تھا اور دوسرے وہ اپنی طلسماتی آنکھوں کی وجہ سے تمام حسیناؤں کا مرکز نظر بن گیا ہر حسینہ کی نظر گھوم پھر کر حسن بن صباح پر آکر جم جاتی تھی۔ ابو مسلم کی محبوبہ دل نواز کا تو یہ حال تھا کہ وہ "دور شراب" کے آغاز کا اشارہ اس وقت تک کرتی ہی نہ تھی جب تک حسن بن صباح محفل میں پہنچ نہ جاتا تھا۔

ابو مسلم کو جلد ہی یہ احساس ہو گیا تھا کہ دل نواز، حسن بن صباح میں کافی دلچسپی لے رہی ہے اور جس وقت اس کی نظر حسن بن صباح پر جمتی ہے تو بس ہی کر رہ جاتی ہے جب تک اسے ٹوکا یا روکا نہ جائے ایک شب جس وقت حسن بن صباح محفل میں داخل ہوا تو حسب معمول تمام حسیناؤں کی نظریں اس پر جم کر رہ گئیں۔ اس وقت ابو مسلم کی نظر دل نواز پر پڑی تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دل نواز، حسن بن صباح کو اس قدر وارفتگی اور دل گرویدگی کے انداز میں دیکھ رہی ہے کہ اسے دنیا و مافیا کا مطلق خیال نہیں۔

ممکن ہے کہ ابو مسلم کے دل میں اس گھڑی رشک یا حسد کا جذبہ پیدا ہوا ہو اور اس نے اس جذبہ کے تحت دلنواز کے شانہ پر ہاتھ رکھ دیا شانہ پر ہاتھ پڑتے ہی دل نواز اچھل پڑی کیونکہ اس کے شانہ تک صرف ابو مسلم ہی کا ہاتھ پہنچ سکتا تھا۔ دل نواز نے پلٹ کر ابو مسلم کو دیکھا کچھ گھبرائی پھر شرمندہ ہو کر سر

جھکا لیا۔

"کسے دیکھنے میں اس قدر محو تھیں دل نواز؟ ابو مسلم کا سوال اس قدر اچانک، غیر متوقع اور شاید طنز آمیز تھا کہ دل نواز شرم کے مارے پسینے پسینے ہو گئی۔

پھر دل نواز نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

"پیارے ابو مسلم۔ میں جب بھی تمہارے ملازم اور مصاحب حسن بن صباح کو دیکھتی ہوں تو میں قدرت کی اس فیاضی پر رشک کرنے لگتی ہوں بلا شبہ خدا نے حسن بن صباح کی آنکھوں میں اس قدر بلا خیز کشش پیدا کی ہے کہ اس پر پڑنے والی نظریں ایک عجیب طرح کے سحر میں الجھ کر رہ جاتی ہیں"۔

"شاید تم بھی اسی سحر میں الجھ گئی تھیں؟" ابو مسلم کا دوسرا سوال بھی شاید طنز کا تیر تھا دل نواز تڑپ اٹھی۔

"پیارے ابو مسلم۔ دل نواز نے پر وقار انداز میں کہا۔ "دل نواز کے دل پر ابو مسلم کا جادو پہلے ہی چل چکا ہے اب اس جادو کی کوئی کاٹ نہیں ہو سکتی یہ اور بات ہے کہ میں تمہارے ملازم اور مصاحب کی پر وقار شخصیت کی قائل ہوں وہ بھی صرف اس وجہ سے کہ تم بھی اس پر بہت زیادہ توجہ دیتے ہو"۔

ابو مسلم نے دل نواز کے انداز کی تلخی محسوس کر لی فوراً بولا۔

"ارے دل نواز۔ تم برا مان گئیں میں نے تو صرف تمہیں چھیڑا تھا؟"۔

"میں نے برا کب مانا ہے" دل نواز نے اس وقار سے جواب دیا میں نے بھی صرف حقیقت کا اظہار کیا ہے"۔

اس وقت تک حسن بن صباح حسیناؤں کے سلاموں کا جواب دیتا اور بڑے ادب اور سلیقے سے اپنا دامن بچاتا ابو مسلم کے پاس پہنچ چکا تھا۔

حسن نے ابو مسلم کو سلام کیا تو اس نے جواب میں ہنس کے کہا۔

"حسن آنے میں دیر نہ کیا کرو ہم تمہاری کمی بری طرح محسوس کرتے ہیں"

حسن بن صباح نے برجستہ کہا۔

"جس قلعدار کی آغوش کے قریب دل نواز موجود ہو اسے دنیا کی کسی چیز کی کمی نہ محسوس ہونا چاہئے"۔

ابو مسلم اپنی محبوبہ کی تعریف پر کھل اٹھا اور دل نواز اپنی اس عظیم تعریف پر شرمندہ سی ہو گئی اور اعتراف کرتے ہوئے بولی۔

"حسن بن صباح۔ میری اتنی تعریف نہ کرو کہ میں مغرور ہو جاؤں"۔

حسن ہنس کے بولا۔

"جس دل نواز کا قبضہ ابو مسلم کے دل پر ہو اسے مغرور ہونا ہی چاہئے"۔

حسن کے دوسرے جواب نے ایک بار پھر دونوں کو نہال کر دیا۔

حسن بن صباح کو ابو مسلم کے پاس آئے ہوئے ایک ہی مہینہ گزرا تھا کہ دل نواز کے علاوہ قلعہ کی تمام حسینائیں اس کا دم بھرنے لگیں دل نواز نے اگرچہ ابو مسلم کو اپنی وفاداری کا یقین دلا دیا تھا لیکن اصل بات یہ تھی کہ وہ خود بھی حسن بن صباح کی نظروں کی رسیہ ہو گئی تھی اور جس وقت محفل میں ابو مسلم موجود رہتا وہ خود کو حسن بن صباح سے زیادہ سے زیادہ دور رکھنے کی کوشش کرتی مگر اس کے جاتے ہی دل نواز' حسن بن صباح سے چپک کے رہ جاتی تھی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمان عقائد کے لحاظ سے دو مسلم خلیفاؤں کے درمیان بٹے ہوئے تھے اہل سنت بغداد کے عباسی خلیفہ کو اپنا امام سمجھتے اور اہل تشیع مصر کے فاطمی خلیفہ کو اپنا پیشوا سمجھتے تھے ان دونوں خلافتوں کا دلچسپ پہلو یہ تھا کہ بغداد کے عباسی اور مصر کے فاطمی خلیفہ اپنی اپنی عسکری طاقت سے بڑی حد تک محروم ہو چکے تھے اور صرف نام کے خلیفہ تھے۔

اپنی اس کمزوری کے باوجود عباسی اور فاطمی خلیفہ ہمہ وقت اس تگ و دو میں لگے رہتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ مسلمان بادشاہوں اور حکمرانوں کی تعداد انہیں اپنا خلیفہ تسلیم کریں اور ان کے نام اپنے ملک کے خطبوں اور سکوں میں شامل

ملک شاہ سلجوق اور اس کا وزیراعظم نظام الملک سنی عقیدہ رکھتے تھے اور عباسی خلیفہ کا سکہ اور خطبہ میں نام پڑھواتے اور لکھواتے تھے دوسری طرف مصر کے فاطمی خلیفہ اپنی تعداد بڑھانے اور زیادہ بادشاہوں اور حکمرانوں کو اپنے زیر اثر رکھنے کے لئے اپنے مبلغ اور داعی دوسرے ملکوں میں بھیجتے تھے ان مبلغوں اور داعیوں کو حکومت کی طرف سے بڑی مراعات دی جاتی تھیں اور ان کی بہت قدر دانی ہوتی تھی۔

مصر کے فاطمی خلیفہ کو کسی طرح یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ملک شاہ سلجوق کے دربار میں نیشا پور کے دو جوان پہنچے تھے جو خود کو وزیراعظم نظام الملک کو اپنا ہم مکتب بتاتے تھے پس نظام الملک نے اپنے دونوں ساتھیوں کو منہ مانگا انعام دینے کا فیصلہ کیا ان میں سے ایک تو نیشا پور میں ایک چھوٹی سی جاگیر پاکر قانع ہو گیا مگر دوسرا نظام الملک کے پاس ہی ٹھہر گیا یہ شخص حسن بن صباح کے نام سے پکارا جاتا تھا پھر کچھ دنوں بعد نظام الملک حسن بن صباح سے کسی بات پر ناراض ہو گیا اور اپنے اس دوست کو سلطنت بدر کر دیا۔

فاطمی خلیفہ کو یہاں تک بتایا گیا کہ حسن بن صباح جسے نظام الملک نے اپنی سلطنت سے نکال دیا ہے ایک انتہائی بیدار مغز اور علوم ریاضیہ کا ماہر ہے نیز یہ کہ وہ جناب علی مرتضٰی اور خاندان نبوت سے بلا کی عقیدت رکھتا ہے ایک خیال یہ بھی ہے کہ جب حسن بن صباح کی ان بن ہوئی اور حسن بن صباح کو مرو چھوڑنا پڑا تو اس نے ایک مصری تاجر کے ہاتھ فاطمی خلیفہ مستنصر کے پاس ایک خط بھیجا تھا جس میں حسن بن صباح نے لکھا تھا کہ وہ اہل بیت کا معتقد ہے اور عباسی خلیفہ کے علاقہ میں رہنے کی بجائے فاطمی خلیفہ کے زیر سایہ زندگی گزارنا چاہتا ہے بہرحال بات کچھ بھی ہو لیکن تاریخوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ فاطمی خلیفہ جو طلیسین اور عبیدین کے نام سے بھی یاد کئے جاتے تھے کو حسن بن صباح کی علمی عظمت کا حال معلوم ہو گیا تھا اور اس نے اسے اپنے دربار میں بلانے کی کوشش شروع کر دی تھیں۔ اس سلسلہ میں مصری جاسوس حسن بن صباح کو تلاش کرتے ہوئے قلعہ

رے تک پہنچ گئے تھے اور حسن بن صباح اور فاطمی خلیفہ کے درمیان گفت و شنید شروع ہو گئی تھی۔

جس طرح فاطمی خلیفہ کے جاسوس آسمان میں تگلی لگاتے تھے اسی طرح عباسی خلیفہ اور اس کے زیر اثر سلجوق سلطان ملک شاہ سلجوق کے جاسوس بھی پورے ایشیاء' افریقہ' اور یورپ کے درباروں تک پھیلے ہوئے تھے اور اپنے آقاؤں کو ہر اہم خبر سے باخبر رکھتے تھے جس طرح فاطمی خلیفہ مستنصر کو معلوم ہو گیا تھا کہ حسن بن صباح اس وقت ابو مسلم قلعدار رے کے پاس مقیم ہے اسی طرح سلطنت سلجوقیہ کے وزیراعظم نظام الملک طوسی کو بھی اس کے جاسوسوں نے یہ خبر پہنچا دی تھی کہ حسن بن صباح اس کی وزارت کے اثر سے نکل کر ابو مسلم کے پاس چلا گیا ہے۔ نظام الملک کے جاسوسوں نے اسے یہ خبر اس لئے بھی دی تھی کہ ابو مسلم نظام الملک کا قریبی عزیز بھی تھا۔ حسن بن صباح کے پاس مصری خلیفہ کی طرف سے کئی پیغام آچکے تھے اور فاطمی خلیفہ نے اسے ایک اچھے عہدے کی پیشکش بھی کی تھی لیکن حسن بن صباح اب تک کوئی فیصلہ نہ کر سکا تھا۔ اصل میں حسن بن صباح کو ایران' عراق' اور ایشیائے کوچک کے علاقوں سے اس قدر زیادہ محبت تھی کہ انہیں چھوڑ کر افریقہ کے ریگستان میں نہیں جانا چاہتا تھا جبکہ اسے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ مصر' فرعونوں کی سرزمین ہے اور وہاں کے لوگ بہت ناقابل اعتبار ہوتے ہیں۔

مگر ایک رات ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے اس کے پورے وجود کو ہلا کر رکھ دیا اس رات سے پہلے یعنی دن کے وقت ہی وہ چوکنا ہو گیا تھا۔ اس کی چھٹی حس نے اسے خبردار کر دیا تھا کہ کوئی نہ کوئی غیر معمولی بات ضرور ہونے والی ہے۔ حسن بن صباح نے اس دن ابو مسلم کی نظروں میں بھی ایک مختلف قسم کی چمک دیکھی تھی جو حسن بن صباح کے تجربہ' مشاہدہ اور علمیت کے نقطہ نظر سے انتہائی محبت یا انتہائی نفرت کی نظر ہو سکتی تھی۔

یہی نہیں بلکہ اس نے دل نواز کی نظریں بھی کچھ بدلی بدلی سی نظر آئیں

تھیں حسن بن صباح کی دل نواز سے دن کے وقت مشکل ہی سے کبھی ملاقات ہوتی ہو مگر یہ عجیب اتفاق تھا کہ اس دن اسے دل نواز کئی بار نظر آئی اور جب بھی اس کا اور دل نواز کا سامنا ہوا تو اس نے محسوس کیا کہ دل نواز اسے دیکھ کر گھبرا گئی ہے اور بار بار نظریں بچا کر اپنے اردگرد نظریں دوڑاتی ہے جسے اسے اپنے تعقب کئے جانے کا خوف ہو اور ہر بار وہ اس سے بغیر بات کئے قریب سے گزر جاتی تھی۔

اس رات محفل رقص و سرود میں بھی دل نواز اس سے کچھ کھنچی کھنچی رہی تھی یا محض اس کا گمان اور شک تھا کیونکہ تمام اوقات میں جب بھی حسن بن صباح نظریں گھما کر دل نواز کی طرف دیکھتا تو دل نواز جان بوجھ کے اس سے نظریں چرا لیتی تھی حسن بن صباح کا وہ دن اور رات کی محفل ختم ہونے تک وقت ایک عجیب بے چینی اور خلجان میں گزرا ابو مسلم نے بھی اس سے کم گفتگو کی اور خود اس نے بھی اسے خواہ مخواہ چھیڑنے کی کوشش نہیں کی حالانکہ وہ ابو مسلم کی دلچسپی کے لئے لطیفے اور چٹکلے بھی چھوڑا کرتا تھا۔

حسن بن صباح اپنے قیام و طعام کے معاملہ میں بہت محتاط تھا۔ ابو مسلم نے اس کی خدمت پر تین غلام مقرر کئے تھے مگر حسن بن صباح اپنے دو غلاموں کو یہ کہہ کر سرشام ہی چھٹی دے دیا کرتا تھا کہ وہ اپنے بال بچوں میں جا کر آرام کریں۔ اس کے لئے بس ایک غلام کافی ہے یوں وہ ان پر بظاہر احسان کیا کرتا تھا حالانکہ یہ عمل اس کی حد سے زیادہ احتیاط کا نتیجہ تھا۔ وہ اپنے ایک غلام پر بھی اعتبار نہ کرتا تھا پھر وہ تین تین غلاموں کو کیوں تمام رات اپنے سر پر سوار رکھتا۔ وہ واحد غلام جسے اپنے ساتھ رکھنے پر مجبور تھا اسے حسن بن صباح نے اپنے احسانوں تلے اس قدر دبا لیا تھا کہ اگر حسن اسے حکم دیتا کہ اپنے آقا ابو مسلم کو قتل کر دے تو یقین تھا کہ وہ غلام اس کے اس حکم سے بھی انکار نہ کرتا۔

ابو مسلم نے اس رات نہ جانے کیوں جلدی اپنی محفل برخاست کر دی جس کے لئے اس نے سردرد کا بہانہ تراشا یہ بات بھی حسن بن صباح جیسے حساس

اور محتاط آدمی کو مشکوک بنانے کے لئے بہت کافی تھی حسن کی رہائش قلعہ کی دوسری منزل پر اوپر آنے والے زینے کے بالکل سامنے والے کمرے میں تھی زینہ کے سامنے کا کمرہ اس نے خود پسند کیا تھا اس کا تیسرا غلام جو رات کو اس کا محافظ بھی ہوتا تھا زینہ کے اختتام پر برابر کے ایک چھوٹے کمرے میں رہتا تھا۔

حسن بن صباح کا اس کے لئے حکم تھا کہ زینہ کا دروازہ وہ اس وقت تک نہ کھولے جب تک وہ حسن بن صباح سے دروازہ کھولنے کی اجازت نہ حاصل کر لے یعنی اگر ابو مسلم بھی دروازہ کھولنے کو کہے تو وہ پہلے حسن بن صباح کے پاس آئے اگر وہ سو رہا ہے تو اسے جگا کر اجازت مانگے جب وہ اجازت دے تو پھر جا کر دروازہ کھولے۔

حسن بن صباح کو بھوک بھی کم تھی شراب و کباب سے یوں بھی کچھ نہ کچھ پیٹ بھر ہی جاتا ہے۔ حسن بن صباح شراب پینے میں بھی احتیاط برتتا تھا وہ بہت کم شراب پیتا اور پیٹ کو خالی بھی رکھتا اگر زیادہ بھوک معلوم ہوتی تو اپنے کمرے میں پہنچ کے کچھ کھا لیتا تھا اس شب اسے بالکل بھوک نہ تھی۔

محفل سے واپس آنے پر حسن بن صباح کی طبیعت کچھ زیادہ ہی کسلمند تھی آج خلاف معمول محفل جلد برخاست ہوئی تھی اس کا غلام اسے جلد آتے دیکھ کر حیران ہوا حسن سے اس نے کہا۔

"آج آقا کی طبیعت ناساز تھی محفل جلد برخاست ہو گئی"۔

غلام بھی مسکرایا اور دریافت کیا۔

"میرے لئے کیا حکم ہے میرے آقا؟"۔

حسن بن صباح نے کہا۔

"زینہ کا دروازہ بند کر کے آرام کرو اور کوشش کرو کہ میں بے آرام نہ ہونے پاؤں؟"۔

"بہتر ہے میرے آقا" اور غلام نے ادب سے سر جھکا دیا۔

غلام اس وقت تک حسن بن صباح کو دیکھتا رہا جب تک اس نے اپنے

کمرے میں داخل ہونے کے بعد دروازہ اندر سے بند نہ کر لیا۔ پھر غلام نے بھی زینہ بند کیا اور اپنی کوٹھری میں پہنچا مگر وہ ابھی چارپائی پر مشکل سے ٹکا ہی تھا کہ زینے کے دروازہ پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ پہلے اسے خیال ہوا کہ شاید اس کے کان بج رہے ہیں مگر فوراً ہی دوبارہ دستک ہوئی پھر تیسری بار دستک کے ساتھ ایک ہلکی سی آواز بھی آئی۔

غلام چارپائی پر بیٹھنے سے پہلے نیزہ دیوار کے سہارے کھڑا کر چکا تھا اور کمر میں لگا ہوا خنجر بھی نکال کر تکیہ پر رکھ چکا تھا۔ اب دستک اور آواز کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے اس نے فوراً خنجر کمر میں لگایا اور نیزہ سنبھال کے زینہ کے دروازے پر پہنچا۔

"زینہ پر کون ہے؟"۔ غلام نے آہستہ سے دریافت کیا وہ چاہتا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے اس کا آقا بے آرام نہ ہونے پائے۔

دروازے کے دوسری طرف سے کسی نے گھبرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"دروازہ جلدی کھولو میں ہوں"۔

آواز باریک تھی غلام کو یہ فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگی کہ وہ کوئی عورت ہے۔

"دروازہ کیوں کھولوں پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟غلام نے دوسرا سرال کیا۔

"میں ہوں مراد فکر نہ کرو دروازہ کھول دو؟" دوسری طرف سے پھر کسی نے درخواست کی مگر نام نہیں بتایا۔

"سنو بی بی" غلام نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میں مراد ہوں یا نامراد اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تم میرا نام جانتی ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اپنا نام سنتے ہی دروازہ کھول دوں میرے آقا کی تاکید ہے کہ انہیں بے آرام نہ کیا جائے؟ "۔

"ضد نہ کرو مراد" ادھر سے مزید زور دیا گیا میں تمہارے آقا کے لئے ایک اہم خبر لائی ہوں وہ سنیں گے تو تمہیں انعام دیں گے"۔

"میں نامراد ہوں بی بی" غلام نے جس کا نام مراد ہی تھا اور زیادہ سخت لہجے میں جواب دیا "اگر قلعدار ابو مسلم بھی دروازہ کھلوانے آئے تو میں نہیں کھولوں گا تم اس سے زیادہ اہم تو نہیں ہو سکتیں"۔

"او نا مراد جلد دروازہ کھول میرا نام دل نواز ہے اور تیرا قلعہ دار میرے اشاروں پر ناچتا ہے۔ فوراً کھول دروازہ ورنہ میں تجھے سولی پر چڑھوا دونگی"۔

دل نواز کا نام سن کے مراد کو پسینہ آگیا قلعہ دار ابو مسلم تو دل نواز کا غلام تھا وہ واقعی دل نواز کے اشاروں پر ناچتا تھا مراد نے گھبرا کر دروازے کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر فوراً ہی ہاتھ کھینچ لیا اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا آقا کہہ رہا ہو' کوشش کرنا میں بے آرام نہ ہو پاؤں۔

بند ہوا میں سرسراتی ہوئی اس سرگوشی کے ساتھ ہی اس کے مالک نے اپنے کمرے کا دروازہ کھول دیا اور پوچھا۔

"مراد۔ کون ہے زینہ پر؟"۔

"دل نواز۔" اور مراد کے منہ سے جیسے پھسل پڑا۔

"دل نواز۔" حسن بن صباح نے زیر لب دہرایا پھر تیز قدم اٹھاتا زینہ کے پاس آگیا۔

"کون ہے زینہ میں؟" حسن بن صباح نے حیرانی سے پوچھا۔

"میں ہوں حسن بن صباح میں دل نواز ادھر سے جواب ملا"۔

"دل نواز " جسے حسن بن صباح کو یقین نہ آیا ہو "کیا تم واقعی دل نواز ہو؟"۔

حسن بن صباح نے مراد کو اشارہ کیا اور مراد نے فوراً دروازہ کھول دیا۔

زینہ کھلتے ہی دل نواز اوپر آگئی اور دوڑ کے حسن بن صباح کے گلے لگ گئی۔

"شکر ہے کہ میں وقت پر پہنچ گئی"۔

دل نواز' حسن بن صباح کے گلے میں باہیں ڈالے کھڑی تھی اور مراد شرما شرما کے اور نظریں بچا بچا کے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"کچھ بتاؤ تو" حسن بن صباح نے اسے الگ کرتے ہوئے کہا "کیا خطرہ لگ گیا ہے میری جان کو؟"

"کیا یہیں کھڑے کھڑے پوچھو گے۔" یہ کہتے ہوئے دل نواز نے مراد کی طرف دیکھا۔

"مراد کی فکر نہ کرو۔ یہ مجھ پر اپنی جان نچھاور کر سکتا ہے حسن بن صباح نے یہ کہتے ہوئے دل نواز کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے کمرے کی طرف لے چلا۔

اسی وقت مراد کی آواز آئی۔

"آقا زینہ بند کر دوں کیا؟"۔

"ہاں بند کر دو اور اس کی حفاظت بھی کرو" حسن بن صباح نے رک کر کہا۔

"اور دیکھو۔ ایک دروازہ ایسا ضرور کھلا رکھنا کہ اگر مجھے یہاں سے نکلنے کی ضرورت پیش آئے تو مجھے کوئی پریشانی نہ ہو"۔

"ٹھیک ہے میرے آقا۔" مراد نے سر ہلایا پھر زینہ کا دروازہ مضبوطی اور احتیاط سے بند کر دیا۔

دل نواز کے اس طرح اچانک آنے سے حسن بن صباح پریشان تو ہو گیا تھا مگر وہ بڑے مضبوط اعصاب کا مالک تھا اور برے سے برے حالات میں بھی خود پر قابو رکھتا اور اپنی کمزوری ظاہر نہیں ہونے دیتا تھا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کے حسن بن صباح نے دل نواز کو اپنی مسہری پر مسکراتے ہوئے بٹھایا اور کہا۔

"دل نواز تم آج پہلی بار میری مہمان ہوئی ہو۔ بتاؤ میں تمہاری کیا خاطر کروں؟"۔

"حسن!" دل نواز نے حسن بن صباح کو حیران نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "تم نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں اس بدحواسی کے عالم میں تمہارے پاس کیوں آئی ہوں۔ میں ابو مسلم کی سب سے پیاری محبوبہ ہوں اس وجہ سے ابو مسلم کے جاسوس مجھے ہر وقت نظروں میں رکھتے ہیں۔ میں انہیں جل دے کے اور اپنی جان پر کھیل کر تم تک پہنچی ہوں مگر تم حالات کی سنگینی سے بے پروا ہو کر مجھ سے پوچھ رہے ہو کہ میری خاطر کس طرح کروں میں سخت حیران ہوں کہ تم کس دل گردے کے مالک ہو؟"۔

حسن بن صباح نے اسی مسکراہٹ کے ساتھ اور محبت بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"دل نواز حالات پر کسی کا قابو نہیں پھر پریشان ہونے سے فائدہ انسان پر سب سے بڑا عذاب یہ نازل ہو سکتا ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے اب رہا قتل یا موت تو یہ چیز یہ خیال تو ہر وقت ہمارے گرد منڈلاتا رہتا ہے پر کس بات کی پریشانی

اور کیسا ڈر؟"۔

دلنواز کی حیرت میں کچھ اور اضافہ ہو گیا اس نے کہا۔

حسن بن صباح تمہیں احساس ہو یا نہ ہو مگر میں تمہیں خطرے سے آگاہ کرتی ہوں ابو مسلم کو تمہارے قتل کا ....."۔

"دل نواز" حسن بن صباح نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے کہا۔

"ایسی خشک باتیں نہ کرو رات اپنی زلفیں پھیلا رہی ہے چاند بادل کی اوٹ میں چھپنے کے لئے بے چین ہے اور تم ہو کہ ایسے رنگین ماحول میں "قتل" جیسے ناگوار لفظ کو اپنے خوبصورت ہونٹوں میں ادا کر رہی ہو"۔

اس کے ساتھ ہی حسن بن صباح نے ہاتھ بڑھا کر الماری سے ساغر کھینچا اور مئے ناب کی صراحی اٹھا کر سامنے کے گنگا جمنی اسٹول پر رکھ دیا۔

"پہلے ہم جوانی کے ان کھلونوں سے کچھ دیر شغل کریں گے اس کے بعد اگر وقت ملا تو اس "قتل" اور اس کی تحریک کے بارے میں بھی گفتگو کر لیں گے"

۔

دل نواز' اس کی گفتگو کی اطاعت اور چمکتی آنکھوں سے پھوٹتی ہوئی طلسماتی کرنوں میں کچھ ایسی ڈوبی کہ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اس نے جس دن سے حسن بن صباح کو دیکھا تھا اسی وقت سے وہ اس کی آغوش میں سمٹنے کی خواہش مند تھی لیکن ایک تو ابو مسلم کا لگایا ہوا سخت پہرہ دوسرے حسن بن صباح کا مصنوعی کھچاؤ اسے حسن سے دور رکھے ہوئے تھا۔

مگر اس وقت تو حسن بن صباح خود ہی اسے دعوت عیش و طرب دے رہا تھا دل نواز غنودگی کے عالم میں تھوڑی سی حسن کی طرف جھکی پھر اس کی مضبوط باہوں میں سما گئی چاند نے بادلوں کی نقاب اوڑھ لی تھی اور کھڑکی سے آنے والے ہوا کے خوشگوار جھونکے انہیں بے خود کئے ہوئے تھے۔

"حسن! دل نواز کی جیسے کہیں دور سے آتی ہوئی آواز حسن بن صبا...

سماعت سے ٹکرائی۔

"ہاں۔ کہو دل نواز میں سن رہا ہوں" حسن بن صباح نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"ابو مسلم کو تمہارے قتل کا حکم دیا گیا ہے" دل نواز نے سنبھلتے ہوئے بتایا۔

"ہاں۔ میرے قتل کا حکم دیا گیا ہے اور حکم دینے والا ملک شاہ سلجوق کا وزیراعظم نظام الملک طوسی ہے" حسن بن صباح نے جیسے دل نواز کی ادھوری بات کو مکمل کر دیا۔

"تمہیں کس نے بتائی یہ بات؟"۔

"دل نواز۔" حسن بن صباح نے گھمبیر آواز میں کہا "کار زار حیات میں انسان کو آنکھیں اور کان دونوں کھلے رکھنے چاہیں میں جانتا تھا کہ ابو مسلم سلجوق وزیراعظم کا عزیز دار ہے وزیراعظم نے مجھے سلجوق دربار سے نکال دیا تھا اور یہ جانتے ہوئے کہ ابو مسلم اس کا عزیز ہے میں نے پھر بھی ابو مسلم ہی کے پاس پناہ حاصل کی"۔

"مگر کیوں" دل نواز نے گھبرا کے پوچھا؟ تم کسی اور جگہ بھی جا سکتے تھے۔ تم خود کیوں اپنی موت کو دعوت دینا چاہتے ہو؟ حسن!"۔

"دل نواز ایک بات یاد رکھو" حسن بن صباح نے اسے بچوں کی طرح سمجھایا "تم موت کے جس قدر قریب رہنے کی کوشش کرو گی موت تم سے اتنی ہی دور رہے گی"۔

"حسن تمہاری باتیں میری سمجھ سے بہت اونچی ہیں اور دل نواز نے گویا اپنی شکست تسلیم کر لی۔ میں کہہ رہی ہوں تمہارے قتل کا حکم ہوا ہے اور تم ہو کہ اس پر کان ہی نہیں دھرتے"۔

"اچھا تو پھر میں جا رہا ہوں ابو مسلم کے پاس" حسن بن صباح نے حیرت کا ایک اور تیر چلایا۔

"پاگل تو نہیں ہو گئے ہو حسن؟" دل نواز سنبھل کے بیٹھ گئی میں اس لئے آئی ہوں کہ تمہیں کسی ترکیب سے فرار کرا دوں اور تم ابو مسلم کے پاس اپنی موت مانگنے جا رہے ہو"۔

"دل نواز" حسن بن صباح پر موت کا نام سن کر ذرا بھی اثر نہ ہوا تھا یہ خیال رکھو کہ ابو مسلم مجھے قتل نہیں کر سکتا؟"۔

"کیوں نہیں قتل کر سکتا؟ دل نواز کو غصہ آگیا میں تمہیں بہت عقلمند سمجھتی تھی مگر تم تو بڑے بدھو نکلے بس اب جلدی سے تیار ہو جاؤ اور میرے ساتھ چلو میں نے تمہارے فرار کا انتظام کرا دیا ہے؟"۔

حسن بن صباح پریشان ہونے کی بجائے ہنس پڑا۔

"عجیب آدمی ہو تم ہنس رہے ہو حسن" دل نواز کو زیادہ غصہ آگیا۔

"ہاں ہنس رہا ہوں" حسن نے جواب دیا مجھے تمہارے غصہ پر ہنسی آرہی ہے "دیکھو دل نواز! میں تمہیں آج ایک بات بتاتا ہوں یہ بات میں نے آج تک کسی سے نہیں کہی بات یہ ہے کہ جب میں صاحب اقتدار ہو جاؤں گا تو تمہیں اپنی بیگمات میں ضرور شامل کروں گا"۔

دل نواز نے اسے گھور کے دیکھا۔

"میں یہ تو نہیں کہتی کہ تم صاحب اقتدار نہ ہو حالانکہ اس کے امکانات بہت کم ہیں تمہارے سر پر اس وقت موت کی تلوار لٹک رہی ہے اور تم مجھے اپنی بیگمات میں شامل کرنا چاہتے ہو پہلے یہ بتاؤ کہ تمہاری اور کتنی بیگمات ہیں؟"۔

حسن بن صباح نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"دل نواز! تم میری بات کا اعتبار نہیں کر رہی ہو اس لئے کہ میں تمہیں ایک معمولی انسان نظر آتا ہوں مگر وہ دن دور نہیں کہ میں ایک مضبوط تخت و تاج کا مالک ہوں گا اس وقت میں اپنے گرد، حسن و نور کا ایک بازار لگاؤں گا اس بازار میں ملک ملک کی حسینائیں، مختلف آوازوں میں بولیاں بولنے والیاں، طرح طرح

کے لباس پہننے والیاں' کالی' گوری' سانولی' ملیح اور نمکین رنگت اور خدو خال والی دوشیزائیں چہچہاتی اور مسکراتی دکھائی دیں گی"۔

"میں سمجھ گئی تم کیا بننا چاہتے ہو؟ دل نواز بھی مسکرا دی تمہارے دماغ میں بغداد کی عباسی خلافت یا مصر کی فاطمی خلافت کا کیڑا کلبلا رہا ہے تم خلیفہ بننا چاہتے ہو تاکہ ان کے محلوں کی طرح تمہارے پاس بھی ہزار دو ہزار خوبصورت کنیزیں جمع ہو جائیں"۔

"تمہارا خیال کسی حد تک درست ہے دل نواز" حسن نے تصدیق کی "مگر میں ایسا اقتدار حاصل کرنا چاہتا ہوں جس کے سامنے عباسی اور فاطمی دونوں خلیفہ سر جھکا دیں"۔

دل نواز جلدی سے اٹھ کھڑی ہو گئی۔

"حسن مجھے افسوس ہے کہ تم نے میری پیش کش پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا میں واپس جا رہی ہوں اس لئے کہ تمہاری اس قیام گاہ پر کسی وقت بھی چھاپہ پڑ سکتا ہے اور میں اس بھرپور جوانی کے عالم میں مرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی"۔

"تم جا سکتی ہو دل نواز" حسن بن صباح نے بڑے پیار سے کہا تمہاری آج کی ملاقات مجھے ہمیشہ یاد رہے گی میں اپنا یہ وعدہ بھی ضرور نبھاؤں گا کہ تم میری بیگمات بلکہ ملکاؤں میں شامل ہو گی۔

"بشرطیکہ تم زندہ بچ سکے " دل نواز پلو سنبھالتی کمرے کے دروازے پر پہنچ گئی۔"

"حسن بن صباح بولا۔

"تمہارے خیال میں میں کل یا آج رات کسی وقت قتل کر دیا جاؤں گا اس لئے مجھے اجازت دو کہ میں زینہ تک تمہیں رخصت کرنے چلوں حالانکہ یہ طے ہے کہ تم کل مجھ سے ابو مسلم کے دربار میں بھی گفتگو کر سکو گی"۔

حسن بن صباح زینہ تک دل نواز کو رخصت کرنے گیا دل نواز اس سے رخصت ہوتے وقت پریشان تھی مگر حسن بن صباح اپنی جگہ بالکل مطمئن تھا اس

کے دماغ کے کسی گوشہ میں بھی نہ تھا کہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔

دل نواز کو رخصت کرنے کے بعد جب وہ واپس آکر بستر پر لیٹا تو اسے ایک لمحے کے لئے یہ خیال آیا کہ ہو سکتا ہے کہ ابو مسلم دل کا اس قدر کمزور ہو یا سلجوق وزیر نظام الملک سے اس قدر ڈرتا ہو کہ اس کے احکام کے تحت وہ اسے قتل کرا دے اس کے اس خیال کو ابو مسلم کے قدرے بدلے ہوئے رویہ نے بھی تقویت دی اس نے ابو مسلم کی آنکھوں میں اور چہرے پر ایک خاص قسم کی تبدیلی محسوس کی تھی۔

حسن بن صباح اس مسئلہ پر جس قدر غور کرتا اس کی الجھن بڑھتی ہی جاتی تھی یہ الجھن اس قدر بڑھی کہ وہ اٹھ کے کمرے میں ٹہلنے لگا اس کا دماغ اس قدر الجھا ہوا تھا کہ اسے وقت کا بالکل احساس نہ ہوا اور اس کے ٹہلتے ہی ٹہلتے قلعہ کی مسجد سے فجر کی اذان سنائی دی حسن بن صباح کے قدم اک دم رک گئے وہ مسہری پر بیٹھ گیا مگر خیالات کا سلسلہ تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔

حسن بن صباح نے اذان کے فوراً بعد لباس تبدیل کیا منہ پر دو چھینٹے مارے اور چہرے کو پر سکون بنا کر کمرے کے باہر آیا اس کا غلام مراد جو پہلے ہی جاگ رہا تھا اور شاید اس کے برآمد ہونے کا منتظر تھا اسے ادب سے سلام کیا حسن بن صباح اس قدر سویرے بہت کم کمرے سے نکلتا تھا مراد کو اس بات پر ضرور تعجب ہوا ہو گا۔

حسن بن صباح نے سپاٹ لہجے میں مراد کو مطلع کیا۔

"مراد۔ میں ابو مسلم سے ملنے جا رہا ہوں"۔

مراد کا منہ حیرت سے کھل گیا اس کا دل چاہا کہ پوچھے کہ اے آقا میں رات کو دل نواز کے آنے ہی سے پریشان ہو گیا تھا مگر اس وقت آپ کا بالکل بے وقت ابو مسلم کے پاس جانے نے تو مجھے گھبرا کے رکھ دیا ہے مگر مراد غلام تھا اپنے آقا سے ایک غلام اس طرح کی باتیں کیسے پوچھ سکتا تھا۔ اس نے چپ زینہ کا درواہ کھولا اور حسن بن صباح کھٹ کھٹ کرتا زینہ سے اتر گیا۔

دو راہداریاں طے کرنے کے بعد جب وہ ابو مسلم کے رہائشی حصہ میں پہنچا تو وہاں سخت پہرہ لگا ہوا تھا ابو مسلم کا رویہ رعیت اور اپنے متعلقہ اراکین کے ساتھ بہت نرم اور شریفانہ تھا اور اسے کسی طرف سے بھی اپنی جان کا خطرہ نہ تھا مگر وہ اپنی حفاظت میں حد درجہ محتاط رہتا تھا وہ اکثر کہا کرتا۔

"رعیت اور عمال حکومت پاگل ہوتے ہیں وہ کسی وقت بھی بادشاہ کے خلاف بھڑک کے اسے قتل کر سکتے ہیں اس لئے بادشاہ کو خود اپنی حفاظت کرنا چاہئے"۔

یہ بات کسی حد تک ٹھیک بھی تھی اسی لئے کہ شاہی زمانہ میں عوام عام طور پر جاہل رہتے تھے تعلیم کی گاڑی عمال حکومت یا محلات شاہی کے اردگرد ہی گھومتی تھی عوام اس کے قریب بھی نہ پہنچ سکتے تھے ایسے عالم میں عوام کا ذرا سی بات پر بھڑک کے اپنے بادشاہ کو قتل کر دینا ایک عام سی بات سمجھی جاتی تھی۔

ابو مسلم نہ فجر کی نماز پڑھتا تھا اور نہ صبح کو جلدی جاگتا تھا مگر اس دن خلاف امید وہ جاگ گیا تھا۔ اسے حسن بن صباح کے آنے کی اطلاع دی گئی تو اس نے فوراً" بلا لیا۔

حسن بن صباح نے حاضر ہو کر سلام پیش کیا تو ابو مسلم نے کہا۔

"خیریت تو ہے حسن بن صباح آج صبح ہی صبح ہماری یاد کیسے آگئی؟"۔

"اے ابو مسلم" حسن بن صباح نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا آپ میری عزت افزائی کے لئے فرماتے تھے کہ میں حسن بن صباح کو جب تک دیکھ نہیں لیتا اس وقت تک مجھے چین نہیں آتا آج رات آپ کے اس غلام کی بھی کچھ ایسی ہی کیفیت ہو گئی تھی۔ میں تمام رات بستر پر بے چین رہا اور یہ سوچتا رہا کہ آپ مجھ سے فوراً" ملنا چاہتے ہیں اور شاید کچھ کہنا بھی چاہتے ہیں پس یہ سوچتے ہوئے میں نے فیصلہ کیا کہ قبل اس کے کہ آپ مجھے بلوانے کے لئے ہرکارہ بھیجیں میں خود ہی کیوں نہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔

ابو مسلم نے پہلے اسے تعجب بھری نظروں سے دیکھا پھر بولا۔

"یہ واقعی تعجب کی بات ہے حسن بن صباح میں کئی دن سے تم سے ایک مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ رات میں نے فیصلہ کیا تھا کہ صبح ہوتے ہی تمہیں بلواؤں گا چلو تم آگئے یہ بہت اچھا ہوا میں حمام سے ابھی آتا ہوں پھر اطمینان سے بات کریں گے"۔

ابو مسلم حمام چلا گیا اس کی باتوں نے دل نواز کے خدشہ کی تصدیق کر دی اسے یقین ہو گیا کہ نظام الملک نے اس کے قتل کا حکم دیا ہے مگر ابو مسلم اپنی نیک طبیعت اور شاید اس کی علمی فضیلت کی وجہ سے اس پر عمل کرنے سے ہچکچا رہا ہے حسن بن صباح کو اس بات میں بھی کوئی شبہ نہیں رہا کہ ابو مسلم اسے قتل نہیں کرا سکتا۔

ابو مسلم واپس آیا تو اس نے حسن بن صباح کو خیالوں میں کھویا ہوا پایا"۔

"تم کس سوچ میں الجھ گئے حسن؟" ابو مسلم نے شاید اسے مطمئن کرنے کے لئے کہا۔

حسن بن صباح خیالوں میں کھویا ہوا نہیں تھا بلکہ اس نے یہ کیفیت خود طاری کی تھی تاکہ ابو مسلم اس سے پوچھے چنانچہ ابو مسلم نے اس سے سوال کیا جس کے جواب کے لئے وہ پہلے سے تیار تھا۔

"معزز ابو مسلم" حسن بن صباح نے بہت ادب سے کہا " میں سوچ رہا ہوں کہ اس دن میں نے آپ کے سامنے اپنے مسلک کے بارے میں جو باتیں کی تھیں شاید مجھے وہ نہ کرنا چاہئے تھیں دیکھئے نا مسلک کے معاملہ میں کسی پر کوئی پابندی نہیں دین نے کہیں یہ حکم نہیں دیا کہ تم کس مسلک کی پابندی کرو اور کس سے انکار کر دو میں کسی مسلک کے خلاف نہیں لیکن اہل بیت سے مجھے جو محبت اور سرشاری ہے اس سے میں انکار نہیں کر سکتا یہی وجہ تھی کہ میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں عباسی خلیفہ کے بجائے فاطمی خلیفہ کو زیادہ پسند کرتا ہوں اگر آپ کو میری یہ بات ناگوار گزری ہو میں اس کے لئے معذرت خواہ ہوں اس کے ساتھ ہی میں یہ عرض کروں گا کہ اگر آپ کو کسی وجہ سے میرا یہاں قیام پسند

نہیں تو میں یہاں سے فوراً" چلا جاؤں گا۔

ابو مسلم بڑے غور سے اس کی باتیں سن رہا تھا جب حسن بن صباح خاموش ہوا تو اس نے کہا۔

"حسن بن صباح تم بحیثیت ایک دوست کے بھی مجھے بہت پسند ہو اس کے علاوہ بھی تمہاری علمیت سے بھی بہت متاثر ہوں مگر کم بخت غلامی کو کیا کیا جائے تم جانتے ہو کہ میں بھی کسی کا غلام ہوں اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ میں جس کا غلام ہوں وہ فاطمی کے بجائے بغداد کے عباسی خلیفہ کے پیروکار ہیں"۔

ابو مسلم اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا بات صاف ہو چکی تھی حسن بن صباح جیسے ذہین آدمی کے لئے اتنا اشارہ کافی تھا اس نے فوراً" کہا۔

"اے میرے دوست اور محسن ابو مسلم۔ آپ بالکل فکر نہ کیجئے میں آج ہی قلعہ چھوڑ دوں گا لیکن آپ سے ایک بات کا عہد ضرور لوں گا۔ امید ہے کہ آپ میری آرزو ضروری پوری کریں گے؟"۔

"ہاں ہاں کہو حسن ۔ میں تمہیں نا امید نہیں کروں گا؟ ابو مسلم نے بڑی فراخدلی سے پوچھا۔

حسن بن صباح نے بڑے اطمینان سے کہا۔

"اے ابو مسلم دنیا میں دوست بہت کم ملتے ہیں بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس دنیا میں وفا دار دوستوں کا قحط ہے میرے دل میں جس طرح اہل بیت کی محبت سمائی ہوئی ہے اسی طرح آپ کی دوستی نے بھی میرے دل میں گھر کر لیا ہے آپ مجھ سے عہد کیجئے کہ آپ مجھے اپنے دوستوں کے حلقہ سے کبھی نہیں نکالیں گے اور جب بھی آپ کو میری یاد آئے تو مجھے پیار اور محبت سے یاد کیجئے گا؟"۔

ابو مسلم نہ جانے کیا کیا سوچ رہا تھا اس نے یہ سنا تو خوش ہو گیا اور بڑی حسرت سے بولا۔

"حسن تم میرے دوست ہو اور ہمیشہ اسی طرح دوست رہو گے یقین رکھو کہ میں تمہاری دوستی زندگی بھر نہیں بھلا سکوں گا؟"۔

حسن بن صباح جیسے خود غرض اور مفاد پرست انسان کو کسی کی دوستی کی کیا پروا ہو سکتی تھی اس نے تو یہ سب کچھ ابو مسلم کو خوش کرنے اور اپنی جان پوری طرح محفوظ کرنے کے لئے کیا تھا بظاہر اس نے اس پر اپنی خوشنودی کا بہت اظہار کیا۔

حسن بن صباح نے رے کا قلعہ اور ابو مسلم کی دوستی کا اسی دن ساتھ چھوڑ دیا اور مصر کی طرف روانہ ہو گیا مصری خلیفہ مستنصر سے اس کی نہ صرف خط و کتابت تھی بلکہ فاطمی خلافت کے داعی بھی اس کے پاس آیا کرتے تھے قلعہ سے باہر نکلتے ہی مصری داعیوں نے اسے گھیر لیا اور بڑی عزت و احترام کے ساتھ حسن بن صباح مصری دربار میں پہنچ گیا۔

اس سلسلہ میں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے ابو مسلم کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ سلجوق وزیر نظام الملک طوسی کا خسر تھا اور نظام الملک نے اپنے خسر کو سخت تاکید کی تھی کہ حسن بن صباح کو زندہ نہ چھوڑا جائے اور فوراً" قتل کر دیا جائے مگر حسن بن صباح نے ابو مسلم کو اپنے جال میں اس طرح پھانسا تھا کہ وہ حسن بن صباح کو قتل کرنا تو درکنار اس کے جانے پر افسوس کا اظہار کر رہا تھا۔

مصر کی فاطمی خلافت جسے خلافت عبیدین اور طلیسین کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے اس کا آغاز مہدی سوڈانی کی مہدیہ حکومت سے ہوا تھا۔ تاریخ اسلام کا یہ ایک بڑا المیہ ہے کہ مسلمانوں اور اسلامی حکومتوں کو غیر اقوام اس قدر نقصان نہیں پہنچا سکے جتنا خود مسلمانوں کو اپنے بھائیوں کے ہاتھ سے اٹھانا پڑا۔ اس کی صورت یا طریقہ یہ ہوتا کہ جب دشمنان اسلام مسلمانوں کو میدان جنگ میں شکست دے پاتے تو وہ مسلمانوں کا بھیس بدل کے مسلمانوں کی صفوں میں گھس آتے تھے مسلمانوں کی سب سے زیادہ دشمن قوم یہود تھی۔

چنانچہ آغاز اسلام ہی سے یہودیوں نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے مسلم صفوں میں داخل ہو کے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچایا اس کام کے لئے

یہودیوں نے اپنی ایک انجمن قائم کی تھی اس انجمن میں پڑھے لکھے یہودیوں
داخل کیا جاتا اور انہیں اسلامی تعلیم دی جاتی اسلامی معاشرت و ثقافت میں ماہر
جاتا پھر ان میں سے ایک یا کئی آدمیوں کو اسلام کے مضبوط مرکزوں میں بھیج
مسلمانوں کو گمراہ کیا جاتا تھا۔

یہ اعلیٰ تعلیم یافتہ عیسائی جو اسلامی دین اور فلسفہ کے پوری طرح واقف
ہوتے تھے اسلامی لباس پہن کے، داڑھی بڑھا کر اور اپنے ماتھوں پر سجدوں کے
نشان بنا کر مسلمان مراکز میں جاتے مسجدوں، خانقاہوں اور دوسرے دینی اداروں
اپنی عبادت وریاضت اور زہد و تقوی کی نمائش سے لوگوں کو متاثر کرتے تھے
جب ان کے گرد ایک حلقہ عقیدت مندوں کا جمع ہو جاتا تو یہ ان بھولے بھالے
مسلمانوں کو گمراہ کرتے اور ان میں نفاق ڈال کر آپس میں لڑاتے تھے۔

اس قسم کی گمراہ کن تحریک میں سب سے پہلے یہی "سبائی" نظر آتی
اس کا سرغنہ ایک یمنی یہودی عبداللہ بن عباء تھا سباء کا رہنے والا یہ شخص نہایت
شاطر اور مکار تھا مگر اپنی صورت و شکل سے انتہائی مسکین اور بزرگ نظر آتا
مسلمانوں کا ایک گروہ اگرچہ اسے ایک فرضی نام سمجھتا ہے مگر بیشتر تاریخیں
ہیں کہ عبداللہ بن سباہی وہ شخص تھا جس نے اسلام میں سب سے پہلا تفرقہ
عبداللہ بن سبا اور اس کے فرقہ کے لوگ اسلامی مراکز میں پھیل گئے اور انہوں
نے تیسرے خلیفہ حضرت عثمان کے خلاف مسلمانوں کو اس قدر بھڑکایا کہ حضرت
عثمان کو ان کے گھر میں شہید کر دیا گیا۔

پھر اسی عبداللہ بن سبا نے حضرت عائشہ کو حضرت علیؓ کے خلاف کھڑا
کے جنگ جمل کرائی۔ جس میں دونوں طرف سے سیکڑوں صحابہ کرام شہید ہو گئے
اس جنگ کے بعد عبداللہ بن سبا ہی کی کوششوں سے مسلمانوں میں ایک اور
زبردست جنگ برپا ہوئی جو جنگ صفیق کے نام سے مشہور ہے۔

اسلامی تاریخ میں اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ ابن ملجم کو حضرت
کی شہادت پر آمادہ کرنے والی عورت قطامہ، فرقہ سبائیہ سے تعلق رکھتی تھی

عبداللہ بن سبا کی تحریک پر قطامہ نے اپنے عاشق ابن ملجم سے کہا تھا کہ اگر وہ علی بن ابی طالب کا سر تحفے میں پیش کرئے تو وہ (قطامہ) ہمیشہ کے لئے اس کی ہو جائے گی چنانچہ پہلے عبداللہ بن سبا نے حضرت عثمان کو شہید کرا کر کلمہ گو کو کلمہ گو کے خلاف جنگ جمل میں کھڑا کر دیا اور صحابیوں اور حاجیوں کی ایک کثیر تعداد کو شہید کرایا پھر حضرت علی کو شہید کرا کر یزیدیت اور حسینیت کے نام پر مسلمانوں میں ایسے دو گروہ پیدا کر دیئے جو پچھلے چودہ سو سال سے دست و گریبان ہیں۔

افسوسناک بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے یہ دونوں گروہ جو ایک خدا اور ایک رسول کو دل و جان سے تسلیم کرتے ہیں "فقہ" کی بنیاد پر ایسے تقسیم ہوئے ہیں کہ اپنے فقہی اختلافات کو باہم گفتگو سے کم کرنے اور ایک دوسرے کے قریب آنے کے اختلاف کی خلیج کو اور وسیع کرتے جا رہے ہیں۔

اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف جو جماعت کھڑی ہوتی ہے وہ اپنے آپ کو "اہل بیت رسول" کی عقیدت مند اور ہمدرد ظاہر کرتی ہے مگر یہ جماعت یا فرقہ جب طاقت حاصل کر لیتا ہے تو "اہل بیت رسول" کی عزت کرنے کے بجائے انہیں اور زیادہ تکلیف پہنچانے کا باعث بن جاتا ہے۔

بنوامیہ نے ایک صدی بھی بادشاہت نہ کی تھی کہ ابو مسلم خراسانی نے ان کا تختہ یہ کہہ کر الٹ دیا کہ وہ عباسی خلافت قائم کرنا چاہتا ہے مگر جب عباسی اقتدار میں آئے تو اہل بیت کی دلجوئی کے بجائے انہیں دودھ میں مکھی کی طرح نکال کر الگ کر دیا اس کے بعد باطنی، معتزلہ، خرمی (بابک خرمی) قرامطہ وغیرہ نے بھی اہل بیت کے نام پر طاقت حاصل کی اور قرآن و سنت کی غلط تاویلیں کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا۔

ان اسلام دشمن جماعتوں اور فرقوں کی تفصیل بیان کرنے کے لئے ایک الگ باب کی ضرورت ہے اس لئے اسے کسی اور موقع پر بیان کیا جائے گا یہاں پر اس ذکر کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ حسن بن صباح اگرچہ ایرانی النسل تھا اور اس کے یہودی ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا مگر اس کا تعلق باطنی فرقہ سے ضرور

رہا ہے اور جب اس نے خود طاقت حاصل کر لی تو شیخ الجبل کا قلب اختیار کر کے ایک نیا فرقہ اور جماعت قائم کی جو حشیشین کے نام سے آج تک بدنام ہے۔

اس مختصر تذکرہ کے بعد ہم پھر اصل کہانی کی طرف واپس آتے ہیں مصر کی فاطمی خلافت' بغداد کی عباسی خلافت کی حریف تھی مصر والے اہل بیت کے پیروکار اور فقہ جعفریہ کے ماننے والے تھے چنانچہ مصر کی فاطمی حکومت اہل تشیع کی تھی جبکہ عباسی خلافت اہل سنت کی تھی فاطمی خلافت ہو یا عباسی خلافت یہ دونوں نام ہی کی خلافتیں تھیں کیونکہ ان کا تمام ڈھانچہ ایرانی شہنشاہوں یا رومی قیصروں جیسا تھا۔

اسلام میں خلافت راشدہ کے بعد جناب امیر معاویہ نے پہلی بادشاہت قائم کی تھی مگر اس بادشاہت کو کبھی اموی خلافت' کبھی عباسی خلافت تو کبھی عثمانی خلافت کا نام دیا گیا اور ہم جیسے سادہ لوح مسلمان آج تک اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم چودہ سو سال تک خلیفہ حکومت کرتے رہے ہیں حالانکہ فاطمی عباسی خلافت کو اسلامی خلافت سے کوئی علاقہ نہ تھا بلکہ یہ دونوں بادشاہتیں یہ چاہتی تھی زیادہ سے زیادہ مسلمان ریاستیں اپنے ملک میں ان کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کریں۔

حسن بن صباح کے زمانہ میں بغداد میں عباسی خلیفہ مقتدی اور مصر میں فاطمی خلیفہ مستنصر علوی کی بادشاہی تھی اور یہ دونوں ایک دوسرے پر فوقیت اور برتری حاصل کرنے کے لئے اسلامی ممالک میں اپنے داعی (تبلیغ کرنے والے) بھیجتے تھے کہ وہ اس ریاست کے حاکم کو ان کے خلیفہ کا خطبہ اور سکہ جاری کرنے کی کوشش کریں۔

مستنصر علوی (فاطمی) کو اس کے جاسوسوں نے بتایا کہ حسن بن صباح نام کا ایک دانشور اور عظیم انسان سلجوق سلطان ملک شاہ کے دربار سے منسلک ہوا تھا مگر ملک شاہ کے وزیراعظم نظام الملک طوسی نے حسن بن صباح کو اپنے لئے خطرہ محسوس کیا اور اسے سلجوق دربار سے نکال باہر کیا۔

مستنصر ایسے دانشوروں کی تلاش میں رہتا تھا جو پریشان حال اور اپنی صلاحیتوں کے اظہار کے لئے بے چین ہوں اسے جب معلوم ہوا کہ حسن بن صباح سلجوق دربار چھوڑ کے قلعہ رے کے قلعدار ابو مسلم کے پاس چلا گیا ہے تو اس نے فوراً اپنے آدمی قلعہ رے روانہ کئے ان لوگوں نے حسن بن صباح سے رابطہ قائم کیا اور اسے خلیفہ مستنصر کا پیغام پہنچایا۔

خلیفہ مستنصر نے اپنے پیغام میں حسن بن صباح کو مصر آنے کی دعوت دی تھی اس کے ساتھ ہی حسن کو یہ بھی لالچ دی گئی تھی کہ اسے مصری حکومت میں اس کی خواہش کے مطابق عہدہ دیا جائے گا مگر اس وقت حسن بن صباح اور قلعہ دار رے کے تعلقات اچھے تھے اور حسن بن صباح دور جانے کے بجائے وہیں رہ کر اپنا مقام پیدا کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے اپنے جواب میں تعطل پیدا کیا علوی خلیفہ کو کوئی واضح جواب نہ دیا۔

پھر جب سلجوق وزیر نظام الملک نے اپنے خسر ابو مسلم کو حسن بن صباح کی گرفتاری اور قتل کا حکم بھجوایا تو حسن بن صباح کو مجبوراً قلعہ رے کو چھوڑنا پڑا حسن بن صباح نے فوراً مصری جاسوس سے ملاقات کی اور اس سے مصر جانے کے معاملات طے کرنے شروع کر دیئے۔

مصری جاسوس اصل میں علوی خلیفہ کا خاص آدمی تھا جسے خلیفہ نے داعیوں کا سرغنہ بنا رکھا تھا چنانچہ خلیفہ نے اسے قلعہ رے اس لئے بھیجا تھا کہ وہ ہر صورت میں حسن بن صباح کو اپنے ساتھ مصر لے آئے وہ پچھلے ایک ماہ سے قلعہ میں ٹھہرا ہوا تھا اور دوسرے تیسرے دن حسن بن صباح سے ملاقات کر کے اسے مصر لے جانے کی کوشش کرتا تھا۔

اب چونکہ حسن بن صباح خود ہی ملاقات سے مجبور ہو کر مصر جانے کا ارادہ کر چکا تھا اس لئے اس نے جاسوس سے دو ٹوک گفتگو کی حسن بن صباح نے اس سے کہا۔

"مجھے علوی خلیفہ کے دربار میں جانے اور ان کے لئے کام کرنے میں کوئی

تکلیف نہیں لیکن میری کچھ شرطیں ہیں"۔

جاسوس نے جواب دیا۔

"محترم حسن بن صباح ۔ میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور پھر عرض کرتا ہوں کہ خلیفہ نے آپ کو وہ تمام مراعات دینے کی پیش کش کی ہے جو مصر کے صرف اعلیٰ عہدیداروں کو دی جاتی ہیں"۔

"تم میرا مطلب نہیں سمجھے" حسن بن صباح نے پر وقار لہجے میں کہا " حکومتی عہدیدار ایک دوسرے کے ماتحت ہوتے ہیں اور میں کسی کی ماتحتی کرنے پر آمادہ نہیں یہ میری پہلی شرط ہے اور تمہیں یہ شرط ماننا پڑے گی؟"۔

"آپ کی یہ شرط سر آنکھوں پر" جاسوس نے جواب دیا لیکن اس شرط کا اقرار و انکار علوی خلیفہ کے اختیار میں ہے آپ مصر تشریف لے چلئے مجھے امید ہے خلیفہ آپ کو ناراض نہیں کریں گے"۔

"خلیفہ کے اختیار کا سوال تو مصر پہنچ کے ہی طے ہو گا حسن بن صباح نے جاسوس کو گھور کے دیکھا" مگر تم میری شرط تسلیم کرنے میں کیوں ٹال مٹول کر رہے ہو؟۔

"محترم و معزز حسن بن صباح ۔ جاسوس نے بڑے ادب سے عرض کیا میں خلیفہ کا ایک ادنیٰ غلام ہوں میں آپ کے سلسلہ میں کوئی فیصلہ کیسے کر سکتا ہوں"۔

حسن بن صباح نے زہر خند کیا اور بولا۔

"تم مجھے بہلانے کی کوشش نہ کرو یہ خیال رکھو کہ میرا نام حسن بن صباح ہے تم نے مجھ سے جس اعتماد سے گفتگو کی ہے وہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ تم خلیفہ کے خاص آدمی ہو اور خلیفہ نے تمہیں پورے اختیارات کے ساتھ میرے پاس بھیجا ہے اس لئے میں تمہاری ہاں کو ہاں اور تمہاری ناں کو ناں سمجھتا ہوں پہلے تم میری شرط منظور کرو تاکہ میں مصر جانے کا فیصلہ کروں"۔

جاسوس، حسن بن صباح کی گفتگو سن کر حیران رہ گیا اسے تسلیم کرنا پڑا کہ واقعی حسن بن صباح ایک بڑا دانشور اور عظیم انسان ہے۔

پھر بھی جاسوس نے اپنا پہلو بچایا اور جواب دیا۔

"اگر حسن بن صباح میری ذات کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں تو یہ شرط تسلیم کرتا ہوں کہ انہیں سوائے خلیفہ کے اور کسی دوسرے کی ماتحتی نہیں کرنا پڑے گی یعنی یہ کہ حسن بن صباح کو سوائے خلیفہ محترم کے اور کوئی حکم دینے کا مجاز نہ ہو گا"۔

جاسوس کی اس یقین دہانی پر حسن بن صباح نے مصر جانے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

حسن بن صباح کے مصر پہنچنے سے پہلے ایک بات جملہ معترضہ کے طور پر اگر بیان کر دی جائے تو قارئین کی معلومات میں اضافہ کے علاوہ حسن بن صباح کی "فطرت" کا بھی صحیح طور پر اندازہ ہو جائے گا یہ بات اس طرح ہے کہ عمرو خیام اور حسن بن صباح اپنے تیسرے دوست یعنی سلجوقی وزیراعظم نظام الملک طوسی کے پاس پہنچے اور اسے بچپن میں کیا ہوا عہد یاد دلایا تو نیک دل اور انصاف پسند نظام الملک نے عمرو خیام کو اس کی خواہش کے مطابق نیشاپور میں ایک جاگیر دے کے رخصت کر دیا۔

حسن بن صباح متلون مزاج مگر انتہائی ذہین اور فطین تھا اس نے نظام الملک سے خواہش کی کہ اسے بھی سلجوقی دربار میں اسی کی طرح کوئی اعلیٰ عہدہ دیا جائے چنانچہ نظام الملک نے ملک شاہ سلجوق سے سفارش کر کے حسن بن صباح کو سلطان ملک شاہ کا ندیم خاص مقرر کرا دیا ندیم خاص کا عہدہ "حاجب" کے برابر ہوتا تھا اور یہ ندیم، سلطان کی خلوت اور جلوت دونوں جگہ ہمہ وقت احکام سلطانی بجا لانے کے لئے حاضر رہتا تھا۔

حسن بن صباح کو ندیم خاص کا عہدہ بہت پسند آیا کیونکہ وہ ہروقت سلطان کے ساتھ رہنے لگا اور یہی اس کی خواہش تھی نظام الملک نے حسن بن صباح پر احسان کیا تھا کہ اسے اپنے برابر کا عہدہ دلوایا تھا مگر حسن بن صباح اس پر بھی قانع نہیں رہ سکتا تھا نظام الملک کی وزارت اسے ایک آنکھ نہ بھاتی تھی اور وہ ہر

وقت اس تدبیر میں لگا رہتا کہ کوئی ایسی بات ہو کہ وہ سلطان کی نظروں میں نظام الملک کو گرا سکے اور اسے معزول کرا کے خود اس کی جگہ سنبھال لے حسن بن صباح کی بدطینتی کے سلسلہ میں جو واقعہ ایک جگہ درج ہے وہ کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک روز دربار برخاست ہونے کے بعد نظام الملک' سلطان ملک شاہ کے پاس موجود تھا اور حسن بن صباح بھی ندیم خاص کی وجہ سے سلطان کے ساتھ ہی تھا سلطان ان دنوں اپنی سلطنت کی وسعت اور شاہی خزانہ کے اخراجات کے سلسلہ میں کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

سلطان نے اپنے وزیراعظم سے دریافت کیا۔

"نظام الملک اگر ہم خواہش کریں کہ تمام سلطنت سلجوق کی سالانہ آمدنی اور اخراجات" کی ایک مکمل فرد تیار کر کے ہمیں دی جائے تو اس کام کو کتنے دنوں میں مکمل کر سکو گے؟"۔

نظام الملک اس سوال پر حیران رہ گیا سلجوق سلطان ملک شاہ اگرچہ ایک ذہین اور اعلیٰ دماغ انسان تھا مگر نظام الملک یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ سلطان کو اپنی سلطنت کے جمع و خرچ کا اس قدر خیال ہے کہ وہ پوری سلطنت کے جمع و خرچ کا گوشوارہ تیار کرنے کا حکم دے سکتا ہے اس زمانہ میں آج کل کی طرح تیز رفتار ذرائع، آمد و رفت تھے اور نہ سلطنت کے تمام حصوں میں وزارت مال کے دفاتر تھے سلطان کے اس غیر متوقع سوال پر نظام الملک چونکا ضرور تھا مگر وہ ملک کا وزیراعظم تھا اور سلطان کے ہر سوال کا جواب دینا اس کے فرائض میں شامل تھا۔ سوال فوری ہوا تھا اور جواب بھی فوری دینا تھا وزیراعظم نے اپنی ذہانت اور خیالات کے فورا" گھوڑے دوڑائے مگر سلطنت سلجوقیہ جس کا ایک سرا خراساں اور دوسرا سرا فاطمہ سلطنت مصر تک پہنچتا تھا اس سلطنت کے جمع و خرچ کا اندازہ لگانا انتہائی دشوار امر تھا۔

وزیراعظم نظام الملک اپنے اندازوں اور خیالات میں غرق تھا کہ سلطان ملک شاہ کی آواز دوبارہ اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ سلطان نے کہا۔

"نظام الملک۔ کن خیالوں میں کھو گئے ہم نے تم سے کچھ دریافت کیا ہے؟"۔

"عالیجاہ۔ میں نے حضور کا ارشاد سن لیا ہے اور اسی کے جواب کی فکر میں ہوں" نظام الملک نے رک رک کر بڑی متانت سے جواب دیا۔

سلطان مسکرایا اور بولا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اپنا سوال روک کے تم سے دوسرا سوال یہ کرنا پڑے گا کہ تم اس غور و فکر میں کتنے دن لگاؤ گے؟"۔

"مزید ایک لمحے کی بھی دیر نہ ہو گی سلطان محترم۔" نظام الملک کے متین چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ " میں نے تخمینہ لگا لیا ہے میرا اندازہ ہے جمع و خرچ کے مکمل گوشوارہ کے لئے کم از کم دو سال کا عرصہ ضرور درکار ہو گا"۔

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اس وقت سلطان ملک شاہ کا ندیم حسن بن صباح بھی اس کے ساتھ تھا جو سلطان اور نظام الملک کے درمیان ہونے والے سوال و جواب کو بغور سن رہا تھا شاید حسن بن صباح کو کسی ایسے ہی وقت کی تلاش اور ضرورت تھی پس نظام الملک کی بات ختم ہوتے ہی وہ فورا" بول پڑا۔

"عالیجاہ۔ اگر یہ خدمت اس غلام کے سپرد کی جائے تو میں جمع و خرچ کی مکمل فرد صرف چالیس روز میں تیار کر سکتا ہوں۔

حسن بن صباح کے اس اچانک اور بلا جواز دخل در معقولات پر نظام الملک دھک سے رہ گیا نظام الملک کو یہ تو معلوم تھا کہ حسن بن صباح حد درجہ چالاک اور فطری انسان ہے مگر یہ بات اس کے خیال میں بھی نہ تھی کہ حسن بن صباح جسے خود اس نے سلطان کے ندیم کا عہدہ جو وزیر کے برابر کا عہدہ تھا دلایا تھا وہ سلطان کے سامنے اسے اس انداز سے ذلیل کرنے کی کوشش کرے گا۔

سلطان کو بھی حسن بن صباح کی یہ حرکت پسند نہ آئی اس نے پہلے تو نظام الملک کی طرف دیکھا جو اس طرح خاموش کھڑا تھا جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو

وہ دل ہی دل میں حسن بن صباح کی احسان فراموشی کو صلواتیں سنا رہا تھا اور دزدیدہ نظروں سے شاہ کو بھی دیکھتا جارہا تھا پھر جب اس نے محسوس کیا کہ ملک شاہ اس کی طرف دیکھ رہا ہے تو اس نے اپنے جھکے ہوئے سر کو کچھ اور جھکا لیا تاکہ بادشاہ اس سے کوئی سوال نہ کر سکے مگر شاہ کی نظریں نظام الملک سے ہوتی ہوئی حسن بن صباح پر آکر رک گئی تھیں۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ فرد چالیس دن میں مکمل ہو جائے گی؟ ملک شاہ نے قدرے تلخ لہجے میں حسن بن صباح سے سوال کیا"۔

"عالیجاہ" حسن بن صباح نے پورے وثوق سے جواب دیا۔ "مجھے اس بات میں اتنا ہی یقین ہے جتنا یقین دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کے آنے کا ہوا کرتا ہے"۔

ملک شاہ اس کے جواب پر بہت متعجب ہوا ادھر نظام الملک کا یہ حال تھا کہ اسے اپنے پیروں تلے سے زمین نکلتی معلوم ہو رہی تھی حسن بن صباح کے اس جواب سے اسے یقین ہو گیا تھا کہ ذہین اور خطرناک آدمی یہ کام ضرور کرلے گا اور اس کے بعد خود نظام الملک کا کیا بنے گا اس کے تصور ہی سے اسے پسینہ آگیا تھا۔

سلجوق سلطان ملک شاہ ایک عالی دماغ حکمران تھا مگر حسن بن صباح نے اسے جس جرات اور دیدہ دلیری سے جواب دیا تھا اس کے پیش نظر وہ اس وقت کوئی اور سوال نہ کر سکا اور یہ کام اس نے حسن بن صباح کے سپرد کر دیا مگر اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ حسن بن صباح نے اگر یہ کام کر کے اپنی صلاحیت اور اہلیت ثابت بھی کر دی تو وہ حسن بن صباح کی نظام الملک کے ساتھ احسان فراموشی کو کبھی نہ بھول سکے گا۔

سلجوق دور میں ندیم' کے عہدے کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہ تھی بادشاہ کے بعد تمام اختیارات وزیراعظم کے پاس ہوتے تھے سوائے اس کے کہ ندیم شاہ کے ایک خاص غلام بادشاہی ہرکارے کے فرائض انجام دیتا تھا حسن بن صباح نے نظام الملک سے کوئی ایسا عہدہ مانگا تھا جس سے اسے بادشاہ کے زیادہ قریب رہنے کا موقع میسر ہو اور نظام الملک نے اسے ندیم بنوا کر اپنا پیچھا چھڑا لیا تھا۔

شاہی دربار سے حسن بن صباح اور نظام الملک دونوں ایک ساتھ ہی نکلے مگر حسن بن صباح کا چہرہ چمک رہا تھا اور نظام الملک کا نہ صرف رنگ پھیکا پڑ گیا تھا بلکہ چلنے میں اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے ایسا ہونا بھی چاہئے تھا اس لئے کہ حسن بن صباح کی کامیابی نظام الملک کی تنزلی اور ہلاکت کا باعث بھی بن سکتی تھی وہ دونوں دیر تک ساتھ ساتھ چلتے رہے مگر ان میں کوئی گفتگو نہ ہوئی یہاں تک کہ شاہی محل سے نکل کے نظام الملک اپنی گھوڑا گاڑی پر سوار ہو کے اپنے محل چلا گیا حسن بن صباح کی رہائش' شاہی محل سے بالکل متصل ایک چھوٹی سی حویلی میں تھی اس نے نظام الملک کو رخصتی سلام بھی نہ کیا اور منہ گھما کر اپنی حویلی کی طرف چلنے لگا۔

حسن بن صباح نے جمع خرچ کی فرد تیار کرنے کے لئے چالیس دن مانگے تھے اس عرصہ میں نظام الملک پر ایک ایک دن یوں گزرتا جیسے یہ عرصہ ختم ہونے کے بعد اسے سولی پر چڑھا دیا جائے گا ان دنوں اس کی بے کیفی اور بے حالی دیکھنے کے قابل تھی وہ دربار میں بھی کھویا کھویا سا رہتا تھا بر خلاف اس کے حسن بن صباح کے چہرے پر شگفتگی تھی اور اس شگفتگی میں ہر گزرنے والا دن کچھ اضافہ کر دیتا تھا۔

نظام الملک حسن بن صباح کو دیکھتے ہی اپنی نظریں جھکا لیتا تھا پھر اس دن تو نظام الملک پر بالکل مردنی چھا گئی جب حسن بن صباح نے بڑے اعتماد سے دربار میں اعلان کیا۔

"عالی جاہ! غلام کو فرد تیار کرنے کے لئے چالیس دن کی مہلت عطاء کی گئی تھی اس مہلت کا آج انتالیسواں دن ہے اور کل میں حضور عالی میں سلطنت سلجوق کے جمع و خرچ کا گوشوارہ پیش ـــ ن عات حاصل کروں گا"

نظام الملک کا تو یہ سن کر خون ہی خشک ہو گیا مگر سلجوق بادشاہ ملک شاہ کو حسن بن صباح کے اس اعتماد پر تعجب ہوا اس نے حسن بن صباح کو گھورتے ہوئے کہا۔

"کیا تم نے واقعی گوشوارہ تیار کر لیا ہے؟"۔

حسن بن صباح کے اعتماد میں ذرا بھی لغزش نہ پیدا ہوئی اور اس نے اسی اعتماد سے جواب دیا۔

"شاہ کا ندیم دربار عالی میں جھوٹ بولنے کی کس طرح جرات کر سکتا ہے" ۔

"حسن" ملک شاہ نے زور دیتے ہوئے کہا " اگر تم اس امتحان میں کامیاب ہوئے تو ہم تمہیں منہ مانگا انعام عطاء کریں گے ورنہ پھر..."۔

ملک شاہ نے آگے کچھ نہیں کہا شاہ کے درباری بھی حسن بن صباح کے رویہ کے شاکی تھے۔ ان کے خیال میں حسن بن صباح احسان فراموش ہونے کے علاوہ خودسر اور مغرور بھی تھا انہیں حسن بن صباح کا یہ دعویٰ پسند نہ آیا اس کے اس دعوے سے نظام الملک بدحواس ہو گیا حسن بن صباح کے پر اعتماد انداز گفتگو سے اسے بھی یقین ہو گیا تھا کہ اس نے ضرور گوشوارہ تیار کر لیا ہے اور کل اس کا اس دربار میں آخری دن ہو گا۔

آج کا دربار کچھ بدمزہ ہو گیا تھا ملک شاہ کے مزاج میں تلخی آگئی تھی اس نے جلدی دربار برخاست کر دیا وہ رات حسن بن صباح اور نظام الملک دونوں ہی پر بہت بھاری گزری حسن بن صباح نے جو گوشوارہ تیار کیا تھا اس کے بارے میں اسے یقین تھا کہ وہ ملک شاہ کو ضرور مطمئن کر لے گا اور پھر کل نظام الملک کی جگہ اس کی وزارت کا اعلان ہو گا یہ تصور اور خیال اس قدر دل خوش کن تھا کہ حسن بن صباح رات بھر نہ سو سکا۔

ادھر نظام الملک رات بھر یوں نہ سو سکا کہ یہ رات اس کی وزارت کی آخری رات ہے اور کل اس کی جگہ اس کا احسان فراموش دوست نما دشمن وزیر اعظم بنے گا۔

دوسرے دن دربار کھچا کھچ بھرا ہوا تھا تمام امیروں وزیروں کو معلوم تھا کہ آج وزارت تبدیل ہو جائے گی وہ لوگ جن کے ساتھ نظام الملک نے کچھ سلوک کیا تھا ان کی تعداد دربار میں زیادہ تھی وہ دربار میں وقت سے پہلے پہنچ گئے تھے مگر ان کے لبوں پر جیسے تالے پڑے ہوئے تھے وہ خاموش خاموش اور مضحل مضحل تھے ہاں وہ لوگ جو نظام الملک کے مخالف تھے اور اس کے خوف کی وجہ سے وہ خاموش رہتے تھے اس وقت خوب چہک رہے تھے اور حسن بن صباح کی ذہانت کی تعریفوں میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہے تھے۔

حسن بن صباح، شاہ ملک شاہ کی شاہی مسند کی بائیں جانب اور نظام الملک مسند کے دائیں جانب کھڑا تھا اسی وقت باادب اور با ملاحظہ کی صدائیں بلند ہوئیں اور ملک شاہ پورے شاہانہ جلال کے ساتھ شاہی عصاء بردار کے پیچھے دربار میں داخل ہوا سب لوگ کھڑے اور ان کی نظریں جھکی ہوئی تھیں شاہ نے اپنی مسند سنبھالی اور فوراً" ہی حکم دیا۔

"حسن بن صباح، سلطنت سلجوق کا گوشوارہ پیش کرے؟"۔

حسن بن صباح، گوشوارے کا پلندہ بغل میں دبائے کھڑا تھا حکم ہوتے ہی آگے بڑھا اور بڑے اعتماد کے ساتھ گوشوارہ ملک شاہ کے سامنے تخت شاہی پر رکھ دیا حسن بن صباح اس قدر مطمئن اور پر اعتماد تھا کہ اس کے چہرے سے مسرت اور شادمانی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں اور وہ بار بار نظریں گھما کر نظام الملک کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو کہ دیکھ میں نے کتنی جلدی تجھے شکست دیدی مگر نظام الملک کی جھکی ہوئی نظریں جھکی ہی رہیں اس نے ایک بار بھی حسن بن صباح کی جانب نہیں دیکھا ہاں نظام الملک چور نظروں سے ملک شاہ کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا جو اس وقت حسن بن صباح کا پیش کیا ہوا گوشوارہ دیکھنے میں منہمک تھا۔

دربار پر کامل سکوت طاری تھا صرف ان کے چہرے بول رہے تھے جن درباریوں کے چہرے دھواں دھواں تھے وہ نظام الملک کے ہمدرد اور اس کی دریا دلی

اور اہلیت کے قائل تھے کچھ چہرے شگفتہ اور شاداب بھی تھے یہ وہ لوگ تھے جن کے بعض مطالبات ماننے سے وزیراعظم نظام الملک نے انکار کر دیا تھا۔

"حسن بن صباح" یکایک ملک شاہ کی گرجدار آواز سنائی دی پورا دربار لرز کر رہ گیا ایک تو یہ کہ ملک شاہ حسن بن صباح کو ہمیشہ صرف "حسن" کے لفظ سے مخاطب کرتا تھا مگر اس وقت اس کے خلاف اصول و امید اسے "حسن بن صباح" کہا تھا اس کے علاوہ ملک شاہ کے لہجے میں ایسی سختی تھی جیسے وہ کسی درباری سے بلکہ مجرم سے مخاطب ہوا ہو۔

عجیب بات تھی کہ ملک شاہ صرف "حسن بن صباح" کہہ کے خاموش ہو گیا تھا جمع و خرچ کی فرد کے اوراق کو جلدی جلدی الٹ رہا تھا۔ تھوڑی دیر اسی طرح خاموشی طاری رہی پھر ملک شاہ نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"نہیں، نہیں۔ کہیں بھی نہیں ہے"۔

کسی کی بھی سمجھ میں نہ آیا کہ سلطان کے ان الفاظ کا کیا مطلب ہے نظام الملک کے دل کی دھڑکن کچھ اور زیادہ ہو گئی تھی مگر ملک شاہ نے دوسرے ہی لمحے گوشوارہ پر ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"حسن بن صباح، ان اعداد کی نہ کوئی تشریح ہے اور نہ سابقہ حوالہ۔ اس بارے میں تم کیا کہتے ہو؟"۔

حسن بن صباح کا دل پہلی بار دھڑکا اس نے جھک کے ان اعداد کو دیکھا جس پر ملک شاہ انگلی رکھے ہوئے تھا پھر اس کے دل کی دھڑکن اتنی تیز ہوئی کہ جیسے وہ سینے سے نکل جائے گا۔

آخر حسن بن صباح نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"غلام نے ایسی جزئیات پر زیادہ توجہ نہیں دی ہے کیونکہ ...."۔

"خاموش رہو، ملک شاہ گرجا "بے توجہی اور نااہلی کا جواز پیش کرنے کی ضرورت نہیں"۔

پھر ملک شاہ نے ایک اور جگہ انگلی رکھ کے کہا۔

"اور اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟"۔

حسن بن صباح نے پھر جھک کے دیکھا یہ بھی پہلے ہی طرح کی غلطی تھی اس نے کہا۔

"شاہ معظم، میں گوشوارے کی تکمیل کے لئے صرف چالیس دن"۔

"چپ ہو جا بدبخت، ملک شاہ جلال میں آگیا "تو اپنی غلطی تسلیم کرنے کے بجائے "غلطی" کا جواز پیش کرنا چاہتا ہے جب ان اعداد کی تشریح اور کوئی سابقہ حوالہ نہیں تو یہ غلط بھی ہوسکتے ہیں؟"۔

حسن بن صباح کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا ملک شاہ نے چند لمحے انتظار کیا پھر چیخ اٹھا۔

"تیری خاموشی تجھے مجرم بناتی ہے جواب دے یا اپنا جرم تسلیم کر؟"۔

"مجھے معاف کیا جائے عالیجاہ" حسن بن صباح نے ہکلاتے ہوئے درخواست کی۔

"تجھے کیسے معاف کیا جاسکتا ہے حسن! ملک شاہ نے دہاڑتے ہوئے کہا " تو نے ایک نہیں تین جرم کئے ہیں پہلا جرم یہ کہ تو نے یہ گوشوارہ بغیر تحقیق اور تصدیق کے محض اپنے اندازوں کے زور سے تیار کیا ہے دوسرا جرم کہ تو نے بادشاہ کے سامنے غلط اعداد وشمار پیش کئے اور تیسرا تیرا اور سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ تو نے اپنے محسن سے بیوفائی کی ہے نظام الملک نے تجھے "ندیم" کا عہدہ دلوایا مگر تو اس قدر نمک حرام اور احسان فراموش نکلا کہ تو نے نظام الملک کی جگہ حاصل کرنے کی کوشش کی تیری کم از کم سزاء موت ہے ہم حکم دیتے ہیں کہ تجھے اس وقت قتل کر دیا جائے"۔

حسن بن صباح کو خدا معلوم غیرت آئی کہ نہیں مگر بامروت اور اعلیٰ ظرف نظام الملک اپنے دوست جو دراصل اس کا دشمن تھا کی موت کی سزاء سن کر تڑپ اٹھا وہ بے چین ہو کر اپنی جگہ سے ہٹ کے شاہی تخت کے پاس پہنچا اور تخت کا

ایک پایہ پکڑ کے فرش پر بیٹھ گیا پھر بھرائی آواز میں گویا ہوا۔

"اے شاہوں کے شاہ۔ تیری نوازشیں اور مہربانیاں میری رگوں میں خون بن کے دوڑ رہی ہیں میں تیرے احسانات کا صلہ اپنی جان دے کے بھی ادا نہیں کر سکتا میں نے اب تک تیری بخشش اور کرم ہی دیکھا ہے....."۔

اتنا کہہ کر نظام الملک نے اپنی جھکی ہوئی نظریں اوپر اٹھائیں ملک شاہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا دونوں کی نظریں ایک دوسرے سے ٹکرائیں تو نظام الملک نے فوراً نظریں دوبارہ جھکا لیں۔

"اے وزیر باتدبیر۔ تو آخر کیا چاہتا ہے۔" ملک شاہ نے خود ہی پوچھا۔

"اے شاہ دوراں" نظام الملک نے تھرائی آواز میں جواب دیا۔ "خطا دار میں ہوں جس نے حضور عالی میں ایک ایسے شخص کو پیش کیا جس نے بھرے دربار میں ایک نامکمل گوشوارہ پیش کر کے مزاج عالی کو برہم کیا عقلمندوں نے اس لئے کہا ہے کہ اگر شاہوں سے مہلت طلب کی جائے تو اس میں اتنی گنجائش رکھنا چاہئے کہ کام مکمل ہو جائے۔ حسن نے غلطی کی اور کام کو سرانجام نہیں دیا پھر بھی اے شاہا! میں اس کی زندگی کی بھیک مانگتا ہوں میری ناچیز خدمات کے صلہ میں اسے زندہ رہنے اور دنیا کی ٹھوکریں کھانے دیا جائے"۔

"شاباش ہے نظام الملک تجھ پر کہ تو اپنے دشمن کی جان بخشی طلب کر رہا ہے"۔ ملک شاہ نے غصہ سے کہا' اس نے تو چالیس دن اس لئے مانگے تھے کہ وہ گوشوارہ تیار کر کے تجھے دربار سلجوق سے بے عزت کر کے نکلوا دے۔

مختصر یہ کہ شاہ بضد تھا کہ حسن بن صباح جیسے مفاد پرست اور احسان فراموش انسان کو فوراً موت کے گھاٹ اتار دیا جائے تاکہ خلق خدا اس کے فتنہ سے محفوظ رہے مگر نیک دل نظام الملک تخت شاہی کا پایہ پکڑ کر بیٹھ گیا اور اعلان کیا کہ وہ تخت کو اس وقت تک نہ چھوڑے گا جب تک شاہ سلجوق اپنا حکم واپس نہیں لیتا درباری جو تھالی کے بینگن کی طرح وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں انہوں نے دیکھا کہ نظام الملک کی جان بچ گئی اور حسب سابق وزیراعظم رہے تو انہوں نے بھی نظام الملک کی ہاں میں ہاں ملانا شروع کر دی۔

ملک شاہ کو غصہ تو بہت تھا مگر جب وزیراعظم کے ساتھ ساتھ پورا دربار ہو گیا تو اس نے مجبور ہو کر حکم دیا۔

"نظام الملک اور تمام درباریوں کی سفارش پر حسن بن صباح کی جان بخشی کی جاتی ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اسی وقت دربار سے نکل جائے اور جلد سے جلد حدود سلجوق سے باہر ہو جائے"۔

اس طرح حسن بن صباح سلجوق دربار سے "بہ یک بینی و دوگوش" یعنی خالی ہاتھ بے عزت کر کے نکالا گیا۔

حسن بن صباح باوجود اپنی کئی کمزوریوں کے ایک حوصلہ مند انسان تھا اس کے خیال میں مفاد پرستی اور احسان فراموشی' ترقی کے راستے کی سیڑھیاں ہیں جس طرح جنگ میں ہر بات اور ہر عمل جائز ہے اسی طرح ترقی کے راستہ میں آنے والے ہر پتھر کو کسی طور بھی ہٹایا جاسکتا تھا نظام الملک کے ساتھ اس نے جو سلوک کیا تھا اس پر اسے کوئی افسوس نہ تھا بلکہ حسن کے دل میں نظام الملک کی طرف سے ایک گرہ سی پڑ گئی تھی اور اس نے فیصلہ کیا تھا کہ اگر قسمت نے یاوری کی اور وہ کسی مقام پر پہنچا تو وہ نظام الملک سے ضرور انتقام لے گا مگر اس سے کوئی پوچھتا کہ آخر بے چارے نظام الملک کا قصور کیا ہے تو وہ اس کا جواب نہ دے سکتا تھا۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ بغداد کی سنی عباسی خلافت کے مقابلہ میں اس وقت مصر کی فاطمی حکومت قائم تھی ارو دونوں حکومتیں اپنی طاقت بڑھانے کی فکر میں لگی رہتی تھیں خاص کر مصر کی فاطمی حکومت نے اپنے داعی (دعوت دینے والے) سلطنت عباسیہ کے تمام علاقوں میں پھیلائے تھے جن کا کام یہ تھا کہ بھولے اور پریشان حال لوگوں کو لالچ دے کر انہیں فاطمی لعقائد سمجھائیں پڑھائیں اور آخر میں اسے عقیدہ تبدیل کرنے پر راضی کریں حسن بن صباح کو اس قسم کے کئی داعی مل چکے تھے مگر کوئی بھی اسے متاثر نہ کر سکا تھا۔

سلجوق دربار سے نکلنے کے بعد حسن بن صباح اصفہان آیا اور شہر کے ابوالفضل کے پاس پناہ لی ابوالفضل اس کی علمی استعداد اور اہلیت سے اچھی طرح واقف تھا اس نے حسن بن صباح کو ہاتھوں ہاتھ لیا ارو اپنے پاس بڑے آرام عزت سے رکھا حسن بن صباح کو جب سے سلجوق دربار سے جواب ملا تھا اس وقت سے وہ خلافت عباسیہ کے اور زیادہ خلاف ہو گیا تھا اس لئے کہ سلجوق بادشاہ بغداد کے عباسی خلیفہ کو مانتا تھا اور عباسی حکومت میں جو حلب سے کاشغر تک پھیلی ہوئی تھی عباسی خلیفہ کا خطبہ اور سکہ چلتا تھا اس صورتحال کے پیش نظر اس نے طے کیا تھا کہ عباسی حکومت کو نقصان اور زک پہنچانے کے لئے اسے عباسیوں کی مد مقابل مصر کی فاطمی خلافت کا سہارا اور مدد حاصل کرنا ہو گی اور اس کے لئے وہ سرگرداں تھا۔

مشہور ہے کہ ہر مرد کے عروج کے پس پردہ کوئی عورت ضرور ہوتی ہے معقولہ حسن بن صباح پر بھی صادق آتا ہے اس کی ترقی کا راز بھی اس کا خواتین کی طرف زیادہ جھکاؤ اور میل ملاقات تھی مگر اس کے کردار کے کسی پہلو سے ثابت نہیں ہوتا کہ حسن بن صباح عیاش اور عورتوں کا رسیا تھا اگر ایسا ہوتا عورتوں کے پیچھے بھاگتا اور ان کے حصول کے لئے کوشش کرتا دکھائی دیتا۔

عورتوں میں دلچسپی نہ رکھنے کے باوجود حسن بن صباح کا بیشتر وقت خوبصورت عورتوں ہی کے درمیان گزرتا تھا یہ سب اس کی مردانہ وجاہت کے ساتھ ساتھ اس کی آنکھوں میں طلسمی کشش اور ایک خاص قسم کی چمک تھی عورت کوئی بھی ہو یعنی شہزادی یا ملکہ بھی ہو تو اس کی نظر اگر ایک بار بھی حسن بن صباح سے مل جاتی تو وہ اس کی پرستار بلکہ کنیز بن کے رہ جاتی تھی۔

اصفہان کا شہر کوتوال ابوالفضل ایک اچھا انسان تھا وہ دانشوروں اور مفکروں کا قدردان تھا اس کے پاس قیام کے دوران حسن بن صباح کے ارد گرد خواتین منڈلاتی رہیں ابوالفضل شراب و شباب کی صحبت سے گریز کرتا تھا مگر اس نے اپنے دوست پر کوئی پابندی نہیں لگائی تھی حسن بن صباح کے فرصت کے اوقات عورتوں کے درمیان گزرتے تھے وہ اکثر کہا کرتا کہ ترقی کی سیڑھیاں اعلیٰ قابلیت کے باوجود عورت کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر ہی طے ہو سکتی ہیں۔

ابوالفضل کو حسن بن صباح کی ان محفلوں سے نہ دلچسپی تھی اور نہ اعتراض وہ اکثر حسن کا دل رکھنے کے لئے ایسی مجلس میں شریک بھی ہو جاتا تھا مگر الگ الگ اور دامن بچائے ہوئے وہ حسن کی اہلیت کا دل سے قائل تھا مگر اسے حسن بن صباح کے دل کا حال معلوم نہ تھا کہ وہ سلجوقیوں کا تختہ الٹنے کی فکر میں لگا ہوا ہے واضح رہے کہ اس سے پہلے حسن بن صباح کو رے کا قلعہ دار ابو مسلم کے پاس پناہ لینے کا ذکر کیا گیا ہے ممکن ہے ابو مسلم اور ابوالفضل دونوں ایک ہی شخص ہوں کیونکہ دونوں جگہ کے واقعات بالکل مشابہ ہیں۔

ابو مسلم نے حسن بن صباح کو قلعہ سے اس لئے بے دخل کیا تھا یا حسن خود وہاں سے چلا آیا تھا کیونکہ حسن کے پاس مصر کے فاطمی خلیفہ کے داعی آتے رہتے تھے اور اس کی خبر ابومسلم کو ہو گئی تھی اس واقعہ میں جب حسن بن صباح ایک شب اپنی محفل عشرت جمائے بیٹھا تھا خوبصورت رقاصائیں تھرک رہی تھیں اور دور شراب جاری تھی تو حسن بن صباح کی زبان سے شراب کے نشہ میں ایک دم نکلا۔

"اے ابوالفضل اور مجھے تمہارے جیسے مخلص اور سچے دو تین اور دوست مل جائیں تو میں سلاجقہ (سلطنت سلجوق) کا تختہ الٹ کے رکھ دوں"۔

اس وقت ایک حسینہ نے جو حسن کو دل و جان سے چاہتی تھی فوراً" حسن کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا کیونکہ اصفہان کا شہر کوتوال اور حسن کا میزبان بالکل حسن بن صباح کے قریب ہی بیٹھا تھا اور حسینہ نہیں چاہتی تھی کہ بات ابوالفضل کے کانوں تک پہنچے مگر شہر کوتوال کے کان اس وقت بھی کھلے ہوئے تھے چنانچہ حسن بن صباح کے کہے ہوئے الفاظ ابوالفضل کے کانوں سے ٹکرائے اور وہ چونک پڑا۔

شہر کوتوال نے گھور کے حسن بن صباح کو دیکھا اور دریافت کیا۔

"حسن ہوش میں ہو تم جانتے ہو کیا کہہ رہے ہو؟"۔

حسن کی محبوبہ نے زور سے حسن کا ہاتھ دبایا کہ وہ ہوش میں ہو مگر دختر رز (شراب) نے حسن کو عقل و خرد سے بیگانہ کر دیا تھا اس نے جھٹکا دے کر ہاتھ حسینہ دلنواز سے چھڑا لیا اور کمال' بیباکی سے جواب دیا۔

"میرے پیارے دوست ابوالفضل' تم میرے ایک سچے اور مخلص دوست ہو اگر مجھے تم جیسے دو تین اور دوست مل جائیں تو میں خلیفہ کا دنیا سے نام و نشان مٹا دوں"۔

ابوالفضل اس کی بات پر ناراض ہونے کے بجائے ہنس دیا اور بولا۔

"نادان دوست۔ شراب نے تمہیں عقل و خرد سے بیگانہ کر دیا جو تم بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو سلجوق کے شاہ ملک شاہ کا سکہ تمام دنیائے اسلام میں چل رہا ہے بغداد کا خلیفہ بھی اس کے سامنے دم نہیں مار سکتا اور تم ہو کہ اس کا تختہ الٹنے کی باتیں کر رہے ہو"۔

حسن بن صباح پر شراب کا پورا غلبہ تھا اسے اب بھی ہوش نہ آیا حالانکہ اس کی محبوبہ نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اس قدر زور سے دبایا تھا کہ اس کے ناخن حسن بن صباح کی کھال میں اتر گئے تھے پس حسن نے لڑکھڑائی زبان سے پہلے سے کہیں زیادہ زور دے کر کہا۔

"ہاں' ہاں۔ میں تختہ الٹنے کی کوشش کر رہا ہوں ملک شاہ نے مجھے اپنے دربار سے بے دخل کیا ہے میں اسے تخت و تاج سے بے دخل کر کے رہوں گا"۔

ابوالفضل نے اس کی باتوں سے یہ اندازہ لگایا کہ حسن بن صباح کا دماغی توازن بگڑ گیا ہے جب بھی وہ اس طرح اول غول بک رہا ہے اس کی سوچ ٹھیک تھی اس دور میں ملک شاہ کا طوطی بول رہا تھا تمام اسلامی حکومتیں اس کا لوہا مانتی تھیں خلافت عباسیہ کے تمام حصوں میں خلیفہ کے ساتھ ملک شاہ کا نام خطبہ میں شامل تھا حسن بن صباح کا ایسی سلطنت کا تختہ الٹنے کا خیال کسی دیوانے کی سمجھی جا سکتی تھی۔

ابوالفضل نے اسی وقت محفل برخاست کرا دی اور نائب کو حکم دیا کہ حسن بن صباح کو اس کے کمرے میں پہنچا کر اس پر سخت پہرہ لگا دیا جائے پھر شہر کے تمام بڑے بڑے حکیموں کو بلا کر حسن بن صباح کا پوری طرح طبی معائنہ کرایا جائے حکماء کے لئے یہ بھی حکم ہوا کہ وہ حسن بن صباح کی طبیعت سنبھلنے تک اس کے قریب رہیں۔

ابوالفضل کے حکم کی فوراً تعمیل ہوئی حسن بن صباح کو اس کے کمرے میں پہنچایا گیا حکیموں کا بورڈ بیٹھ گیا حکیموں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ کہیں حسن بن صباح اپنی دیوانگی میں کسی پر حملہ نہ کر دے یا طبی معائنہ کے دوران کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کر بیٹھے جس سے معائنہ میں حرج واقعہ ہو اسے نیند کی ایک خوراک پلا کر سلا دیا۔

صبح کو جب اسے ہوش آیا تو اس نے خود کو اپنے کمرے میں دو درجن بھر حکیموں کی قید میں پایا اس کی محبوبہ تمام رات اس کے سرہانے بیٹھی آنسو بہاتی رہی تھی اس نے حسن بن صباح کو رات کے تمام حالات سے آگاہ کیا حسن بن صباح کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا مگر اب کیا ہو سکتا تھا اپنے میزبان کے مطابق اس پر دیوانگی کا دورہ پڑا تھا اور وہ حکیم اس کے دیوانہ پن کو دور کرنے میں کوشاں تھے۔

بہت سوچ بچار کے بعد حسن بن صباح نے اپنے نادان میزبان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ایک تدبیر نکالی اس کی محبوبہ نے اس کا اس شرط پر ساتھ دیا کہ حسن بن صباح اسے بھی اپنے ساتھ لے جائے گا پس اپنی محبوبہ کی مدد سے وہ اپنے تیمار دار کی قید سے بھاگ نکلا اس نے اپنی اس محبوبہ کو بھی حسب سابق دھوکہ اور اپنی ایک نشانی اس کے پاس محفوظ کر کے پھر دشت نوردی اور آوارہ گردی پر روانہ ہوا۔

حسن بن صباح کا یہ وطیرہ تھا کہ وہ جس عورت سے ملتا اس پر یہ ظاہر کرتا کہ وہ اس سے ٹوٹ کر محبت کرتا ہے مگر جب اس سے رخصت ہوتا تو اسے اپنا رومال یا قمیض بطور نشانی یا محبت کی یادگار کے طور پر دے دیتا اور اسے اطمینان دلاتا کہ جب وہ کسی جگہ سکون سے ٹھہرے گا تو اسے اپنے پاس بلوا لے گا۔

مصر کی فاطمی سلطنت کو عبیدین فاطمین اور علیسین کی سلطنت بھی کہا جا
ہے بعض مورخین نے مصر کے فاطمی خلفاء کو اسمعیلی لکھا ہے مگر یہ غلط معلوم ہو
ہے کیونکہ مصر کے فاطمی خلفاء کو تمام بڑے بڑے اہل تشیع کے مجتہدین سلطنت
فاطمیہ کہتے ہیں اور انہیں اہل تشیع میں شامل سمجھتے ہیں۔

فاطمی سلطنت کی بنیاد دراصل مہدی سوڈانی نے افریقہ کے ملک سوڈان میں
رکھی تھی مہدی سوڈانی نے "امام مہدی" ہونے کا دعوی کیا تھا سوڈان سے مہدی
سوڈانی اور ان کے خاندان والوں نے مشرق کی طرف کوچ کیا اور آخر مصر پہنچ کر
قاہرہ کا جدید شہر آباد کیا قاہرہ سے پہلے یہ علاقہ چار چھوٹے شہروں میں تقسیم تھا مگر
سوڈانی جنرل جوہر صقلی نے اسے فتح کر کے چاروں شہروں پر مشتمل ایک نیا شہر آباد
کیا اور اس کا نام قاہرہ رکھا اس وقت سے آج تک یہ شہر آباد اور ترقی کے منازل
طے کر رہا ہے مصر کا جامعہ ازہر مسلمانان اسلام کی سب سے بڑی اسلامی یونیورسٹی
ہے حسن بن صباح کو اصفہان سے نکلنے کے بعد آورہ گردی کے دوران ایک فاطمی
داعی سے ملاقات ہوئی اس نے حسن بن صباح کو اپنے ڈھنگ کا آدمی سمجھتے ہوئے
اس کے سامنے "فاطمی عقیدہ" پیش کیا حسن تو قابل تھا ہی مگر فاطمی داعی بھی عقلمند
اور ذہین تھا اس لئے دونوں میں فاطمی عقائد اور مصر کے فاطمی خلیفہ میں بحث و
مباحثہ ہوتا رہتا۔

اس دوران حسن بن صباح سخت بیمار ہوا وہ داعی اور رفیق جس سے حسن

بن صباح بحث کیا کرتا تھا کسی اور طرف چلا گیا تھا اس رفیق کی جدائی نے اسے
ایسا بے حال کیا کہ بستر سے لگ گیا اور زندگی کی کوئی امید نہ رہ گئی حسن نے اس
وقت سوچا کہ اگر میں مختلف عقائد کی بھول بھلیوں میں اسی طرح الجھا رہا اور
موت نے میرا گلا دبایا تو میں باطل پر مروں گا اور حق سے محروم رہوں گا۔

غرض جب وہ اس شدید اور طویل بیماری سے نجات پا کے کھڑا ہوا تو اسے
پھر خود ہی کسی داعی یا رفیق کی تلاش ہوئی کہ وہ اس سے اپنے دل کا حال بیان کر
سکے قارئین کی دلچسپی کے لئے یہ لکھنا بہتر ہو گا کہ اس آفت یعنی شدید بیماری میں
بھی اس نے عورتوں سے ناتا نہیں توڑا اس کی میزبانی اور تیمارداری کا شرف اس
دفعہ جسے حاصل ہوا تھا وہ بیچارہ سرکاری فوج میں ملازم تھا اس کی پلٹن اس قصبہ
سے تیس میل کے فاصلہ پر تعینات تھی ہفتے عشرے کے بعد وہ صرف ایک دن اور
ایک رات کے لئے گھر آتا اور دوسرے دن اپنے کام پر واپس جایا کرتا تھا اس
غریب کو یہ نہ معلوم تھا وہ اپنی بیوی اور بچی کو خدا کے سپرد تو کر چلا ہے مگر ایک
جسم شیطان حسن بن صباح کی صورت میں اس کے گھر میں موجود ہے جس نے اپنی
طلسمی آنکھوں کے جال میں نوعمر بسم اللہ اور اس کی تیس سالہ ماں سبحان اللہ کو
پھانس رکھا ہے حسن بن صباح کو روپے پیسے کی کوئی کمی نہ تھی وہ جس جگہ جاتا
اس کے لئے خزانے کھل جاتے تھے مگر وہ ضرورت سے زیادہ رقم جمع کرنے کا عادی
نہ تھا اس کی دونوں بغلوں کے نیچے دو تھیلیاں لٹکتی رہتی تھیں جن کے متعلق اس
نے ان ماں بیٹیوں کو یہ بتایا تھا کہ تھیلیوں کے اندر زائچہ تیار کرنے اور حساب
لگانے کا سامان بھرا ہے جبکہ ان تھیلیوں میں کاغذ کے لفافوں کے اندر جواہرات
بھرے تھے۔

حسن بن صباح کی کمر کے گرد بھی دو تھیلیاں بندھی رہتی تھیں ان تھیلیوں
کے بارے میں بھی اس نے ماں بیٹیوں کو یہ کہہ کر اعتماد میں لیا تھا کہ ان میں علم
اعداد کے پانسے رکھے ہیں جس کے زور پر وہ مختلف مسئلوں کا حل نکالتا ہے ان
تھیلیوں میں بھی خالص سونے کے سکے تھے جنہیں وہ وقت ضرورت کام میں لاتا

تھا۔

حسن بن صباح کی ذہانت کی انتہاء تھی کہ جب وہ سپاہی کے گھر پہلی
پہنچا تو اس نے ماں بیٹیوں کو بتایا کہ اس کا قافلہ راستے میں لٹ گیا ہے مگر وہ
سے ایسے عملیات اور علوم کا ماہر ہے کہ چند ہی دنوں میں اپنا نقصان پورا کر
گا پھر آگے سفر کا آغاز کرے گا اس کے ساتھ ہی حسن بن صباح نے سونے کا ا
جڑاؤ ہار نکال کے انہیں پیش کرتے ہوئے وضاحت کی۔

"جس وقت ڈاکوؤں نے قافلہ پر حملہ کیا تو میں نے یہ ہار اپنے کپڑوں
چھپا لیا تھا ورنہ ڈاکو دوسرے سامان کے ساتھ اسے بھی لے جاتے دراصل یہ
میں اپنی چھوٹی بہن کے لئے لے جارہا تھا مگر میرا سفر بہت طویل اور پر خطر ہے
نہیں ابھی کتنے ڈاکوؤں اور راہزنوں سے پالہ پڑے میں اسے کس کس سے بچا
پھروں گا اس لئے میں یہ ہار اپنی طرف سے تمہیں پیش کرتا ہوں یہ تم دونوں
ہے اسے جیسے چاہو استعمال کر سکتی ہو"۔

ہار دیکھ کر ماں بیٹی کی آنکھیں خیرہ ہو گئی تھیں پھر جب حسن بن صباح
وہ ہار ان کے حوالے کیا تو وہ حیران رہ گئیں انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ ا
قیمتی ہار ان کی ملکیت بن گیا ہے۔

لڑکی کی ماں سبحان اللہ نے گھبرائے لہجے میں کہا۔

"حسن (یہ نام حسن بن صباح نے سب سے پہلے انہیں بتا دیا تھا) اتنا قیمتی
ہار تم ہمیں بغیر کسی معاوضہ کے دے رہے ہو ہمیں یقین نہیں آتا کہ تم انسان ہو
یا کوئی فرشتہ جو ہماری مدد کو آگیا ہے"۔

حسن نے آنکھوں سے طلسمی شعاعیں بکھیرتے ہوئے کہا۔

"میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں جہاں تک اس کے معاوضہ کا
تعلق ہے تو جس طرح تم نے مجھے رات کے وقت ایک جوان بیٹی کے گھر میں
موجود ہونے کے باوجود بے خوف و خطر قیام کی اجازت دی اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ
میں جان دے کر اس کا معاوضہ ادا کروں دراصل تمہارے اس احسان کا بدلہ
حقیر ہار نہیں ہے میں تندرست ہوتے ہی تمہارے لئے کچھ اور بھی انتظام کروں گا
"۔

حسن بن صباح جس رات بسم اللہ اور سبحان اللہ کے مکان پر پہنچا تھا تو
بخار کی شدت سے اس کا بدن پھکا جارہا تھا اور اسے چکر پر چکر آرہے تھے آخر
اس نے تن بہ تقدیر اس دروازے پر دستک دی ماں بیٹیوں نے ڈرتے ڈرتے
دروازہ کھولا تو حسن نے التجا کی۔

"میں شدید بخار میں مبتلا ہوں مجھے رات بھر ٹھہرنے کی اجازت دو خدا
تمہیں اس کا اجر دے گا"۔

اس کے ساتھ ہی حسن نے ماں بیٹی سے آنکھیں ملائیں اور دوسرے ہی
لمحے وہ دونوں تمام خطرات سے بے پروا ہو کر حسن کو پکڑ کے اندر لائیں اور بستر پر
لٹا دیا یہ بڑے دل گردے کا کام تھا اگرچہ اس میں حسن کی آنکھوں سے پھوٹنے
والی طلسمی شعاعوں کا بھی بہت بڑا ہاتھ تھا۔

اپنی بیماری کے دوران ہی حسن بن صباح نے ماں بیٹیوں کو سونے کے چند
سکے بھی دے دئے تھے کہ اس کے علاج اور آرام میں کوئی خلل نہ پڑے گھر والا
یعنی فوجی سپاہی نے جب ایک غیر مرد کو اپنے گھر میں صاحب فراش دیکھا تو اس کی
نظریں گھومی تھیں مگر چالاک سبحان اللہ نے ہار اور سونے کے سکوں کی جھلک دکھا
کر شوہر کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا ان ماں بیٹیوں نے حسن کو اس قدر آرام
پہنچایا کہ اچھے ہونے کے بعد وہ مزید دو ہفتے وہیں مقیم رہا۔

پھر ایک دن اچانک حسن بن صباح نے انکشاف کیا۔

"بسم اللہ اور سبحان اللہ میں تم دونوں سے اس قدر خوش ہوں کہ جی چاہتا
ہے کہ ہمیشہ کے لئے یہیں رہ پڑوں...."۔

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے بسم اللہ پھولے نہ سماتی ہوئی بولی "تمہارے
گھر رہنے پر کوئی کچھ نہ کہے گا نہ ماں نہ میرا باپ"۔

"ہاں' ہاں ہم تو دل سے یہی چاہتے ہیں کہ تم ہمیشہ ہمارے ساتھ رہو سبحان

اللہ نے بھی مسکراتے ہوئے کہا بھلا تمہارے جیسے آدمی کو کون چھوڑنے پر رضامند ہو سکتا ہے میں نے بسم اللہ کے باپ سے بات کی تھی کہ وہ تمہارے لئے اس گھر میں ایک نیا کمرہ بنوا دے اس نے وعدہ کیا ہے کہ اس دفعہ جب وہ چھٹی پر آئے گا تو کمرہ ضرور بنوائے گا"۔

اور بسم اللہ تالیاں بجاتے ہوئے ناچنے لگی۔

"میں تمہارے کمرے کو خوب سجاؤں گی پھولوں کے گملے لا کے رکھوں گی تاکہ کمرہ ہر وقت خوشبو سے مہکتا رہے"۔

حسن بن صباح ان کی معصوم باتوں سے ایک لمحے کے لئے تو متاثر ہوا مگر اس نے پھر یہ خیال ہی اپنے دل سے نکالتے ہوئے کہا۔

"میں بھی چاہتا ہوں کہ اس گھر میں ایک اور کمرہ بن جائے مگر میرے لئے نہیں بلکہ تم لوگوں کے آرام کے لئے سبحان اللہ یقین کرو کہ میں نے آج تک کسی سے ایسی محبت نہیں کی جیسی تم ماں بیٹی سے ہو گئی ہے مگر میں مسافر ہوں اور مسافر ایک جگہ زیادہ دن نہیں ٹھہرا کرتے"۔

بسم اللہ اور سبحان اللہ کا جیسے دل ٹوٹ گیا اور لمبی سانس لیتے ہوئے بولی۔

"مسافر اتنی چاہت کسی کو نہیں دیا کرتے اگر یہاں سے جانا ہی تھا پھر مجھ سے اتنا میل جول کیوں بڑھایا تھا؟"۔

حسن بن صباح معصوم بسم اللہ کی بات سن کر دنگ رہ گیا اس کا خیال تھا کہ بسم اللہ ابھی ناسمجھ ہے اور جوانی کی رنگینی اور دلبستگی سے ابھی واقف نہیں مگر ننھی بسم اللہ جو حسن بن صباح کے آنے سے پہلے اپنی ہم جولیوں اور سکھیوں میں کھیلنے کے اور کسی بات سے بھی واقف نہ تھی مگر حسن بن صباح کے گھر میں قیام کرتے ہوئے ابھی دو ہی دن گزرے تھے کہ بسم اللہ کو اچانک احساس ہوا کہ اس کا دل حسن بن صباح کی طرف کھنچتا چلا جارہا ہے پہلے وہ ڈری کہ اگر ماں کو اس پر شک ہو گیا تو پتہ نہیں کیا قیامت آئے لیکن ماں نے اسے جیسے ڈھیل دیدی۔

دراصل حسن بن صباح کی آنکھوں کی طلسمی شعاعیں ماں بیٹی کو دیوانہ بنا دیا تھا اور وہ دونوں ہر وقت اس کی خدمت اور خاطر و مدارت میں لگی رہتی تھیں گھر کی حالت بھی بدل گئی تھی بستر چارپائیاں اور دوسرا سامان سب نیا آگیا تھا پرانا سامان انہوں نے محلے میں بانٹ دیا تھا سبحان اللہ نے مشہور کر دیا تھا کہ اس کا دیور پردیس سے آیا ہے اور بہت دولت ساتھ لایا ہے۔

حسن بن صباح جیسا چلتا پھرتا آدمی ایک جگہ پیر توڑ کے نہیں بیٹھ سکتا تھا مگر بیماری نے اس کے تمام کس بل نکال دیئے تھے بخار سے نجات پانے کے بعد وہ ایک ماہ تک چلنے پھرنے سے معذور رہا یہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا اور متوسط طبقہ کی آبادی مگر ہر چیز میسر تھی گوشت سبزی ہر چیز تازہ ملتی تھی پھل پھلاری کی بھی کثرت بسم اللہ اور سبحان اللہ نے جس حکیم سے حسن بن صباح کا علاج کرایا تھا وہ ماہر بھی تھا اور سبحان اللہ علاج پر دل کھول کر پیسے خرچ کر رہی تھی حکیم صاحب کو وہ دواؤں کے علاوہ کچھ فالتو رقم بھی دے دیتی تھی اس لئے حکیم صاحب پورے خلوص اور ایمانداری سے حسن بن صباح کے علاج میں لگے ہوئے تھے چنانچہ اچھی غذا' پھل اور حکیم صاحب کی خاص توجہ کی وجہ سے حسن بن صباح پندرہ دن بعد ہی بستر سے اٹھ بیٹھا تھا اور ایک ماہ بعد تو وہ باہر بھی آنے جانے لگا تھا۔

بسم اللہ اور سبحان اللہ یک طرفہ طور پر حسن بن صباح پر دل و جان سے فریفتہ ہو گئی تھیں مگر انہوں نے دل ہی دل میں ایک خاموش معاہدہ کر لیا تھا بجائے اس کے کہ وہ ایک دوسرے کی کاٹ کرتیں یا رقابت اور دشمنی کا اظہار ہوتا انہوں نے خود اپنے طور پر حسن بن صباح کی محبت تقسیم کر لی تھی صبح سے دوپہر تک سبحان اللہ مہمان کی خدمت میں لگی رہتی اور بسم اللہ انہیں ناشتہ کرانے کے بعد ہانڈی چولہے میں لگ جاتی دوپہر کے کھانے کے بعد بسم اللہ حسن بن صباح کی خدمت میں پہنچ جاتی اور شام تک بلا شرکت غیرے اس کے حواس پر سوار رہتی یہ تو علم نہیں کہ حسن بن صباح کو بسم اللہ سے محبت ہوئی تھی یا نہیں مگر وہ بسم اللہ کی اٹھتی جوانی کو دیکھ کر چونک سا پڑتا تھا دوپہر کے سناٹے میں وہ دونوں

ایک کمرے میں جو اس مکان کا واحد کمرہ تھا تنہا ہوتے تیرہ چودہ سال کی الھڑ جوانی یوں بھی دیوانی ہوتی ہے اس کے مقابلے میں حسن بن صباح اگرچہ گبرو جوان نہ تھا مگر تھا تو جوان اور جوانی بذات خود ایک حسن بھی ہے۔

حسن بن صباح میں مستقبل کے نہ جانے کون کون سے منصوبے تھے جو اسے بار بار جوانی کی بے راہروی سے بچاتے تھے اسے سبحان اللہ کی تو ایسی فکر نہ تھی وہ ایک جوان ہوتی بچی کی ماں تھی اور یہ جانتے ہوئے اس کی بیٹی بھی اسی ہستی کو پسند کرتی ہے جو اس کے دل میں بھی چپکے سے آکے بیٹھ گیا ہے اس لئے وہ بہت پھونک پھونک کے قدم اٹھاتی تھی اس نے اپنی محبت میں بڑی حد تک سنجیدگی پیدا کر لی تھی چونکہ حسن بن صباح کی طرف سے کوئی پیش قدمی نہ تھی اس لئے صبح سے دوپہر تک جب حسن بن صباح کا سر اور ہاتھ دباتے وقت ایک عالم سرمستی میں اس کا سر حسن بن صباح کے سینے پر اس حد تک جھک جاتا کہ وہ اکثر حسن کے دل کی دھڑکن بھی سننے لگتی تو اک دم خود کو سنبھالتی اور حسن بن صباح اسے دلچسپی سے دیکھنے لگتا۔

حسن بن صباح جلد سے جلد اس ماحول سے خود کو نکال لے جانا چاہتا تھا اس نے محسوس کیا تھا کہ اگر وہ زیادہ دن تک یہاں مقیم رہا تو ممکن ہے وہ اپنی راہ سے ہٹ جائے اور وہ منزل حیات اور مقصد حیات جس کے لئے وہ تگ و دو کر رہا تھا اس کی آنکھ سے ہمیشہ کے لئے اوجھل ہو جائے۔

حسن بن صباح مصری خلافت کے بھیجے ہوئے ایک داعی اور رفیق سے پہلے بھی مل چکا تھا اور کسی حد تک اس کا جھکاؤ فاطمی حکومت یعنی مذہب اہل تشیع کی طرف تھا حسن بن صباح اصل میں اہل سنت اور نہ اہل تشیع کے عقیدے کا پابند ہونا چاہتا تھا کیونکہ ان دونوں بڑے گروہوں کے عقیدے میں اس کے مستقبل کی کوئی ضمانت نہ تھی مصر کا فاطمی خلیفہ مستنصر باللہ ہو یا بغداد کا عباسی خلیفہ مقتدی اس کی نظر میں ان دونوں کی کوئی وقعت نہ تھی حسن بن صباح کا تو مقصد صرف یہ تھا کہ وہ بلند عزائم کی تکمیل کے لئے عباسی یا فاطمی کسی دربار سے تعلق پیدا کر لے جو اس کے مستقبل کا ضامن ہو سکے۔

جہاں تک عباسی دربار کا تعلق تھا اس کا تجربہ کر کے وہ ناکام ہو چکا تھا خود عباسی خلیفہ کی کوئی عسکری طاقت نہ تھی وہ خود سلجوق شاہ ملک شاہ کی مرضی کا پابند تھا اور ملک شاہ کے دربار سے حسن بن صباح بے عزت کر کے نکالا گیا تھا فطری طور پر اس کی نظر مصر کی فاطمی خلافت کی طرف اٹھتی تھی جو عباسی خلافت کی رقیب تھی اسے اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ حسن بن صباح کو مجبوراً" فاطمی دربار میں رسائی حاصل کرنا تھی جس کے سہارے حسن بن صباح کے خیال کے مطابق وہ اپنا مستقبل سنوار سکتا تھا۔

اب حسن بن صباح دن کا پورا وقت گھر سے باہر رہ کر فاطمیوں کے کسی رفیق یا داعی کو تلاش کرنے میں صرف کرتا اور رات بسم اللہ اور سبحان اللہ سے خوش فعلیوں میں گزارتا تھا ماں بیٹی کو شروع میں یہ شبہ ہوا کہ حسن بن صباح کی توجہ اس کی طرف سے ہٹ گئی ہے اس لئے وہ دن باہر گزارتا ہے مگر شاطر اور انتہائی چالاک حسن بن صباح نے یہ خیال ان کے دل میں پختہ نہیں ہونے دیا پس وہ جب شام کو اور اکثر رات گئے واپس آتا تو ان دونوں کے لئے قیمتی اشیاء جو زیورات اور پارچہ جات کی شکل میں ہوتے اپنے ساتھ لے آتا اور بڑے پیار سے انہیں دیا کرتا تھا ان تحفے تحائف نے ان دونوں کا منہ بند کر دیا تھا۔

آخر حسن بن صباح کی ملاقات ایک فاطمی رفیق سے ہو گئی جو یندہ یا بندہ جو ڈھونڈتا ہے اسے مل جاتا ہے حسن بن صباح کو رفیق کی تلاش تھی اور رفیق کو اپنے ڈھب کے آدمی کی تلاش تھی جسے وہ فاطمی عقائد سمجھا کر اور قائل کر کے مصر روانہ کرے اس شخص کا نام ابونجم منہاج تھا ان دونوں کی ملاقات ایک قہوہ خانہ کی میز پر ہوئی اور پھر ذرا دیر بعد یوں محسوس ہوا جیسے وہ ایک دوسرے کو بہت زمانہ سے جانتے ہیں۔

اتفاق کی بات یہ تھی کہ ابونجم کا انداز گفتگو فلسفیانہ تھا اور حسن بن صباح کا تو اوڑھنا بچھونا ہی فلسفہ تھا چنانچہ وہ پہلی ہی ملاقات میں گہرے دوست بن گئے

ابو نجم نے حسن بن صباح سے پہلی ہی ملاقات میں کہا۔

"حسن بن صباح اگر ہم کوشش کریں تو ہم گہرے دوست بن سکتے ہیں کیونکہ تم میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک اچھے دوست میں ہونا چاہیں؟"۔

ابو نجم کا انداز سوالیہ تھا حسن بن صباح نے اسے ذرا رکتے دیکھ کر فوراً" کہا

اے ابو نجم۔ اگر تمہارے اس خیال کی بنیاد خوشامد اور چاپلوسی ہے تو میں اسے حقارت سے رد کرتا ہوں اور اگر تمہارے وجدان نے تمہیں ایسا سوچنے پر مجبور کیا ہے تو میں تمہاری مردم شناسی کی داد دیتا ہوں"۔

"سبحان اللہ " ابو نجم نے فوراً" تعریف کی "ذہانت اور بردباری نہ صرف تمہاری پیشانی پر چمکتی ہے بلکہ تمہارے الفاظ سے بارش کی پھوہار کی طرح برستی ہے بے شک میرا خیال درست نکلا اگر تم میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ تو اسے اپنا ایک اعزاز سمجھ کر فوراً" قبول کر لوں گا"۔

حسن بن صباح نے اپنا داہاں ہاتھ ابو نجم کی طرف دراز کر دیا اور ابو نجم نے اس ہاتھ کو بڑی گرم جوشی سے دبا کر اپنے سینے سے لگایا۔

"اب ہم دونوں دوست ہیں" ابو نجم خوشدلی سے بولا "تمہاری خوشی میری خوشی اور تمہاری تکلیف میری تکلیف ہے"۔

حسن بن صباح نے جواب دیا۔

"اے ابو نجم" میں تمہاری ہر بات پر لبیک کہوں گا بشرطیکہ تم مجھے اپنے سے کمتر سمجھنے کی کوشش نہ کرو؟"۔

"مجھے یہ شرط قبول ہے" ابو نجم فوراً" آمادہ ہو گیا اچھا اب تم بتاؤ تمہیں کس چیز کی تلاش ہے؟ ابو نجم کا انداز فلسفیانہ ہو گیا تھا۔

حسن بن صباح نے اس کا انداز فلسفیانہ دیکھا تو کہا۔

"اے ابو نجم" میری عقل ناقص ہے میں عقل کل کی تلاش میں نکلا ہوں"

-

ابو نجم نے پوچھا۔

"تم نے اس تلاش میں اب تک کون کون سے راستے طے کئے؟"۔

حسن بن صباح نے فوراً" کہا۔

"عالموں کی صحبت میں بیٹھا مگر وہ خود علم سے بیگانہ نکلے عقلمندوں کے پاس گیا تو وہ عقل سے خالی تھے اب کدھر جاؤں اور کہاں جاؤں مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا؟"۔

"مبارک ہو حسن بن صباح" ابو نجم خوش ہو کے بولا "تم نے ان راستوں پر چل کے دیکھ لیا جہاں نادان دنیا والے تمام عمر بھٹکتے رہتے ہیں اور انہیں کچھ حاصل نہیں ہوتا مگر اب تم صحیح راستے کے بالکل قریب آگئے ہو"۔

"مگر وہ کونسا راستہ ہے؟" حسن بن صباح بے چین ہو گیا۔

ابو نجم نے بڑی متانت سے کہا۔

"اے حسن بن صباح۔ "عقل کل" تک پہنچنے کے لئے تجھے خود اپنا راستہ تلاش کرنا ہو گا میں جانتا ہوں کہ تو وقت کا نباض ہے...."۔

حسن بن صباح نے اس کی بات کاٹی۔

"مجھے تو اپنے اندر کوئی راستہ نہیں دکھائی دیتا؟"۔

"مذہب کا سہارا' لے تیری آنکھیں کھل جائیں گی اور راستے نظر آنے لگیں گے" ابو نجم نے بڑے پروقار لہجے میں کہا۔

"کس مذہب کی بات کر رہے ہو ابو نجم" حسن بن صباح بولا "تمام مذاہب کھنگال چکا ہوں کسی میں کچھ نہیں ملا"۔

"فاطمی مذہب کے عقائد پر غور کیا ہے کبھی؟" ابو نجم صنہاج بولا۔

حسن بن صباح کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی دراصل وہ ابو نجم کو اسی رخ پر لانا چاہتا تھا اسے معلوم تھا کہ ابو نجم مصر کے فاطمی خلیفہ مستنصر باللہ کا بھیجا ہوا ایک رفیق یا داعی ہے اور اسے فاطمی عقائد کا درس دینے کے لئے۔ بے چین ہے آخر حسن بن صباح نے اس طرح جواب دیا جیسے وہ کسی فکر میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ابو نجم۔ میں نے فاطمی عقاید پر غور کیا ہے اس مذہب میں کئی روشن

راہیں ہیں مگر بعض جگہ گھنگور اندھیرا ہے"۔

ابو نجم نے فوراً" پیشکش کی۔

"اس اندھیرے پردے کو میں تمہاری آنکھوں سے دور کر دوں گا"۔

"کوشش کر دیکھو۔ حسن بن صباح نے اطمینان سے کہا" میں ان مسائل پر تم سے گفتگو بلکہ بحث ومباحثہ کے لئے بھی تیار ہوں مگر ایک خیال رہے اگر تم نے مجھے قائل کر دیا تو میں فاطمی عقیدہ قبول کر لوں گا مگر اپنا راستہ خود بناؤں گا پہلے سے موجود راستوں پر نہیں چلوں گا"۔

یہ تو اور زیادہ اچھا ہے"ابو نجم بولا" پرانے راستوں کو درست کرنا اور ان میں ترمیم کرنا ہی اصل ذہانت ہے۔

"ایک بات اور ذہن میں رکھنا؟"۔

"وہ کیا؟ ابو نجم گھبرا گیا"۔

"میں کسی کی ماتحتی قبول نہیں کرتا ہربات پر اپنی مرضی سے عمل کروں گا"

۔

ابونجم نے حسن بن صباح کی یہ بات بھی مان لی۔

اس جگہ قاری سے معذرت کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں وجہ یہ ہے کہ ابونجم اور حسن بن صباح کی گفتگو میں بہت زیادہ خشکی اور اکتا دینے والا انداز اختیار کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ابونجم اور حسن بن صباح دونوں بڑے مکار' دنیا دار مگر فلسفیانہ طور طریقوں کے پابند تھے ابونجم اسے فاطمی عقیدے پر لانا چاہتا تھا حسن بن صباح کو معلوم تھا کہ اس کی دال عباسیوں کے ساتھ رہ کر نہیں گل سکتی ہاں فاطمی خلافت کا سہارا ڈھونڈ کر آگے بڑھا جا سکتا ہے چنانچہ وہ خود فاطمی عقیدے کا چولا اوڑھ کر اپنا الو سیدھا کرنا چاہتا تھا مگر ابونجم کو یہ تاثر دے رہا تھا کہ وہ اپنی مرضی کا مالک ہے اور کوئی عقیدہ قبول کرنے کے بعد بھی وہ اپنا راستہ خود بنائے گا جیسا کہ آگے چل کے ہوا تھا۔

اس وجہ سے ان دونوں کی باتوں میں زیادہ فلسفہ اور خشکی کا احساس ہونا ہے راقم اس کے باوجود معذرت خواہ ہے۔

اس کے بعد ہی دونوں میں دوستی گہری ہوتی چلی گئی ایک بیان کے مطابق حسن بن صباح فاطمی رفیق ابونجم منہاج کے ملنے سے پہلے قرامطہ کا عقیدہ قبول کر چکا تھا مگر اس عقیدہ سے وہ زیادہ مطمئن نہ تھا پھر یہ کہ فرقہ قرامطہ کی حکومت بحرین میں بھی جسے تباہ و برباد کر دیا گیا تھا ان بچے کھچے قرامطہ نے مصر کی فاطمی خلافت میں پناہ لے لی تھی اور خود کو فاطمی کہلانے لگے تھے۔

قرامطہ نے اپنے مریدوں کو تعلیم دی تھی کہ ہر اس شخص کو جو ان کا ہم عقیدہ نہ ہو قتل کر دینا کوئی جرم نہیں حسن بن صباح کے خیال کے مطابق یہ عقیدہ اس لئے درست نہ تھا کہ اس میں صرف قتل و غارت کی تعلیم تھی جماعت کو بڑھانے کا کوئی طریقہ موجود نہ تھا قرامطہ اور ایک اور فرقہ جو باطنیہ کے نام سے مشہور ہوا اس کا ذکر آگے کیا جائے گا کیونکہ ان دونوں فرقوں کا حسن بن صباح کے واقعات سے گہرا تعلق ہے۔

اس معذرت کے ساتھ اب میں پھر حسن بن صباح کی طرف آتا ہوں حسن بن صباح اور فاطمی رفیق ابونجم منہاج میں خوب گہری چھن رہی تھی حسن بن صباح نے فاطمی عقیدہ اور مصر کی فاطمی خلافت کے بارے میں تمام ضروری معلومات حاصل کر لی تھیں اوراب وہ وقت آ گیا کہ وہ ابونجم منہاج کی صحبت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کوئی اگلا قدم اٹھائے۔

حسن بن صباح کچھ دن اپنے اگلے قدم کے بارے میں غور و فکر کرتا رہا بالآخر ایک دن اس نے ابونجم سے پروقار لہجے میں کہا۔

"اے ابونجم۔ میں تمہارا شکرگزار ہوں کہ تم نے مجھے صحیح مذہب اور دین کی راہ دکھائی اگرچہ ابھی مجھے کچھ اور باتوں کی بھی تحقیق اور تصدیق کرنا ہے پھر بھی میں یہ چاہتا ہوں کہ میں تمہارے عقیدے میں شریک ہو جاؤں"۔

"ابونجم منہاج کی خوشی کے مارے باچھیں کھل گئیں کئی ماہ کی سخت کوشش کے بعد وہ حسن بن صباح کو فاطمی عقیدہ قبول کرنے پر آمادہ کر سکا تھا وہ خوشی سے

ایسا سرشار ہوا کہ حسن بن صباح کے منہ سے یہ الفاظ سنتے ہی اس نے ا
دونوں بازو پھیلائے اور آگے بڑھ کر حسن کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

"میں شکر گزار ہوں اپنے امام وقت کا کہ انہوں نے اپنی باطنی طاقت
مجھے اس قابل کیا کہ میں تم جیسے ذہین انسان کو اپنے عقیدے کا قائل کر سکا"۔

یہ خیال تو دراصل ابونجم منہاج کا ایک خیال خام ہی تھا اس لئے کہ ح
بن صباح جو پچھلے پانچ ماہ سے اس سے علمی اور مذہبی گفتگو کرتا رہا تھا اس کا مق
سوائے فاطمی عقیدے کے بارے میں پوری معلومات حاصل کرنے کے سوا اور
نہ تھا ورنہ اس نے تو پہلے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ عباسیوں اور سلجوقیوں سے
لینے کے لئے اسے فاطمی دربار خلافت میں کبھی نہ کبھی ضرور جھکانا پڑے گا۔

حسن بن صباح نے ابونجم کو خوش کرنے کیلئے کہہ دیا۔

"تمہاری خوشی جائز ہے ابونجم تم نے ایک اندھے کو ہاتھ پکڑ کر سید
راستے پر ڈال دیا ہے"۔

"ایسا نہ کہو حسن" ابونجم جذبات سے مغلوب لہجے میں بولا "تم اندھے نہ
بلکہ ایسے دیدہ ور ہو جس کی دوستی پر مجھے فخر ہے ہمارا مذہب اختیار کرنے
شاید تمہیں زیادہ فائدہ نہ پہنچ سکے مگر ہمارے مذہب کو بہت زیادہ فائدہ ہو گا"۔

حسن بن صباح نے بات ختم کرنے لئے کہا۔

"بہرحال یہ مسئلہ تو ختم ہوا اب یہ بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے اور اس مذہب
ایمان لانے کے لئے مجھے کس کے در پر جانا پڑے گا"۔

"فکر کی کوئی ضرورت نہیں حسن" ابو نجم نے اس کی پیٹھ ٹھونکی "تمہ
کسی در پر سر جھکانے نہیں جانا ہو گا ہم خود تمہیں امام وقت اور امام برحق فاط
خلیفہ امام مستنصر باللہ کے پاس مصر بھجیں گے تم ان کے دست حق پر بیعت ک
گے پھر وہ تمہیں کسی انتہائی اعلیٰ اور ارفع عہدے پر فائز کریں گے"۔

حسن بن صباح میں اب بے چینی پیدا ہو گئی تھی اس نے پوچھا۔

"مگر یہ سب کچھ کب اور کیسے ہو گا حسن کی روشنی دیکھ کے اب

باطل کے اندھیروں میں بھٹک سکتا"۔

"بہت جلد تم حق سے ملو گے" ابونجم نے اسے اطمینان دلایا۔

"میں تمہارے کوائف (تفصیلی حالات) خلیفہ محترم کو بھیج رہا ہوں مجھے یقین ہے کہ وہ بہت جلد تمہیں طلب کر لیں گے"۔

"ایک بات" حسن بن صباح نے اچانک کہا "ابونجم ایک بات کا ضرور خیال رکھنا؟"۔

"کون سی بات؟" ابونجم نے گھبرا کے پوچھا۔

"وہی بات۔ حسن بن صباح نے زور دے کے کہا "مجھے محکوم اور غلام نہ سمجھا جائے"۔

"اطمینان رکھو حسن" ابونجم مسکرایا " امام محترم۔ اپنے دین میں نئے شامل ہونے والوں کو خوش آمدید کہتے ہیں پھر تم تو کوئی عام آدمی نہیں تمہاری پیشانی تمہارے شاندار مستقبل کی غماز ہے میں خلیفہ محترم کو تمہاری ذہانت کے بارے میں وضاحت سے آگاہ کروں گا"۔

اس ملاقات میں طے پا گیا کہ حسن بن صباح، مصر جائے گا اور خلیفہ مستنصر سے مل کے آئندہ پروگرام طے کرے گا دراصل حسن بن صباح یہ فیصلہ بہت پہلے کر چکا تھا اسے وقت کا انتظار تھا اور اس کے خیال میں وقت آپہنچا تھا کہ وہ اگلا قدم اٹھائے۔

حسن بن صباح بہت محتاط انسان تھا سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی اس نے بسم اللہ اور سبحان اللہ کو اپنی روانگی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا دو تین دن بعد جب حسن بن صباح کی ابونجم منہاج سے ملاقات ہوئی تو ابونجم کے ساتھ ایک بزرگ صورت جوان یعنی دیکھنے میں وہ جوان تھا مگر اس نے اپنی حرکات اور سکنات پر بزرگی کا چولا ڈال رکھا تھا ابھی حسن بن صباح اسے کچھ مشکوک نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ ابونجم نے اس کا تعارف کرایا۔

"ان سے ملو حسن۔ ان کا نام مومن ہے۔ انہیں وادی عراق کے ناظم نے

داعی کی سند عطاء کی ہے اور یہ اس علاقہ میں سرگرم ہیں"۔

حسن بن صباح نے مومن سے ہاتھ ملایا مگر کسی خوشی یا تکلیف کا اظ نہیں کیا شاید داعی مومن نے اس بات کو محسوس کیا چنانچہ اس نے خود حسن صباح کو مخاطب کیا۔

"میرے پیارے دینی بھائی حسن۔ تمہارے بارے میں ابونجم نے مجھے کچھ بتا دیا ہے یہ میرے لئے خوشی کی بات ہے کہ تم جیسا ذہین شخص ہمارے میں شامل ہوا ہے میرا خیال ہے کہ میرے بارے میں پوری طرح مطمئن نہیں میں تمہیں بتاتا ہوں یہاں یعنی وادی عراق کے لئے بڑے ناظم شیخ عبدالملک عطار ہیں وہ عام طور پر دورے پر رہتے ہیں اور ان کی عدم موجودگی میں میں ان کام سنبھالتا ہوں"۔

حسن بن صباح نے بے دلی سے جواب دیا۔

"میں ابونجم منہاج کی دعوت قبول کر چکا ہوں اب مجھے کسی مزید دعوت داعی کی ضرورت نہیں ہے"۔

حسن بن صباح کا انداز اس قدر مدبرانہ اور پروقار تھا کہ مومن کو کچھ اور کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔

حسن بن صباح ابھی رے میں ٹھہرا ہوا تھا کہ شیخ عبدالملک داعی عراق سفر کر کے رے واپس آئے ابونجم منہاج اور مومن نے جو دو ہی ملاقاتوں میں حسن بن صباح کی اہلیت اور ذہانت کا قائل ہو گیا تھا حسن کو شیخ عبدالملک کے حضور پیش کیا شیخ عبدالملک شکل و صورت اور اطوار سے ایک جہاندیدہ اور بزرگ عالم مجتہد نظر آتے تھے مگر جب انہوں نے حسن بن صباح سے گفتگو کی تو وہ حیران رہ گئے۔ شیخ کی حیرانی ابھی دور نہ ہوئی تھی کہ حسن بن صباح نے کہا۔

"بزرگ شیخ میں نے مومن سے کہہ دیا ہے کہ میں دین حق کو سمجھ چکا ہوں مجھے کسی مزید دعوت کی ضرورت نہیں مجھے بتایا جائے کہ میرے سپرد کیا ذمہ داری کی جا رہی ہے اور میں اسے کس طرح انجام دوں گا"۔

"شیخ عبدالملک پریشان ہو گیا وہ حسن کو کیا جواب دے وہ اس علاقہ کا ناظم اعلیٰ تھا اور اسے کسی کو بھی "داعی" کا عہدہ سونپنے کا اختیار تھا مگر اسے محسوس ہوا کہ حسن بن صباح کی اہلیت اور قابلیت کے پیش نظر محض "داعی" کا عہدہ اس کے مقام سے کم ہے اس میں شیخ عبدالملک، حسن بن صباح سے مرعوب ہو گئے تھے۔

آخر انہوں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"حسن بن صباح۔ ہم تمہارے مقام کا تعین نہیں کر سکتے ہم تم سے درخواست کرتے ہیں کہ تم مصر جاؤ اور امام زمانہ خلیفہ المستنصر کی زیارت سے شرف یاب ہو تمہارے بارے میں اصل فیصلہ وہی کر سکیں گے"۔

حسن بن صباح نے شیخ کے ارشاد پر سر تسلیم خم کر دیا وہ خود جلد سے جلد مصر پہنچ کے اپنا مستقبل سوارنے کی فکر میں تھا حسن بن صباح کے مصر پہنچانے کے تمام انتظامات شیخ عبدالملک نے کئے جب تمام انتظامات مکمل ہو گئے تو اس نے حسن بن صباح کو مصر روانگی کی تاریخ سے مطلع کیا۔

ایک رات حسن بن صباح بہت رات گئے گھر واپس آیا تو اس نے بسم اللہ اور سبحان اللہ کو حسب معمول جاگتے ہوئے پایا حسن بن صباح رات کو ہمیشہ دیر سے آیا کرتا تھا اور یہ ماں بیٹی اس وقت نہ سوتی تھیں جب تک حسن بن صباح واپس نہ آجاتا لیکن آج تو حسن بن صباح نصف شب گزارنے کے بعد گھر پہنچا تھا اس کا خیال تھا کہ وہ دونوں سو گئی ہوں گی مگر اسے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ اس کے کمرے کی بتی روشن ہے عام طور پر یہ ہوتا تھا کہ اس کے گھر واپس آنے کے بعد اس کے کمرے میں روشنی کی جاتی تھی۔

حسن بن صباح دروازے پر پہنچا تھا کہ دروازہ کھل گیا بسم اللہ اور سبحان اللہ اس کے انتظار میں ڈیوڑھی کے دروازے سے لگی بیٹھی تھیں انہیں حسن بن صباح کی آہٹ اور قدموں کی چاپ کا اندازہ تھا چنانچہ حسن بن صباح جیسے ہی دروازے کے قریب پہنچا کہ دروازہ کھل گیا۔

سبحان اللہ نے شکوہ کیا۔

"ذرا جلدی آیا کرو حسن میرا دل ہول رہا تھا نہ جانے کیسے کیسے وسوسے پیدا ہو رہے تھے"۔

حسن بن صباح کی ایک ہلکی سی مسکراہٹ ہی سبحان اللہ کے لئے جواب بن گئی اب حسن نے نظر گھما کر ڈیوڑھی کے چراغ کی ہلکی روشنی میں بسم اللہ کی طرف دیکھا وہ منہ پھلائے' پھولی کھڑی تھی حسن بن صباح کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر اس نے چہرہ کچھ اور گھما لیا۔

"خفا ہو بسم اللہ؟" حسن نے اسے چھیڑا۔

"جایئے میں آپ سے نہیں بولتی۔ بسم اللہ نے مصنوعی غصہ کا اظہار کیا۔

حسن بن صباح نے بھی ایک مصنوعی ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔

"آج دیر سے آنے پر بولنا بند کر دیا ہے کل سے کیا کرو گی؟"۔

"کیوں کل کیا ہو گا۔ بیٹی کے بجائے ماں جلدی سے بول پڑی۔

"کل مجھے باہر جانا پڑ رہا ہے پردیس جارہا ہوں" حسن بن صباح کے اس انکشاف پر دونوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

"نہیں نہیں میں تمہیں نہیں جانے دوں گی بسم اللہ نے بڑے والہانہ انداز میں حسن بن صباح کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"بسم اللہ میں نے کہا تھا نہ کہ میں مسافر ہوں اور مسافروں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوا کرتا"۔

"مگر ہمارے ٹھکانے کو اجاڑنے کیوں جارہے ہو؟ سبحان اللہ گھٹی گھٹی آواز میں بولی "تمہیں یہاں تکلیف ہے جو اب باہر جا رہے ہو؟"۔

"میں تم لوگوں کا شکر گزار ہوں میں جتنے عرصہ یہاں رہا بہت آرام سے رہا تم نے بہت پیار دیا ہے"۔

"اور اس کا بدلہ دے رہے ہو کہ ہمیں چھوڑ کے جا رہے ہو" بولتے وقت بسم اللہ کی آواز تھرتھرا رہی تھی۔

"میں تمہیں چھوڑ نہیں رہا ہوں بسم اللہ " حسن بن صباح نے تسلی آمیز لہجے میں کہا تم سے وعدہ ہے کہ جب میں کسی ٹھکانے پر بیٹھوں گا تو تمہیں ضرور بلواؤں گا"۔

وہ رات ماں بیٹی پر بہت گمبھیر گزری یہ تینوں تمام رات باتیں کرتے رہے بسم اللہ اور سبحان اللہ کو حسن کی جدائی کا سخت صدمہ تھا ان کے خیال میں حسن بن صباح نہ صرف ان دونوں سے پیار کرتا تھا بلکہ ان کا خیال بھی رکھتا تھا اس نے گھر کی شکل بدل دی تھی ایک کمرے کے مکان میں چار کمرے بن گئے تھے تین کمرے نیچے تھے اور ایک کمرہ حسن نے اپنے لئے بالائی منزل پر بنوایا تھا۔

گھر گرہستی کا تمام ضروری سامان بھی آگیا تھا بسم اللہ کے باپ نے حسن بن صباح کے قیام پر کوئی اعتراض نہ کیا تھا بلکہ وہ سمجھتا تھا کہ اسے اپنا ایک ساتھی اور گھر کا محافظ مل گیا ہے اتفاق سے وہ صبح کو گھر آگیا اس نے حسن بن صباح کے جانے کی بات سنی تو اسے بھی بہت افسوس ہوا اس دن حسن تمام دن گھر ہی میں رہا اور سب سے باتیں کرتا رہا شام کو اس نے اپنی کمر میں بندھی ہوئی دونوں تھیلیاں ان کے حوالے کر دیں۔

"مجھے اس گھر میں جس قدر آرام ملا ہے یہ اس کا صلہ تو نہیں بلکہ تم لوگوں سے میری محبت کا ایک ادنیٰ اظہار ہے حسن بن صباح نے بھرائے لہجے میں کہا "اگر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو تم لوگوں کو جنت جیسے ایک قصر میں رکھوں گا جہاں حور و غلماں کی طرح کنیزیں اور غلام تمہاری خدمت کریں گے"۔

حسن بن صباح نے اپنی رو میں اپنے میزبانوں کو خوش کرنے کے لئے جنت اور حور و غلماں کا ذکر کیا تھا مگر آئندہ کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ حسن بن صباح نے جو باتیں اس وقت کی تھیں وہ دراصل اس کے دل کی آواز اور اس کی زندگی کا نصب العین تھیں۔

دوسرے دن شام کو حسن بن صباح اپنے محبوب مہمانوں سے رخصت ہوا ہر شخص کا چہرہ ستا ہوا اور آنکھیں بھیگی بھیگی تھیں اسی عالم میں سب نے حسن بن صباح کو بچشم نم رخصت کیا حسن بن صباح اگر چہ بظاہر اس گھر سے خالی ہاتھ نکلا

مگر اس کی بغلوں کے نیچے وقت ضرورت کے لئے جواہرات سے بھری دو تھیلیاں اب بھی لٹکی ہوئی تھیں۔

حسن بن صباح کو رے سے رخصت کرنے کے لئے تمام عراق کے فاطمی رفیق اور داعی موجود تھے ابوالنجم منہاج' مومن اور شیخ الملک ان لوگوں میں پیش پیش تھے حسن بن صباح نے اپنی اہلیت سے شیخ بزرگ کو اس قدر مرعوب کر دیا تھا کہ وہ حسن بن صباح کے آگے پیچھے دوڑ رہے تھے حسن بن صباح کے لئے ایک پچاس اشخاص پر مشتمل ایک قافلہ تیار کیا گیا تھا جس میں تیز رفتار اونٹوں کے علاوہ حفاظت کے لئے پچیس گھڑسوار بھی شامل کئے گئے تھے دوران سفر کھانے پینے اور دیگر ضرروی چیزوں کو بھی قافلہ کے ساتھ کیا گیا تھا۔

حسن بن صباح کا یہ قافلہ رے سے اسی طرح روانہ ہوا جیسے کوئی گورنر سفر پر جارہا ہو شیخ عبدالملک نے حسن بن صباح کو چند ہی دنوں میں اس قدر مشہور کر دیا تھا کہ اس کو الوداع کہنے کے لئے کئی سو آدمی جمع ہو گئے تھے حسن بن صباح کی شہرت صرف آس پاس ہی نہ تھی بلکہ شیخ بزرگ نے اپنے خطوط کے ذریعہ خلیفہ مصر مستنصرباللہ کو حسن بن صباح کی صلاحیتوں سے پوری طرح آگاہ کر دیا تھا۔

یہ شیخ کی کوششوں ہی کا ثمر تھا کہ فاطمی سلطنت کی سرحد پر فاطمی فوج کا ایک دستہ حسن بن صباح کے استقبال کے لئے موجود تھا حسن بن صباح کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور اسے دربار شاہی تک اس طرح لے جایا گیا جیسے کسی بڑے مذہبی پیشوا کو لے جاتے ہیں حسن بن صباح کا نام اور اس کی شہرت مصر کے دارالخلافہ قاہرہ میں پہلے ہی پہنچ چکی تھی عوام میں تاثر پھیلایا گیا تھا کہ ملک عراق سے فاطمی مذہب کا ایک بہت بڑا عالم آرہا ہے چنانچہ مصر کی سرحد پر فوجی دستے کے علاوہ عوام کی ایک کثیر تعداد حسن بن صباح کے استقبال کو موجود تھی۔

"مصر کا فاطمی خلیفہ المستنصر باللہ نے بارگاہ خلافت کے دروازے سے معہ اپنے امراء اور وزراء کے حسن بن صباح کا استقبال کیا وہ بڑی مروت سے پیش آیا اور حسن کو مہمان خاص کے طور پر شاہی مہمان خانہ میں جگہ دی گئی کتنے ہی نوکر چاکر اس کی خدمت پر مامور ہوئے حسن بن صباح نے بھی اطمینان کا سانس لیا اور اسے یوں محسوس ہوا جیسے اب وہ اس مقام پر آگیا ہے جس کی اس کی آرزو تھی اور اب اس کی تمام تشنہ اور ناآمودہ آرزوئیں اسی جگہ پوری ہوں گی۔

مگر مصر کی سرزمین بھی اسے راس نہ آئی حسن بن صباح کی اگرچہ خلیفہ حد درجہ پذیرائی کرتا اور پورے وقت دربار میں ساتھ رکھنے کے بعد بھی رات کو حسن کو قصر شاہی طلب کرتا اور فاطمی کی ترویج و اشاعت کے سلسلہ میں گفتگو کرتا رہتا شخصی حکومتوں اور خلفاء کے درباروں میں ایک دوسرے کو گرانے کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں تو عام سی باتیں ہوتی تھیں لیکن اگر کوئی شخص خلیفہ کے زیادہ قریب ہو جاتا تو پورا دربار ہی اس کا مخالف بن جاتا تھا۔

حسن بن صباح کی خلیفہ مستنصر سے قربت کو بھی درباریوں نے اچھی نظر سے نہیں دیکھا حسن خود بڑا شاطر اور جہاندیدہ تھا اس نے درباریوں کی نظریں فوراً پہچان لیں اس کا توڑ اس نے یہ نکالا کہ خود کو خالص مذہبی معاملات میں منہمک کر دیا اور درباریوں کو یہ تاثر دیا کہ اسے ملکی یا سیاسی جھگڑوں سے کوئی تعلق نہیں لیکن اس کی یہ تدبیر کارگر نہ ہوئی اور جس قدر وہ خلیفہ کے قریب ہوتا گیا اسی قدر اس کے ساتھ درباریوں کی مخالفت میں اضافہ ہوتا گیا۔

یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حسن بن صباح کسی مذہب یا عقیدے کا پابند نہ تھا اگر اس کا کوئی دین یا مذہب تھا تو وہ مفاد پرستی اپنے مفاد کو حاصل کرنے کے لئے وہ کسی بھی عقیدے اور مذہب کی دھجیاں بکھیر سکتا تھا وہ مصر اس لئے نہیں آیا تھا کہ اسے فاطمی مذہب سے دلچسپی تھی یا وہ اس عقیدے میں مخلص تھا بلا شبہ وہ بڑا ذہین تھا مگر اس کی جلد باز طبیعت نے اس کی ذہانت کو زنگ لگا دیا تھا اگر وہ سلجوق دربار میں نظام الملک کے مقابلہ پر اک دم نہ کھڑا ہوتا تو شاید اسے جلدی ترقی کا موقع مل جاتا مگر اس نے خود اپنے پیر میں کلہاڑی ماری اور سلجوق دربار سے ذلیل ہو کر نکلا مصر پہنچ کے بہت محتاط ہو گیا تھا اس نے بزرگی اور متانت کا چولا تو پہلے ہی پہن لیا تھا اس نے چہرے پر بھی اس قدر سنجیدگی سجائی تھی کہ دیکھنے

والوں پر اس کے تقویٰ اور زہد کا رعب پڑ جاتا تھا اس نے بظاہر خود کو مصری سیاست سے الگ تھلگ اور غیر متعلق ظاہر کیا تھا مگر چونکہ اس کے دل میں چور تھا اس لئے اکثر درباری اور خاص کر خلیفہ مستنصر کا وزیراعظم بدرجمالی اس کی نظروں کو پہلے ہی دن پہچان گیا تھا بدرجمالی کا دربار ہی پر نہیں بلکہ خلیفہ پر بھی بہت اثر تھا اس کی مصر کے لئے بڑی خدمات تھیں بلکہ اگر یوں کہا جائے بدرجمالی نے مصر کی کمزور خلافت کو سہارا دے کر کھڑا کیا تھا تو غلط نہ ہوگا۔

پچھلے صفحات میں کہا گیا ہے کہ مصری خلافت فاطمیں' عبیدین اور علیین کہلاتی تھیں فاطمی اسے اس لئے کہتے تھے کہ مصری خلیفہ خود کو بنو فاطمہ کہتے تھے عبیدین کہلانے کی وجہ یہ تھی کہ خلافت کا بانی عبداللہ المہدی تھا علیین کہے جانے کی وجہ یہ تھی کہ خلفاء امیرالمومنین حضرت علی کے پیروکار تھے اس کی تفصیل میں جانے کی اس لئے ضرورت نہیں کہ موضوع ہمارے سے تعلق نہیں رکھتا۔

اس جگہ صرف فاطمی خلیفہ المستنصر کا ذکر کیا جائے گا جس کے پاس پہنچ کر حسن بن صباح نے پیر پھیلانا شروع کئے تھے مگر وہ مصر میں بھی ناکام رہا مصر میں بھی اس نے اپنی طلسماتی آنکھوں کا جادو جگایا اور شاہی محل کی تمام کنیزوں کے علاوہ کئی شہزادیاں اور ایک بیان کے مطابق وزیراعظم بدرجمالی کی سالی (بیوی کی بہن) بھی اس کے فریب میں گرفتار ہو گئی ممکن ہے بدرجمالی اور حسن بن صباح کے اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی ہو۔

مصر کی فاطمی خلافت کو اسماعیلیہ خلافت بھی کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اہل تشیع کا عقیدہ واقعہ کرب و بلا تک ایک نظری عقیدہ تھا لیکن اس عظیم اور غیر معمولی واقعہ جو دراصل عظیم ترین شہادت اور حضرت اسماعیل کی قربانی کا تکیہ تھا کے بعد ایک عملی شکل اختیار کی یہ حقیقت ہے کہ اس الم انگیز سانحہ سے اہل تشیع نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا۔

اس وقت اہل تشیع میں دو طبقے پیدا ہو گئے تھے ایک کیسانیہ جو محمد بن حنفیہ کی جانشینی کا حامی تھا اور دوسرا امامیہ' امامیہ فرقہ میں چند اور فرقے پیدا ہو گئے تھے جن میں دو فرقے امتیازی درجہ رکھتے ہیں ایک اثناء عشری ہے جو حضرت حسین کے بعد حضرت زین العابدین کی امامت کا قائل ہے اور ان کے بعد ان کی اولاد کو امام موسیٰ کاظم تک امامت کا حقدار سمجھتی ہے اس طرح ان کے گیارہ امام ہوتے ہیں اور بارہویں امام کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ بارھویں امام منتظر محمد ہیں۔

دوسرا واقعہ امامیہ اسماعیلیہ کے نام سے موسوم ہے اسماعیلی حضرت جعفر صادق تک تواماموں کی اثناء عشری کی طرح تسلیم کرتے ہیں مگر امام موسیٰ کاظم کے بارے میں انہیں اختلاف ہے وہ امام جعفر کے بعد امام اسماعیل کو امامت کے حقدار اور ان کے بعد ان کی اولادنسلاً" در نسلاً" اس منصب امامت کا حقدار سمجھتا ہے اور محمد بن الحبیب پر اس سلسلہ کو ختم کر دیتا ہے مسلمانوں کے نظم مملکت کے مطابق فاطمی خلفاء اس اسماعیلی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ اہل تشیع فاطمی خلفاء کو اسماعیلی نہیں بلکہ انہیں فاطمی اپنے میں شامل سمجھتے ہیں اسی اسماعیلی فرقہ کا نام آگے چل کے عبیدی پڑ گیا تھا کیونکہ الحبیب کے بیٹے کا نام عبیداللہ تھا جنہوں نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔

تاریخ اسلام کا یہ المیہ ہے کہ جب بھی کسی طاقتور کے خلاف محاذ بنایا گیا تو نام اہل بیت کا لیا گیا عبیداللہ المہدی کو امیرالمومنین کا لقب دینے والے دونوں بھائی ابوعبداللہ اور اس کا بھائی ابوالعباس کا تعلق اہل تشیع سے تھا مگر مہدی نے طاقت حاصل کرتے ہی مراتش کے ادریسی بادشاہ کو جس کا تعلق اہل بیت سے تھا اسے ختم کر دیا اور سادات کو قتل کیا پھر اسے دونوں محسنوں کو تہ تیغ کرا دیا یہ واقعہ جمادی الثانی 298 ہجری کا ہے۔

آئندہ پچاس برس تک افریقہ میں الٹ پلٹ ہوتی رہی پھر جوہرتقلی نے مصر میں اہل تشیع کی فاطمی خلافت کو مضبوط کیا مصر کا موجودہ فاطمی خلیفہ مستنصر باللہ 427 ہجری میں سریر آرائے خلافت ہوا اس کا نام ابوتمیم معد ابن ابوالحسن علی بن حاکم علوی اور لقب مستنصر تھا مستنصر باللہ کی والدہ ایک حبشی تھی جسے مستنصر

کے والد خلیفہ ظاہر نے ایک یہودی بردہ فروش سے خریدا۔

جس وقت مستنصر خلیفہ ہوا اس کی عمر صرف سات سال تھی تمام امرائے دولت نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی ابوالقاسم بن احمد جرجراری کو جو خلیفہ ظاہر کے زمانہ میں وزیراعظم تھا اسے بحال رکھا گیا مستنصر کی والدہ جسے تاریخ میں ملکہ ظاہر کے نام سے پکارا گیا ہے اگرچہ حبشی کنیز تھی بہت عاقلہ فاضلہ اس نے حبشیوں کو بہت سر چڑھا رکھا تھا۔

کمسن بلکہ مستنصر بالکل بچہ تھا چنانچہ حکومت کا کاروبار ملکہ ظاہر اور اس کا یہودی آقا جسے ملکہ نے اپنے پاس بلا لیا تھا کے ہاتھوں میں تھا ملکہ کی مرضی پر وزراء کی تقرری اور معزولی ہوتی تھی جس امیر سلطنت سے خفاء ہوتی بیٹے سے کہہ کے اسے مروا دیتی تھی۔

ملکہ ظاہر نے ابوالفتح فلاحی کو وزیر بنوایا کسی بات پر اس سے خفاء ہوئی تو اسے معزول کر کے قتل کرا دیا ابوالبرکات حسن بن محمد کو وزیر بنا دیا کچھ دن بعد وہ بھی معزول کر دیا گیا پھر ابو محمد تا زدری کو عہدہ وزارت عطاء ہوا مگر اسے بھی جلدی مروا دیا گیا پھر ابو عبد حسن بن علی باٹلی کو قلمدان وزارت دیا گیا اس طرح ملکہ ظاہر تقریباً" چالیس سال تک "وزیر گر" بنی رہی بعض وزیر تو چوبیس گھنٹے بھی وزارت پر قائم نہ رہ پاتا کہ اسے قتل کرا دیا گیا۔

پھر ایک ایسا وقت آیا کہ مستنصر کے دربار میں ترکوں کو عروج ملا ترکوں کا سردار ناصر بن حمدان تھا ملکہ ظاہر اسے پسند نہ کرتی تھی اس نے حبشیوں کو ناصر کے خلاف بھڑکایا ترک ان کے سامنے آگئے حبشیوں کی تعداد پچاس ہزار تھی ترک صرف چند ہزار تھے مگر انہوں نے حبشیوں کو مار بھگایا ملکہ نے دھوکہ سے ناصر کو مروا دیا۔

خلیفہ مستنصر کی عمر اب چالیس سال ہو چکی تھی مگر ماں کے دباؤ میں ایسا تھا کہ سب کچھ دیکھتا اور خاموش رہتا تھا ترکوں کے سردار ناصر بن حمدان کے قتل کے بعد مستنصر نے اچانک عنان خلافت اپنے ہاتھ میں لے لی مستنصر نے دمشق سے بدر جمالی کو بلایا محل سرا کی خلافت کے علاوہ کل شہروں کی حکومت اسے عطاء کی السید الاجل امیر الجیوش کا خطاب دیا قفاۃ المسلمین اور داعی دعاۃ المومنین کے عہدے تفویض ہوئے قلمدان وزارت عطاء ہوا غرضیکہ بدر جمالی کو علم اور قلم دونوں کا مالک بنا دیا۔

اسی بدر جمالی کے عہد وزارت میں حسن بن صباح مصر میں وارد ہوا اگرچہ اس نے خود کو محلسرائے خلافت تک محدود کر رکھا تھا مگر وہ صدیوں اس کے لئے تنگ تھا جبکہ وہ خلیفہ کے مزاج پر حاوی آنے کے بعد خلافت فاطمی پر اپنا پورا قبضہ جمانے کی فکر میں لگا ہوا تھا بدر جمالی کے بعض دوستوں نے اسے حسن بن صباح سے ہوشیار رہنے کا مشورہ دیا مگر بدر جمالی نے اس پر کوئی توجہ نہ دی بدر جمالی کے خیال میں حسن بن صباح کا محلسرائے خلافت میں اس لئے اثرورسوخ تھا کہ خلیفہ مستنصر، حسن بن صباح سے مذہبی معاملات میں مشورے لیتا تھا بدر جمالی کو یہ بھی معلوم تھا کہ خلیفہ خالص مذہبی آدمی ہے اور عباسی خلیفہ کے مقابلہ میں مصر کی فاطمی خلافت کو مضبوط رکھنے کے لئے فاطمیوں، اہل تشیع، کی تعداد میں اضافہ کا خواہش مند ہے اور خلیفہ نے اس کام کے لئے حسن بن صباح کو مذہبی امور کا ناظم اعلیٰ بنا دیا ہے۔

بدر جمالی کا خیال بھی درست تھا خلیفہ مستنصر نے فاطمیوں کا حلقہ وسیع کرنے اور مذہب شیعہ کی سربلندی کے لئے ایک محکمہ بنا رکھا تھا اس محکمہ میں ہزاروں آدمی کام کرتے تھے اور انہیں بہت معقول معاوضہ دیا جاتا تھا ان کے سپرد یہ کام تھا کہ وہ فاطمی خلافت کے داعی (دعوت دینے والا) کی حیثیت سے فاطمی خلافت کے حدود اور ان سے باہر بھی لوگوں سے ملتے اور انہیں فاطمی خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی دعوت دیتے رہیں ایک ایسے ہی داعی کے ذریعہ حسن بن صباح، فاطمی خلیفہ کے دربار تک پہنچا تھا۔

بدر جمالی کا خیال تھا کہ حسن بن صباح کا معاملہ ایک خالص مذہبی معاملہ تھا اس لئے اسے بحیثیت "وزیراعظم" مصر جو ایک خالص سیاسی عہدہ تھا مذہبی محکمہ

اور معاملات میں دخل نہ دینا چاہئے بدر جمالی اپنے خیال کے مطابق مذہب
حکومت کو دو الگ الگ خانوں میں رکھتا تھا اس نے اس بی خواہوں اور
دینے والوں سے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ وہ حسن بن صباح کے خلاف
وقت تک کوئی قدم نہیں اٹھائے گا جب تک وہ مذہبی حدود میں ہے ہاں اگر
نے ان حدود سے نکل کر ملکی معاملات میں ذرا بھی دخل دیا تو وہ فوراً" حسن
صباح کی گردن دبوچ لے گا۔

چنانچہ بدرجمالی اور حسن بن صباح ایک عرصہ تک ایک دوسرے کے مقا
پر نہ آئے ادھر حسن بن صباح جلد سے جلد خلیفہ اور محلرائے خلافت پر اپ
قدم جمانے کی فکر میں لگا ہوا تھا اس نے پہلے محلرا کی خاص خاص اور خوبصور
کنیزوں کو اپنے دام میں پھنسایا اس کے لئے حسن بن صباح کو کوئی محنت نہ کر
پڑی حسن بن صباح خود بھی خوبصورت تھا اس کا انداز گفتگو اور پرلطف و دلچس
باتیں اس سے بھی زیادہ خوبصورت تھیں سب سے بڑی اور آخری خوبصورتی اس
آنکھوں کی طلسماتی کشش میں تھی مرد یا عورت کوئی بھی اگر اس سے ایک
آنکھ ملا لیتا تو مسحور سا ہو جاتا تھا دوشیزائیں تو اس سے آنکھ ملاتے ہی اس کی
گرویدہ ہو جاتی تھیں جیسے وہ اس کی تلاش میں زندگی گزار رہی تھیں

کہا جاتا ہے کہ اللہ نے انسان کو کوئی نہ کوئی صفت یا طاقت دی ہے ا
اگر وہ شخص اس صفت یا طاقت کا صحیح وقت اور موقع پر استعمال کرے تو وہ ا
مقصد میں کامیاب ہوتا ہے لیکن اگر وہ اپنی صفت کو غلط موقع یا وقت پر استعمال
کرے تو اسے نفع کی بجائے نقصان پہنچ سکتا ہے کچھ ایسا ہی واقعہ حسن بن صبا
کو حرم اور جمال کے سلسلہ میں پیش آیا حرم، مصر کے مرد آہن یعنی وزیراعظم
بدرجمالی کی بیوی کی دور کے رشتہ کی بہن یا بھتیجی لگتی تھی حرم صورت شکل میں
دوسو میں نہیں ہزاروں میں ایک تھی پچھلے سال بدر جمالی کی بیوی شدید بیمار ہو
قریب و دور کے تمام عزیز و اقارب اور خواتین اسے دیکھنے اور مزاج پرسی کو آ
آخر بدرجمالی مصر کا وزیراعظم تھا یہ بدرجمالی کی عظمت کا اثر تھا کہ اس کے ا

اس کے دور دور کے رشتہ دار اور رشتہ داروں کے رشتہ دار بھی اس کی بیوی کی عیادت کو آتے آنے والوں کا صبح سے شام تک تانتا بندھا رہتا بدرجمالی کی بیوی کی طبیعت کچھ زیادہ ہی خراب تھی حکما نے منع کر دیا کہ بیمار کے پاس زیادہ لوگ نہ بیٹھیں۔

حکیموں کی اس پابندی کی وجہ سے مزاج پرسی کے لئے آنے والوں کو بیمار کے پاس بیٹھنے اور ملنے سے قطعی روک دیا گیا مگر ان کی تعداد بڑھتی ہی رہی اور وزیراعظم بدرجمالی کا مہمان خانہ کھچا کچھ بھرگیا مجبوراً" اسے آنے والوں کے لئے کئی بڑے بڑے خیمے میدان میں استادہ کرانے پڑے اب یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ دن بھر میں سوائے ایک دو انتہائی قریب کی عزیز خواتین کو مریض کے پاس جانے کی اجازت ملتی پھر جب مریضہ کی حالت کچھ اچھی ہوتی تو اسے آنے والوں کی فہرست سے نام پڑھ کے سنائے جاتے اس کام کے لئے ایک پڑھی لکھی عورت مقرر کی گئی جو صبح کو آنے والوں کی فہرست تیار کرتی اور دن میں کسی وقت مریضہ کو سناتی تھی۔

بدرجمالی کی بیوی کی دور کی عزیزوں میں "حرم" بھی تھی جو اپنے ماں باپ کے ساتھ عیادت کے لئے آئی تھی ایک ہفتہ مہمان خانہ میں رہنے کے بعد اس کی ماں کو مریضہ کے پاس جانے کی اجازت ملی تھی مگر (حرم) مچل گئی وہ اگرچہ تیرہ چودہ سال کی تھی مگر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی حرم کی صورت کچھ بھولی تھی کہ مہمان خانہ کی ناظمہ کو اس پر ترس آگیا اور اس نے حرم کو اپنی ماں کے ساتھ جانے کی اجازت دیدی۔

کہتے ہیں جب تقدیر پلٹنے والی ہوتی ہے تو قدرت کی طرف سے اس کے اسباب پیدا ہوتے ہیں اور کوئی نہ کوئی بہانہ بن جاتا ہے حرم، مریضہ یعنی بدر جمالی کی بیوی کے پاس جاکر اس کے پائتی بیٹھ گئی رونے سے اس کی آنکھیں اب تک سرخ تھیں اور ذرا ذرا وقفہ سے ہچکی بھی آجاتی تھی بدر جمالی کی بیوی کے دریافت کرنے پر اسے بتایا گیا کہ حرم کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی گئی تو اس نے

پھوٹ پھوٹ کے رونا شروع کر دیا تھا بدر جمالی کی بیوی کو گمان ہوا کہ شاید ...
اس سے اتنا پیار ہے کہ وہ اسے دیکھنے کے لئے رونے اور آنسو بہانے لگی تھ...

بیگم بدر جمالی نے پوچھا۔

"لڑکی کیا تو مجھے دیکھنے کے لئے بہت بے چین تھی؟"۔

"ہاں - حرم کے منہ سے ایک دم نکل گیا"۔

پھر تو بیگم جمالی جیسے حرم پر خود فریفتہ ہو گئیں انہوں نے زور دے ... دریافت کیا۔

"کیا تجھے مجھ سے بہت محبت ہے؟"۔

"جی ہاں۔ بہت محبت ہے حرم نے پھر اثبات میں جواب دیا"۔

"تیرا نام کیا ہے لڑکی؟" اب بیگم بدر جمالی نے اس کا انٹرویو شروع کر دیا۔

حرم نے قریب بیٹھی اپنی ماں کی طرف دیکھا حرم کی ماں دل ہی دل میں ... کی ذہانت پر خوش ہو رہی تھی انہوں نے بیٹی سے کہا۔

"بتاتی کیوں نہیں اپنا نام"" پھر وہ بیگم بدر جمالی کی طرف دیکھتے ہوئی بولی۔

"وزیرنی صاحبہ۔ اس کا نام حرم ہے بڑی شرمیلی ہے میں آپ کو دیکھ... آرہی تھی تو میرے سر ہو گئی کہ میں بھی شاہی محل جاؤں گی وزیرنی کو دیکھوں... دیکھئے نا وزیرنی صاحبہ آخر رشتہ داری بھی تو کوئی چیز ہے۔ غریب امیر سے کوئی فر... نہیں پڑتا ہم آپ کے رشتے میں .....۔

بیگم بدر جمالی بے دلی سے حرم کی ماں کی باتیں سن رہی تھیں مگر وہ بات ... میں بات نکالتی چلی جارہی تھی بیگم نے آخر اسے ٹوک دیا۔

"ہمیں معلوم ہے کہ تم ہماری رشتہ دار ہو ذرا خاموش رہو۔ میں حرم سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"جی میں خاموش ہوں آپ خوب باتیں کیجئے" حرم کی ماں کو ناگوار گزرنے کے بجائے بیگم کا ٹوکنا شاید اچھا لگا اور انہوں نے بڑے فخر سے بیگم کو حرم سے باتیں کرنے کی اجازت دیدی۔

بیگم نے پوچھا۔

"ہمارے ساتھ رہو گی حرم؟"۔

حرم نے گھبرا کر ماں کی طرف دیکھا ماں تڑاخ سے بولی۔

"لو جی۔ رہے گی کیوں نہیں محلوں میں رہنے کا کس کا دل نہیں چاہتا؟"۔

"میں تم سے نہیں پوچھ رہی ہوں" بیگم بدر جمالی نے ناگوار انداز میں کہا۔

"تو منہ سے کیوں نہیں بولتی حرم" بیگم صاحبہ کچھ پوچھ رہی ہیں؟ ماں نے آہستہ سے بیٹی کو جھڑکا۔

"ضرور رہوں گی وزیرنی صاحبہ" حرم کو حوصلہ ہوا میں بھی تو یہی کہہ رہی ہوں؟"

بیگم بدر جمالی کے چہرے پر بحالی آگئی انہوں نے کنیزوں کو اشارہ کیا کنیزوں نے سہارا دے کر بیگم بدر جمالی کو تکیوں کے سہارے مسہری پر بٹھا دیا۔

بیگم نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔

"دیکھو حرم۔ مجھے وزیرنی کبھی نہ کہنا"۔

بیگم کے لہجے کی سختی سے حرم اور اس کی ماں دونوں ہی گھبرا گئیں۔

حرم ڈرتے ڈرتے بولی۔

"پھر کیا کہوں آپ کو؟"۔

"تم "ماں بیگم" کہو مجھے!" بیگم بدر جمالی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

بیگم کے اس اعلان پر ماں بیٹی کا دل ٹھہر گیا انہوں نے پہلے ایک دوسرے کو مسکرا کے دیکھا پھر دوسری بیٹھی ہوئی خواتین پر فاخرانہ بلکہ فاتحانہ نظریں ڈالیں۔

اس وقت بیگم نے حکم دیا۔

محلاتی بیگم کو بلاؤ اس سے کہنا کہ محلسرائے کے نائب داروغہ کو ساتھ لائے۔

ذرا دیر بعد محلاتی بیگم اور نائب دراوغہ حاضر ہوئے محلاتی بیگم دراصل

محلسرائے خلافت کی خاتون داروغہ تھیں فاطمی خلیفہ کے تمام محلات اور ان رہنے والے اس کے عزیز و اقارب کی جملہ ضروریات محلاتی بیگم اور دا محلسرائے خلافت مل کر پوری کیا کرتے تھے کسی اور سے ان کا کوئی تعلق تھا ا وہ خلیفہ کے علاوہ کسی اور کو جوابدہ تھے مگر جب سے بدر جمالی وزیر سلطنت عہدے پر فائز ہوئے تھے تب سے دربار خلافت اور محلسرائے خلافت کے حا بدل کر رہ گئے تھے۔ بدر جمالی نے دربار خلافت اور محلسرائے خلافت کے ا انتظامات بھی اپنے ہاتھ میں لے لئے تھے اسی وجہ سے محلاتی بیگم اور دارو نائب داروغہ محلسرائے نے خلافت بھی وزیراعظم کا حکم ماننے پر مجبور تھے۔

بیگم بدر جمالی کی ایک کنیز نے اطلاع دی۔

"بیگم محترم" محلاتی بیگم اور داروغہ راہداری میں کھڑے حکم کے منتظر ہ "۔

"محلاتی بیگم کو اندر بھیجو" بیگم بدرجمالی نے حکم دیا۔

محلاتی بیگم اندر آئی اور سلام کر کے ایک طرف کھڑی ہو گئی بیگم بدر ج کا محلسرائے خلافت کے ملازمین پر بھی اتنا رعب تھا کہ وہ نظریں ملا کر ان بات نہ کرتے تھے ملازمین کو معلوم تھا کہ بدرجمالی کے سامنے خلیفہ کی بھی ن چلتی ہے تمام اختیارات بدرجمالی اپنے ہاتھ میں لے لئے تھے۔

بیگم بدر جمالی نے حرم کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"یہ ہماری بیٹی حرم ہے توشہ خانہ کے برابر والی بارہ دری حرم کے لئے خا کرا دی جائے"۔

محلاتی بیگم نے یوں سر جھکا دیا جیسے اس نے حکم سن لیا اور سمجھ لیا ہے

"حرم - محلاتی بیگم کے ساتھ جاؤ اور اپنی مرضی سے بارہ دری کو آراستہ کراؤ" اس کے ساتھ ہی بیگم بدر جمالی نے حرم کی پیٹھ تھپ تھپائی۔

حرم نے پہلے آنکھیں پھاڑ کے بیگم جمالی کو دیکھا پھر ماں کی طرف نظر پھریں۔ حرم کی ماں جہاندیدہ عورت تھی وہ سمجھ گئی کہ "حرم" خاک سے اٹھا شاہی محل میں رکھ دی گئی ہے اور اس اس کا شمار شہزادیوں میں ہو گا۔

حرم کی ماں نے بیگم بدر جمالی کو پر امید نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"وزیرنی صاحبہ۔ کیا میں حرم کے ساتھ رہ سکتی ہوں؟"۔

بیگم نے ذرا تلخ لہجے میں کہا۔

"دیکھو۔ میری بات غور سے سنو ہر ماں اپنی بیٹی کو پال پوس کے جوان کرتی ہے اس کے بعد بیٹی پر اس کے تمام حقوق ختم ہو جاتے ہیں"۔

حرم کی ماں کی سانس جیسے رک کے رہ گئی۔

محلاتی بیگم نے کہا۔

"مجھے اجازت ہے بیگم محترم؟"۔

"تمہارے ساتھ کون ہے؟ بیگم نے پوچھا۔

"محلسرائے خلافت کے داروغہ احمد جمال اور ان کے نائب میرے ساتھ آئے ہیں"۔

"داروغہ کو اندر لاؤ"۔

داروغہ احمد جمال اندر آیا تو یوں محسوس ہوا جیسے اندھیرے میں کئی چراغ ایک ساتھ جل اٹھے ہیں جمال صرف نام کا جمال نہیں بلکہ واقعی صاحب جمال تھا۔ جمال نے سر جھکا کر ادب سے سلام کیا بیگم بدر جمالی نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ مسکرائیں مگر حرم کی نظریں جمال کے چہرے کے گرد دیر تک ہالہ بناتی رہیں۔

حرم کی بارہ دری دو دن میں آراستہ پیراستہ ہو گئی یہ اڑتالیس گھنٹے حرم
بارہ دری ہی میں گذارے آرائش میں وہ پوری طرح حصہ لے رہی تھی او[illegible]
مرضی سے ہر کام کرا رہی تھی داروغہ محلسرائے خلافت احمد جمال بھی بڑی تو[illegible]
سے کام کر رہا تھا۔ حرم نے اس وجیہہ جوان کو اس وقت دیکھا تھا جب بیگم [illegible]
جمالی نے اسے اور محلاتی بیگم کو بلوایا تھا جس طرح حرم ہزاروں میں ایک تھی [illegible]
طرح احمد جمال بھی مردانہ حسن کا ایک حسین پیکر تھا۔

احمد جمال بڑے مضبوط کردار کا جوان تھا دو سال سے وہ داروغہ محلا[illegible]
خلافت کے عہدے پر فائز تھا خوبصورت کنیزیں اسے دیکھ کے مسکراتیں اور آنکھ[illegible]
مٹکاتی تھیں مگر احمد جمال کی جوانی میں کسی کو دیکھ کر ابال نہیں آتا تھا اسے مطل[illegible]
تھا کہ محلات کی شوخ و شنگ کنیزیں کسی نہ کسی بیگم کی منہ چڑھی ضرور ہوتی [illegible]
اگر اس کے ذرا بس قدم بہکے تو تمام محلسراؤں میں بدنام ہو جائے گا اور وہ [illegible]
باعزت اور عظیم عہدے سے نکال باہر کیا جائے گا۔

شہزادیوں کا معاملہ اس کے برعکس تھا شہزادیاں اس سے بے بات کی گفتگو [illegible]
کرتی رہتیں مگر وہ اپنا وقار ضرور برقرار رکھتی تھیں اور اگر خدانخواستہ وہ کسی [illegible]
شہزادی کی طرف مائل ہو جاتا تو اسے ملازمت کے علاوہ اپنی جان کا بھی خطرہ [illegible]
چنانچہ اس کا کردار بے داغ چلا آرہا تھا اور وہ تمام محلات میں اس طرح گھومتا جیسے [illegible]
وہ اپنے ہی گھر ہوں مگر جب کوئی شہزادی اس کے راستے میں حائل ہو کر اسے [illegible]
گفتگو کرنے پر مجبور کرتی تو تھوڑی دیر تک وہ سکون سے اس کی باتیں سنتا رہتا [illegible]

اس کے بعد نہایت ادب سے بہانہ بناتا۔

"شہزادی عالیہ! قصر گنبدیں کے بیگم نے مجھے بلوایا ہے اگر اجازت ہو تو ان کی بات سن کے آجاؤں"۔

اور شہزادی جھلا کے کہتی۔

"تمہیں کسی نہ کسی بیگم کا بلاوا اسی وقت یاد آتا ہے جب میں تم سے گفتگو کر رہی ہوتی ہوں"۔

احمد جمال اور زیادہ جواب دہ ہو جاتا اور سر جھکا کر عرض کرتا۔

"کیا عرض کروں شہزادی عالیہ! میں تمام بیگمات کا نوکر ہوں"۔

اس طرح اس کی جان چھوٹ جاتی اور شہزادی بڑبڑا کے اسے جانے کی اجازت دے دیتی۔

بیگم بدر جمالی' احمد جمال کو ہمیشہ ٹیڑھی نظر سے دیکھتی تھیں یہ بات نہیں تھی کہ وہ اس کے کام سے ناخوش تھیں بلکہ ایک تو وہ ٹیڑھے دماغ کی واقع ہوئی تھیں دوسرے یہ کہ ان کا خیال تھا کہ ملازموں کو اتنا منہ نہ لگایا جائے کہ وہ سر چڑھ جائیں مگر اس دن جب ان کے بلاوے پر احمد جمال آیا اور وہ حرم کو دیکھ کر کچھ گھبرا گیا تو بیگم بدر جمالی اس کی گھبراہٹ سے کچھ ایسی محظوظ ہو کر مسکرا پڑیں پھر جب احمد جمال واپس جانے لگا تو انہوں نے اس کے کان کھول دیئے۔

"احمد جمال بارہ دری کو اس طرح آراستہ کرنا کہ میری بیٹی کا دل خوش ہو جائے سمجھے حرم میری بیٹی ہے"۔

بیگم بدر جمالی کی یہ بات حرم نے بھی سن لی تھی اور وہ احمد جمال سے بھی زیادہ گھبرا گئی تھی احمد جمال کی شخصیت نے اسے بوکھلا دیا تھا اس پر طرہ یہ ہوا کہ احمد جمال کے جانے کے بعد بیگم نے حرم کو پیار سے سمجھایا۔

"حرم۔ تمہارا مرتبہ محلسرائے خلافت کی شہزادیوں سے کسی طرح کم نہیں خیال رہے کہ آقا اور غلام میں ہر وقت ایک فاصلہ برقرار رہنا چاہیئے"۔

عقلمند کے لئے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے حرم کافی ذہین تھی اس نے بیگم کو ادب سے جواب دیا۔

"آپ نے حرم کو بیٹی کہا ہے بیٹی اپنی ماں بیگم کو کبھی شکایت کا موقع دے گی"۔

"شاباش حرم۔ بیگم بدر جمالی نے اسے شاباش دی" تم نے ثابت کر دیا کہ میں نے تمہارے انتخاب میں کوئی غلطی نہیں کی۔

بیگم بدر جمالی کو اپنے بیٹے وزیرزادے فضل سے بڑی محبت تھی مگر بیٹے سب سے زیادہ محبت جنگ و جدل سے تھی اور وہ ہمہ وقت میدان جنگ میں رہنا زیادہ پسند کرتا تھا بیگم بدر جمالی بیٹے کی اس خصلت' فطرت' یا عادت پر بہت کڑھتی تھیں مگر باپ یعنی وزیراعظم بدرجمالی بیٹے کے اس ذوق کو بہت پسند کرتا تھا اسے اس بات کی خوشی تھی کہ فضل اس کے نقش قدم پر چل رہا ہے اور ایک دن وہ ایسا ہی کوئی مقام حاصل کرے گا جیسا کہ اس نے حاصل کیا ہے۔

بیگم بدر جمالی کی تمام بیماریاں ختم ہو گئی تھیں شاید یہ حرم کی موجودگی کا اثر تھا۔وزیر کے محل میں کئی لونڈیاں' باندیاں اور کنیزیں موجود تھیں لیکن حرم انہیں بیگم بدر جمالی کا کوئی کام نہ کرنے دیتی تھی بیگم کو نہلانا دھلانا لباس تبدیل کرانا کنگھی چوٹی' بناؤ سنگھار یہاں تک کہ بیگم کی مسہری کی چادر اور تکئے کے غلاف تک حرم ہی تبدیل کرتی تھی حرم کی اس خدمت نے بیگم کا دل موہ لیا تھا۔

صرف بیگم ہی نہیں بلکہ وزیراعظم بدر جمالی بھی حرم کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے ان کے دل میں یہ خیال جاگزیں ہو گیا تھا کہ ان کی بیگم دراصل حرم کی صحبت اور اس کی دن رات کی خدمت گزاری سے صحت یاب ہوئی ہے ورنہ اب تک شاید وہ قبر میں پہنچ چکی ہوتی حرم' بیگم جمالی سے دوپہر کے وقت صرف گھنٹہ دو گھنٹے کے لئے جدا ہو کر اپنے محل جاتی تھی یا پھر رات گئے جب بدرجمالی' بیگم کی خوابگاہ میں آتے وہ اپنے محل واپس آجاتی تھی پھر یہ جدائی بھی دونوں کو گوارہ نہ تھی دوپہر میں حرم اس لئے بیگم کے پاس ہٹ آتی تھی کہ اس وقت وزیراعظم بدرجمالی محل میں کھانا کھانے آتے اور گھنٹہ آدھ گھنٹہ آرام کرتے تھے۔

ایک دوپہر وزیراعظم کھانے کے لئے محل آئے تو کچھ چپ چپ تھے اتفاق سے اس دن بیگم بدر جمالی کی بھی شاید طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی ... دونوں

خاموش تھیں دستر خوان پر بھی میاں بیوی اپنے اپنے خیالوں میں الجھے ہوئے کھانا کھاتے رہے یہاں تک کہ کھانا ختم ہوا اور دونوں ہاتھ دھو کے مسہری پر آبیٹھے اس وقت اچانک بدر جمالی کی بیگم کے چہرے پر نظر پڑی تو وہ چونکے۔

"کیا ہوا آپ کو بیگم۔ طبیعت تو ٹھیک ہے؟ بدر جمالی نے محبت سے پوچھا۔

"ہاں ٹھیک ہے" بیگم نے بے دلی سے کہا۔

"نہیں بیگم۔ آپ کا چہرہ کہہ رہا ہے کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں" بدر جمالی نے دوبارہ بیگم کو ٹٹولا۔

آخر بیگم کو کھلنا پڑا۔

"آپ نے ٹھیک اندازہ لگایا میں کچھ بدگمانی کا شکار ہوں مگر اس پر میں بعد میں گفتگو کروں گی پہلے آپ یہ بتائیے کہ آپ جب سے آئے ہیں چپ چپ ہیں۔ یقیناً" کوئی فکر آپ کو ستا رہی ہے ورنہ عام دنوں میں تو یہ حالت نہیں ہوتی؟"۔

بدر جمالی مسکرائے۔ بولے۔

"آپ نے بھی صحیح اندازہ لگایا مگر میں بھی یہ بعد میں بتاؤں گا پہلے آپ بتائیے کہ آپ کو کیا بدگمانی ہے اور کس کی طرف سے بدگمانی ہے؟"۔

بیگم بدر جمالی اک دم سنجیدہ ہو گئیں تھوڑی دیر خاموش رہیں پھر کہا۔

"مجھے حرم کی طرف سے فکر سی ہو گئی ہے وہ مجھ سے بے انتہاء محبت کرتی ہے دوپہر اور رات کے سواء وہ مجھے ایک لمحے کو تنہا نہیں چھوڑتی مگر...."۔

بیگم نے بات ادھوری چھوڑی تو بدر جمالی نے کریدا۔

"حرم جوان ہے۔ ماشاء اللہ ہزار دو ہزار نہیں لاکھوں میں ایک ہے پھر وہ آپ کی لے پالک بیٹی ہے۔ اگر اس میں غرور' تمکنت یا خود سری پیدا ہوئی ہے تو یہ اس کی خطاء نہیں بلکہ آپ کی اس سے بے انتہاء محبت اس کی خطا دار ہے وزیراعظم بدر جمالی اور بیگم بدر جمالی کی لاڈلی بیٹی اگر مغرور اور خود سر نہ ہو گی تو کیا عام لڑکیوں کی طرح ہر وقت آپ کے ہاتھ جوڑے کھڑی رہے گی؟"۔

بیگم بدر جمالی نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

"مشکل تو یہی ہے کہ نہ وہ مغرور ہے نہ خود سر۔ انتہائی محبت کرنے والی

اور حد درجہ تابعدار"۔

"پھر آپ کو بدگمانی کیوں پیدا ہوئی؟" بدر جمالی نے پوچھا۔

بیگم نے وضاحت کی۔

"پچھلے دس بارہ روز سے وہ خاموش خاموش تھی میں نے اس سے پوچھا تو وہ درد سر کا بہانہ کر کے ٹال گئی میں سمجھ گئی کہ دال میں کچھ کالا ہے میں نے جشن بی کو حکم دیا کہ وہ دو دن کے اندر حرم کی اس تبدیلی کی وجہ معلوم کرے"۔

"حبشن نے کچھ پتہ لگایا؟" بدر جمالی نے دلچسپی سے پوچھا۔

"بی حبشن پتہ تو نہیں لگا سکی مگر اس نے شبہ ظاہر کیا ہے"۔

"کیا شبہ ہے اسے؟"۔

"اس کا شبہ ہے کہ حرم اور داروغہ محلسرائے خلافت احمد جمال میں کچھ تعلقات ہیں"۔

"اس شبہ کی بنا کیا ہے کیا اس نے دونوں کو گفتگو کرتے یا کسی بے وقت ملاقات کرتے دیکھا ہے"۔

"نہیں۔ اسے صرف شبہ ہے"۔

"ہونہہ -کہ کر بدر جمالی کچھ سوچنے لگے بیگم بھی خاموش رہیں کچھ دیر بعد بدر جمالی بولے"۔

"بیگم۔ آپ کا احمد جمال کے بارے میں کیا خیال ہے؟"۔

"بظاہر تو وہ نیک کردار معلوم ہوتا ہے" بیگم نے جواب دیا۔

"احمد جمال نیک کردار ہے صورت شکل کا بھی اچھا ہے اور آپ کو ایک نہ ایک دن حرم کی شادی بھی کرنا ہے یہ کہہ کر بدر جمالی نے بیگم کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ بیگم کی تیوریاں چڑھ گئیں"۔

بدر جمالی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کی حرم کو احمد جمال سے زیادہ اچھا رشتہ نہیں ملے گا؟"۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ حرم آخر میری بیٹی ہے۔ بیگم غصہ سے بپھر گئیں۔

"مانا کہ حرم آپ کی بیٹی ہے مگر ہے تو لے پالک" بدر جمالی کا لہجہ بھی کچھ تلخ ہو گیا۔ کیا آپ حرم کی شادی نہیں کریں گی اسے عمر بھر بیٹھائے رکھیں گی؟"۔

"شادی ضرور ہو گی حرم کی مگر ایک ادنی شاہی ملازم کے ساتھ نہیں" بیگم شوہر سے لڑنے پر آمادہ ہو گئیں احمد جمال کی حیثیت ہی کیا ہے محل کا داروغہ۔ کیا وہ ہمارے برابر ہو سکتا ہے؟"۔

"ہوں۔ اب میں سمجھا" بدر جمالی بولے " تو آپ نے حرم کو ہمارے بیٹے فضل کے لئے پسند کیا ہے؟"۔

"غلط۔ یہ بھی غلط ہے" بیگم چڑ گئیں۔

"تو کیا حرم کا شوہر آسمان سے اترے گا؟" بدر جمالی نے بھی سخت لہجے میں کہا۔

"جی ہاں۔ آسمان ہی سے اترے گا" بیگم نے ترکی بہ ترکی جواب دیا " میں اپنی بیٹی کی شادی کسی شہزادے سے کروں گی آیا آپ کے خیال شریف میں"۔

بدر جمالی نے حیران نظروں سے بیوی کو دیکھا اور طنزیہ انداز میں کہا۔

"گویا آپ شاہی خاندان سے رشتہ داری جوڑنا چاہتی ہیں؟"۔

"یہی سمجھ لیجئے آپ حرم کسی شہزادی سے کم تو نہیں" بیگم نے بڑے فخر سے کہا۔

"بیگم۔ یہ آگ کا کھیل ہے فاطمی خلیفہ اپنے خاندان ہی میں رشتہ داری کرتے ہیں" بدر جمالی نے بیوی کو سمجھانے کی کوشش کی "ایسا نہ ہو کہ حرم کا رشتہ کرتے کرتے ہمارا ہی پتہ نہ کٹ جائے"۔

"خدا نہ کرے۔ بیگم نرم پڑتے ہوئے بولیں "منہ سے بدشگونی کی باتیں نہیں نکالا کرتے میں ایسی احمق نہیں ہوں کہ بے موقع گفتگو کروں۔ بات کا موقع محل دیکھوں گی اگر مناسب معلوم ہوا تو رشتہ مانگوں گی ورنہ...."۔

"ورنہ کیا کریں گی آپ" بدر جمالی مسکرائے"۔

"ورنہ مجبوری کا نام صبر ہے" بیگم بھی مسکرائیں۔

"تو پھر صبر کا دامن پہلے ہی تھام لیجئے خواہ مخواہ بے عزتی کرانے سے کیا فائدہ؟"۔

بدر جمالی پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے بولے۔

"یہ سب قسمت کے کھیل ہوتے ہیں وزیراعظم صاحب۔ کیا آپ نے کبھی سوچا تھا کہ آپ مصر کے وزیراعظم ہو جائیں گے؟"۔

بیگم نے ایسی بات کی کہ بدر جمالی لاجواب ہو گئے۔

بدر جمالی کے وزیراعظم ہونے کا قصہ کچھ اس طرح تھا کہ جس وقت علوی خلیفہ مستنصر باللہ مصر کا خلیفہ ہوا تو وہ محض سات سال کا تھا اور عنان حکومت اس کی ماں ملکہ ظاہر کے ہاتھ میں تھی خلیفہ مستنصر جوان بھی ہو گیا تو بھی حکومت ملکہ ہی کے ہاتھ میں رہی اس کے معاملات میں کسی کو دخل دینے کی جرات نہ تھی چنانچہ پہلے ابوالفتح فلاحی وزیر سلطنت مقرر ہوا ملکہ کسی بات پر اس سے خفاء ہوئی تو اسے معزول کر کے قتل کرا دیا اس کی جگہ ابوالبرکات حسن بن احمد کو عہدہ وزارت عطاء ہوا کچھ ہی دن بعد وہ بھی معزول کر دیا گیا پھر ابو محمد تازوری وزیر ہوا کسی بات پر خفاء ہو کر ملکہ ظاہر نے اسے بھی مروا ڈالا اب ابو عبد حسین بن باہلی کو قلمدان وزارت تفویض ہوا۔

اس زمانہ میں حبشیوں اور ترکوں میں چل گئی حبشی ملکہ ظاہر کے منہ چڑھے تھے فوج میں تعداد بھی انکی تھی مگر ترک باوجود کم ہونے کے بہت بہادر تھے اور حبشیوں سے دبتے نہ تھے۔ انکا سردار ناصر الدولہ تھا کسی بات پر ایک حبشی اور ایک ترک میں جھگڑا ہو گیا اور بات جنگ تک پہنچی بڑا قتل و خون ہوا ترکوں نے حبشیوں کو تلوار پر رکھ لیا ملکہ ظاہر نے فوراً ترکوں سے صلح کر لی پھر دھوکے سے ناصر الدولہ کو قتل کرا دیا۔

مصری خلیفہ مستنصر روز روز کے جھگڑوں اور قتل و خون سے تنگ آگیا تھا وہ ماں کا بہت لحاظ کرتا تھا مگر ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے وہ روز جھگڑے کرتی اور ایسے آدمی کو وزیراعظم بناتی جو اس کے اشاروں پر چلے آخر خلیفہ مستنصر کو جیسے

ہوش آگیا۔

خلیفہ نے دمشق سے بدر جمالی کو بلوایا بدر جمالی صرف شہر دمشق کا والی تھا۔ مگر خلیفہ نے اسے دمشق سے اس تاکید کے ساتھ بلوایا کہ وہ سیدھا بارگاہ خلافت میں داخل ہو کر اور کسی اور سے قطعی گفتگو نہ کرے چنانچہ بدر جمالی سیدھا قصر خلافت پہنچا اور اپنے آنے کی اطلاع خلیفہ مستنصر کو بھجوائی۔ خلیفہ نے حکم دے رکھا تھا کہ بدر جمالی کے آتے ہی اسے خبر دی جائے۔

خلیفہ نے اطلاع پاتے ہی بدر جمالی کو طلب کر لیا بدر جمالی نے بارگاہ خلافت میں حاضر ہو کر خلافت مآب کی دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے محلسرائے خلافت کے سوا کل شہروں کی حکومت بدر جمالی کو عنایت کی۔ جواہر کا گلوبند عطاء کیا السید الاجل امیر الجیوش کا خطاب دیا۔ قضاۃ المسلمین اور داعی دعاۃ المومنین کے عہدوں پر سرفراز کیا۔ قلمدان وزارت دیا گیا غرض یہ کہ بدر جمالی کو علم اور قلم دونوں کا مالک بنا دیا گیا۔

بدر جمالی نے وزارت سنبھالتے ہی سفارشیوں اور نااہلوں کا صفایا شروع کردیا بنی عقیل صور پر قابض تھے ابن عمار کا قبضہ طرابلس پر تھا ابن معروف عسقلان پر حکمرانی کر رہے تھے بدر جمالی نے ان سب کو نکال باہر کیا۔ دمیاط پر عربوں کی حکمرانی تھی ان کی سرکوبی کے لئے ان کے لڑکوں کو غلام بنا لیا۔ رہواز پر کنزالدولہ قابض تھا اسے قتل کرا دیا۔

غرضیکہ بدرجمالی نے تمام اندرونی اور بیرونی سازشوں اور جھگڑوں کو ختم کر کے اپنی محنت اور لیاقت سے مصر کو ایک مضبوط اور متمدن ریاست بنا دیا اس نے تیس سال کا خراج معاف کر دیا جس سے دولت علویہ کا پہلا عروج واپس آگیا۔ اور ہر طرف بدر جمالی کی دھوم مچ گئی پوری سلطنت اور خود خلیفہ بھی اس کے اشاروں چلتا تھا۔ بدر جمالی نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اسے ایسا عروج حاصل ہو گا۔

"آپ کس سوچ میں پڑ گئے؟" بیگم نے اسے خیالوں سے چونکا دیا۔

بدر جمالی ایک لمبی سانس لے کر بولا۔

"تم نے ماضی کی یاد دلا دی مجھے ٹھیک ہے کہ میں صرف دمشق کا حاکم تھا یہ بات تو میرے تصور میں بھی نہ تھی کہ ایک دن میں سلطنت فاطمیہ علویہ کا وزیراعظم بن جاؤں گا"۔

"وزیراعظم نہیں بلکہ مختار کل" بیگم نے ہنستے ہوئے کہا اب اگر میں اپنی حرم کے لئے کسی شہزادے کا انتخاب کروں تو کوئی بری بات تو نہیں؟"۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو بیگم" بدر جمالی نے تائید کی "تمہاری حرم اور میرا فضل کسی شہزادے اور شہزادی سے کم تو نہیں ..... مگر ہاں یہ تو بتاؤ کس شہزادے پر نظر ہے تمہاری؟"۔

"ذرا حرم کی طرف سے اطمینان ہو جائے پھر بتاؤں گی"۔

بیگم ابھی کسی فیصلہ پر نہ پہنچ پائی تھیں اس لئے انہوں نے شوہر سے مزید گفتگو سے پرہیز کیا اور بدر جمالی اٹھ کے چلے گئے۔

آخر بیگم بدر جمالی کا شبہ اس دن یقین میں تبدیل ہوگیا جب حبشن بی نے بڑے راز دارانہ انداز میں انکشاف کیا۔

"بیگم صاحبہ! یہ تو بڑے غضب کی بات ہے میں نے تو ایسا کہیں نہیں دیکھا"۔

"جلدی بتا کیا ہوا۔ " بیگم کو خلجان شروع ہو گیا "باتیں بنانا چھوڑ اور اصلی بات بتا؟"۔

"بیگم صاحبہ! حبشن بی نے سانس درست کرتے ہوئے کہا" حرم بی بی نے آج قصر خلافت کے ایک کمرے میں احمد جمال سے ملاقات کی ہے میں تو کہتی ہوں -

"تو کچھ مت کہہ" بیگم بدر جمالی نے اس کی بات کاٹی" جو میں پوچھوں وہ صاف صاف بتا خبردار جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں"۔

"جھوٹ کیوں بولوں گی بیگم صاحبہ۔ حبشن بی سنبھل کے بولی۔ "جھوٹ بول کے مجھے آپ کی جوتیاں کھانا ہیں"۔

"یہ بتا حرم خود قصر خلافت گئی تھی؟" بیگم نے پہلا سوال کیا۔

"نہیں بیگم صاحبہ" حبشن بی نے تردید کی۔ "حرم بی بی کو قصر خلافت جانے کی کیسے ہمت ہو سکتی تھی۔ انہیں بلانے تو قصر خلافت کا ہرکارہ آیا تھا"۔

"قصر خلافت کا ہرکارہ" بیگم نے زیر لب دہرایا پھر حبشن بی سے دوسرا سوال کیا۔

"حرم اس ہرکارے کے ساتھ چپ چاپ چل گئی۔ اس نے مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی؟"۔

"بیگم صاحبہ! اس کا جواب میں کیا دے سکتی ہوں" حبشن بی سوکھا سا منہ بنا کے کہا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے" بیگم نے کہا۔ " اچھا یہ بتاؤ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ قصر خلافت میں حرم نے احمد جمال سے ملاقات کی؟"۔

"بیگم صاحبہ! میں نے پہلے بھی آپ کو بتایا تھا کہ میری نند کی بیٹی قصر خلافت کی کنیزوں میں شامل ہے" حبشن بی نے بتانا شروع کیا" وہ ہفتہ میں ایک بار گھر آتی ہے اور قصر خلافت کی ایک ہفتے کی پوری خبریں سناتی ہے پہلے بھی اس نے بتایا تھا کہ حرم بی بی اور احمد جمال کی قصر خلافت میں ملاقات ہوئی تھی کل رات وہ پھر آئی تھی اور مجھے بتا گئی ہے کہ حرم بی بی اور احمد جمال قصر خلافت میں پیشوا جی کے کمرے میں ملتے ہیں اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ پیشوا جی خود حرم بی بی اور احمد جمال کو اپنے پاس بلا کر ان کی ملاقات کراتے ہیں۔ پیشوا جی ...."۔

"ذرا ٹھہرو" بیگم نے اسے روکا "پہلے یہ بتاؤ کہ یہ پیشوا جی کون ہیں؟"۔

"مجھ نگوڑی کو کیا پتہ بیگم صاحب۔ " حبشن بی نے کہا" پر ہیں بڑے پہنچے ہوئے پیشوا جی کہتے ہیں جو ایک بار ان سے ملتا ہے بس ان کا غلام ہو کر رہ جاتا ہے وہ یہ بھی بتا رہی تھی کہ حضرت خلیفہ نے انہیں کسی دور کے ملک سے بلوایا ہے اور وہ ہروقت حضرت خلیفہ کے پاس رہتے ہیں"۔

بیگم نے حبشن بی کو رخصت کر دیا پھر شام کو وزیراعظم بدر جمالی گھر آئے تو بیگم نے سامنے ہوتے ہی سوال کیا۔

"یہ پیشوا جی کون بزرگ ہیں؟"۔

بدر جمالی نے حیران نظروں سے بیگم کو دیکھا پھر مسکرائے۔

"کیوں پیشوا جی کو کیوں پوچھ رہی ہیں آپ نے کونسی مراد پوری کرانا ہے ان کے ذریعہ؟"۔

"بھاڑ میں جائیں پیشوا جی" بیگم بگڑ گئیں "میں ان کی محتاج نہیں اللہ کا دیا میرے پاس سب کچھ ہے"۔

"اللہ اللہ اتنا غصہ!"۔ بدر جمالی اب بھی مسکرا رہے تھے "مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم ان سے ناراض ہو ورنہ ایسی بات نہ کرتا"۔

"میں کہتی ہوں" بیگم چیخ پڑیں "آخر وہ بوڑھا ہے کون جو ہمارے گھر کو اجاڑنے پر لگا ہے؟"۔

"ہمارے گھر کو!" بدر جمالی پریشان ہو گئے "خیر یہ تو بعد میں دیکھیں گے پہلے میں یہ بتاتا ہوں کہ یہ پیشوا جی کون ہیں انکا نام حسن بن صباح ہے خلیفہ نے مجھے بتایا ہے کہ وہ بہت پڑھے لکھے دانشور اور مذہبی پیشوا ہیں خلیفہ نے انہیں اصفہان سے بلوایا ہے اور ان کے سپرد فاطمی مذہب اور خلافت کی ترویج اور اشاعت کا کام کیا گیا ہے خلیفہ نے انہیں داعی الکبیر کا خطاب اور عہدہ دیا ہے خلیفہ پر ان کا ایسا اثر ہے کہ وہ اس کے مشورے کے بغیر کوئی نیا کام نہیں کرتے اور ہاں وہ آج ہی کل میں فارس اور عراق کی طرف جانے والے ہیں"۔

"خدا کرے وہ جلدی سے جہنم میں جائیں" بیگم نے حسن بن صباح کی بزرگی یا عظمت کا رتی بھر خیال نہیں کیا بلکہ ان کا غصہ اور تیز ہو گیا۔

"وہ ہمارے گھر میں آگ لگنے والی بات کیا ہے" بدر جمالی نے نرمی سے پوچھا اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے بھی بتائیے؟"۔

"کیا بتاؤں آپ کو" بیگم نے سر پکڑ لیا" مجھے اطلاع ملی ہے کہ حرم اور احمد جمال کی ملاقات اس پیشوا کے کمرے میں ہوتی ہے"۔

بدر جمالی کا منہ کھلا رہ گیا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں بیگم۔ کہیں آپ کو غلط اطلاع تو نہیں دی گئی؟"

"آپ جانتے ہیں میں کچی بات منہ سے نہیں نکالتی" بیگم نے پر غرور لہجے میں کہا۔ "مجھے یہ سب کچھ حبشن بی نے بتایا ہے اور اسے اس کی نند کی بیٹی نے بتایا جو قصر خلافت کی ایک کنیز ہے اس کنیز نے حرم اور احمد جمال کو اس کھوسٹ پیشوا کے کمرے میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے"۔

"پھر اب کیا ارادہ ہے؟ بدر جمالی نے سوچتے ہوئے پوچھا"۔

بیگم نے جواب دیا۔

"میں اب تک طرح دیتی رہی حرم کو مگر اب اس سے پوچھ کے رہوں گی"

"آپ نے اسے بیٹی کہا ہے تو بیٹی ہی جیسا سلوک کیجئے اس کے ساتھ" بدر جمالی نے بیگم کو سمجھانے کے انداز میں کہا "مجھے اپنے طور پر معلومات حاصل کرنے دیجئے ایسا نہ ہو کہ آپ اس سے کہیں اور وہ کوئی ایسا قدم اٹھا لے جو ہماری بدنامی کا باعث ہو اس معاملہ میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے"۔

بیگم بولیں۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں جوان جہان لڑکی ہے پتہ نہیں کیا کر بیٹھے مگر ذرا جلدی پتہ لگائیے ایسا نہ ہو کہ حرم ہمارے ہاتھ سے بالکل ہی نکل جائے"۔

بدر جمالی تھوڑی دیر بیٹھ کے واپس ہو گئے ان کے جاتے ہی حرم آ گئی بیگم نے اسے غور سے دیکھا حرم گھبرا گئی۔

"آپ کیسے دیکھ رہی ہیں مجھے آج میں آپ کی کنیز حرم ہوں؟"۔

بیگم سر ہلاتے ہوئے بولیں۔

"ہو تو تم حرم ہی مگر تمہاری نظریں پہلے جیسی نہیں ہیں"۔

حرم اور زیادہ گھبرا گئی پلو درست کرتے ہوئے بولی۔

"میری نظریں اگر آپ کو بدلی ہوئی نظر آ رہی ہیں تو انہیں پھوڑ دیجئے یا مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنے ہاتھوں سے انہیں پھوڑ ڈالوں میں اپنی اوقات نہیں بھولی۔ یہ سب کچھ آپ ہی کا دیا ہوا ہے حرم کو حرم آپ نے بنایا ہے۔اگر میں آپ کو خوش نہیں رکھ سکتی تو پھر میری زندگی بیکار ہے"۔

"بہت چاہتی ہو مجھے؟" بیگم نے اسے عجیب نظروں سے دیکھتے ہو
دریافت کیا۔

"جان سے بھی زیادہ" حرم نے فوراً جواب دیا" اب میں اپنے محل میں ہ
جاؤں گی۔ آپ کے پاس رہوں گی دور رہنے سے آپ کی محبت میں کمی آگئی
شاید؟"۔

بیگم آنکھیں بند کر کے کچھ سوچنے لگیں حرم کی نظریں نہ تبدیل تھیں او
نہ بیگم کے لئے اس کے دل میں محبت کی کوئی کمی ہوئی تھی پھر یہ خبریں کیسی ہیں
کیا حبشن بی نے جو کچھ بتایا وہ سب غلط ہے ان کے خیالات الجھتے چلے جارہے
تھے۔

"آپ کیا سوچنے لگیں؟" حرم کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔
بیگم نے آنکھیں کھولیں سر کو جھٹکا دیا اور بولیں۔
"میں جو کہوں گی وہ کرو گی؟"۔
"آپ حکم دے کے دیکھئے"۔ یہ کہتے ہوئے حرم نے چاندی کی تھالی میں
رکھا ہوا قلم تراش (چاقو) اٹھا لیا جو سیب کاٹنے کے لئے رکھا تھا۔
بیگم نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"یہ کیا کر رہی ہے لڑکی۔ پاگل تو نہیں ہو گئی؟"۔
بیگم نے اس کے ہاتھ سے چاقو چھین لیا۔
حرم نے جواب دیا۔
"میں نے چاقو اس لئے اٹھایا تھا کہ اگر آپ کا دل میری طرف سے صاف
نہ ہوا تو یہ چاقو اپنے سینے میں اتار لوں گی"۔
"پگلی کہیں کی" بیگم نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا " تو میری بیٹی
ہے حرم میرا دل تیری طرف سے صاف ہے"۔
حرم نے فوراً بیگم کے پیر پکڑ لئے۔
"کیا آپ نے مجھے واقعی معاف کر دیا؟"۔
"میں نے کہہ دیا میرا دل تیری طرف سے صاف ہے" بیگم نے اس کی
تسلی کے لئے دوبارہ کہا۔

"آپ کتنی عظیم ہیں" حرم نے جذبات سے پر، لہجے میں کہا۔ میری سگی ماں
بھی مجھے معاف نہ کرتی اس غلطی پر۔ میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔ اب میں
قسم کھاتی ہوں کہ اس سے پھر نہیں ملوں گی"۔

حرم کہہ رہی تھی اور بیگم حیران نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی جو بات
حرم سے پوچھنے کے لئے ان کے شوہر بدرجمالی نے انہیں منع کیا تھا وہ بات خود حرم
اپنے منہ سے بیان کر رہی تھی انہوں نے حرم کو روکا نہیں مگر جب وہ اک دم
رک گئی تو انہوں نے کہا۔

"ٹھیک ٹھیک بتاؤ کتنی بار ملی ہو احمد جمال سے؟"۔
حرم نے ہمت کر کے کہا۔
"آپ مجھے معاف کر چکی ہیں سزاء تو نہیں دیجئے گا میں سب بتا دوں گی"
۔
بیگم نے محبت سے کہا۔
"تم نے اقرار کر لیا ہے اب کوئی سزا نہیں ملے گی مگر سچ سچ بتاؤ؟"۔
حرم نے اب ترتیب سے بتانا شروع کیا۔
"پیشوا جی نے مجھے اپنا ملازم بھیج کے بلوایا تھا میں نہیں جارہی تھی مگر اس
نے کہا کہ پیشوا جی کو تمہارے دل کا حال معلوم ہے۔ وہ تمہاری مدد کریں گے
اور۔۔ اور۔۔ احمد جمال ان کے پاس بیٹھا ہے بس مجھ سے غلطی ہو گئی ۔۔ میں
چلی گئی"۔
"کتنی بار ملی ہو احمد جمال سے؟"۔
"صرف دو بار"۔
"پیشوا جی نے تم سے کیا کہا؟"۔
"انہوں نے کہا تھا کہ وہ خلیفہ سے کہہ کر ہم دونوں کی شادی کرا دیں گے
"۔

"پھر کیا ہوا؟"۔

"پھر میں ان کے پاس نہیں گئی"۔

"انہوں نے بلوایا تھا؟"۔

"ہاں دوبارہ بلوایا تھا مگر میں نہیں گئی۔ میں اپنی غلطی پر بہت شر
اس لئے میں نہیں گئی اور آج آپ کے پاس معافی مانگنے آئی ہوں"۔

بیگم بدر جمالی نے اسے سینے سے چمٹا لیا۔

حرم، بیگم سے صلح صفائی اور معافی مانگ کے واپس ہو گئی بیگم کو ا
واقعی بیٹی جیسی محبت ہو گئی تھی انہوں نے حرم کی غلطی کو خلوص دل سے
دیا اور اسے یہ بھی بتایا کہ اگر بدر جمالی رضا مند ہو گئے تو وہ احمد جمال کے
میں کچھ سوچیں گے۔

بیگم شوہر کو یہ بات بتانے کے لئے بہت بے چین تھیں مگر بدر
مصروفیت کی وجہ سے دو روز تک گھر نہ آسکے جب تیسرے دن وہ گھر آئے تو
چہرہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ تھا بیوی کے پوچھنے پر بدر جمالی نے ایک ا
کا انکشاف کیا کہ بیگم نہ صرف حیران رہ گئی بلکہ ان کے دل میں خطرات نے
اٹھانا شروع کر دیا۔

وزیراعظم بدر جمالی اگر فکر مند بھی ہوتے تو بھی اپنی بیگم کو دیکھ کے
دیا کرتے تھے مگر آج ان پر کچھ ایسا خاموشی کا دورہ پڑا تھا کہ محل میں پہنچے
دیکھا مگر اس انداز سے جیسے وہ بیوی سے بیگانہ ہوں۔ وہ سیدھے آکے مس
لیٹ گئے اور آنکھیں بند کرلیں بیگم بدر جمالی کے لئے یہ بات تعجب انگیز
کے علاوہ پریشان کن بھی تھی۔

بیگم نے ایک اسٹول کھینچا اور مسہری کے برابر بیٹھ کر شوہر کے
اتارے زندگی میں شاید یہ پہلا اتفاق تھا کہ ان کی بیگم نے ان کے پیروں
جوتے اتارے تھے دراصل وہ شوہر کی خاموشی سے اس قدر بدحواس ہو گئی تھیں
ان کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آرہا تھا کہ کیا کریں یا کیا کہیں۔ ان کا شوہر کے
اتارنا بھی ایک اضطراری کیفیت تھی۔

"کیسی طبیعت ہے آپ کی؟ بیگم نے ان کی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور گھب
آواز میں کہا"۔

ان کی آواز پر بدر جمالی جیسے چونک پڑے انہوں نے گھبرا کے آنکھیں
کھولیں اور فوراً اٹھ کے بیٹھ گئے۔

"میں یہاں کیسے آگیا؟" بدر جمالی نے دائیں بائیں نظریں گھماتے ہوئے
سوال کیا۔ بیگم کھڑی ہو گئیں اور مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولیں۔

"بالکل فکر نہ کیجئے آپ اپنے گھر میں ہیں"۔

"مگر۔۔مگر"۔

"آپ لیٹ جایئے اور ذرا دیر آرام کر لیجئے" بیگم نے بڑے پیار سے
مشورہ دیا۔

بدر جمالی نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولے۔

"بڑے غضب کی بات ہے ہمیں کچھ خبر ہی نہ ہو سکی"۔

بیگم نے سوال کرنے سے پرہیز کیا اور کہا۔

"آپ لیٹ جایئے آرام کی آپ کو سخت ضرورت ہے بدر"۔

بیگم شوہر کے لئے "بدر" کا لفظ کبھی کبھی استعمال کرتی تھیں یہ لفظ ان کی
زبان سے اس وقت نکلتا تھا جب وہ انتہائی پریشان ہوں یا پھر انہیں شوہر پر بیساختہ
پیار آگیا ہو۔ اس وقت ان کی ایسی ہی کیفیت تھی وہ شوہر کی طرف سے سخت
پریشان بھی تھیں اور اس پریشانی نے انہیں شوہر سے بے انتہاء قریب کر دیا تھا۔

بدر جمالی نے سر کو دوبارہ جھٹکا دیا کمرے میں چاروں طرف دیکھا پھر بیگم کی
طرف جھکے وہ سمجھ گئیں کہ شوہر کچھ کہنا چاہتے ہیں۔

"آپ بے فکر ہو کے کہئے یہاں کوئی نہیں ہے میری کنیزیں ایسی نہیں کہ
ادھر کی ادھر لگاتی ہوں"۔

بیگم نے شوہر کو اخلاقی سہارا دیا۔

بدر جمالی کو جیسے اطمینان ہو گیا انہوں نے مسہری سے ٹیک لگا لی بیگم جمالی
بھی اسٹول اور زیادہ قریب کھینچ کے بیٹھ گئیں۔

"میرے پیروں کے نیچے سے تو زمین نکل گئی یہ بات تو میرے تصور میں

بھی نہ تھی"۔

بدر جمالی کے منہ سے الفاظ اٹک اٹک کے نکل رہے تھے بیگم نے بھی کوئی سوال کرنا مناسب نہیں سمجھا اور چپ چاپ شوہر کا منہ دیکھنے لگیں سمجھ گئیں تھیں کہ آج کوئی بہت ہی غیر معمولی بات ہوئی ہے جس نے بدر جیسے مضبوط اعصاب کے مالک کو جنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔

زرا دیر رک کے بدر جمالی خود ہی بولے۔

"وہ جو خلیفہ کا پیر ہے نا-- وہی پیشوا- حسن بن صباح جانتی ہو اس نے کیا؟"۔

اب بیگم سے براہ راست سوال ہوا تھا اس لئے انہیں بولنا ہی پڑا۔

"باہر کی باتیں میں کیا جانوں جو آپ بتاتے ہیں سن لیتی ہوں"۔

بدر جمالی اپنے خیالات میں الجھے ہوئے تھے انہوں نے بیگم کی بات یا تو سنی ہی نہیں یا پھر سنی ان سنی کر دی اور اپنی رو میں بولے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ اس ذلیل انسان نے میرا مطلب ہے وہی پیر حسن بن صباح نے خلیفہ سے مطالبہ کیا ہے کہ مجھے یعنی امیرالجیوش بدر جمالی وزارت سے معزول کر دیا جائے"۔

"ہائے اللہ" بیگم درمیان میں ہی چیخ پڑیں اس کی اتنی جرات آپ اسے فورا" قتل کرا دیں"۔

"ہونہ" کہہ کر بدر جمالی خاموش ہو گئے"۔

بیگم کو افسوس ہوا کہ انہوں نے بے صبری کا مظاہرہ کر کے شوہر کو ناراض کر دیا ہے چنانچہ انہوں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"یہ اطلاع آپ کو کس ذریعہ سے ملی؟"۔

بدر جمالی ناراض نہیں تھے بلکہ خیالات کے ہجوم نے انہیں الجھا کے رکھ دیا تھا وہ جیسے چونکتے ہوئے بولے۔

"تم کس ذریعہ کو پوچھتی ہو بیگم۔ پہلے مجھے محلسرائے خلافت کی کنیز نے بتایا۔ اس کے فورا" بعد میری خاموش کنیز نے اطلاع دی پھر ایک غلام نے مجھے یہی خبر سنائی یوں معلوم ہوتا ہے کہ حسن بن صباح نے خلیفہ سے علی الاعلان میری معزولی کا مطالبہ کیا ہے"۔

بیگم نے جو غصہ سے بپھر چکی تھیں فورا" ٹکڑا لگایا۔

"یوں کہنا چاہئے کہ حسن بن صباح نے ہمارے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے۔ شاید اسے ہماری طاقت کا علم نہیں؟"۔

"ہوسکتا ہے کہ ایسا ہو" بدر جمالی نے خیال ظاہر کیا"مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے خلیفہ کے مزاج میں اس قدر دخل حاصل کر لیا ہو کہ اس کے دل سے ہماری طاقت کا خوف ہی جاتا رہا ہو؟"۔

"کچھ بھی ہو مگر اب آپ کو کوئی فوری فیصلہ کرنا چاہئے۔ بیگم نے جیسے شوہر کو حکم دیا۔ "دشمن کو ذرا بھی مہلت نہ ملنی چاہئے اس نے آپ پر کھلا ہوا وار کیا ہے آپ جواب بھی اسی انداز سے دیجئے کہ اسے معلوم ہو جائے کہ اس نے کس کے خلاف محاذ کھولا ہے"۔

"بیگم۔ شاید تم مجھے عقل سے خالی سمجھتی ہو۔" بدر جمالی نے زہر خند کہا" دشمن پر تو وار کرنے سے پہلے ہی وار کر دینا چاہئے مگر مجھے تو آج ہی معلوم ہوا"۔

"پھر آپ نے کیا قدم اٹھایا؟" بیگم نے بے چینی سے پوچھا۔

"یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں خود ہی معلوم ہو جائے گا" یہ کہتے ہوئے بدر جمالی مسہری سے اترے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے باہر چلے گئے۔

بیگم ہکا بکا رہ گئیں۔ انہیں یہ تو یقین تھا کہ بدر جمالی دشمن کو موقع نہیں دیا کرتے جس کا انہوں نے خود اعلان کر دیا تھا مگر اب وہ یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین تھیں کہ بدر جمالی نے حسن بن صباح کے خلاف کیا قدم اٹھایا یا اپنی مدافعت کی کیا تدابیر اختیار کیں۔ حسن بن صباح کے متعلق یہ افواہیں اڑ رہی تھیں کہ خلیفہ کو اس نے اپنے ہاتھوں میں ایسا لیا ہے کہ وہ اس کے بغیر نوالہ تک نہیں توڑتے محلسرائے خلافت کا ہر شخص حسن بن صباح سے خائف تھا اور ہر ایک کو اپنی ملازمت کی فکر پڑ گئی تھی۔

بیگم نے اسی خلجان میں بڑی بے چینی سے دن کاٹا اس دوران حرم بھی

اپنے محل سے آئی مگر بیگم نے اس سے بھی ٹھیک طرح بات نہ کی حالانکہ معاملہ بھی انتہائی سنگین تھا اور بیگم کو اس سے بہت کچھ پوچھنا تھا حرم ان کی حالت دیکھ کر خوفزدہ ہو گئی اسے یہ گمان ہوا کہ شاید بیگم کو اس کی اور احمد جمال کی ملاقات کا حال معلوم ہو گیا ہے اور بیگم نے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کر لیا ہے جبھی وہ اس سے سیدھے منہ باتیں نہیں کر رہی ہیں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ حرم، بیگم کے پاس خاموش بیٹھی ان کی حالت دیکھتی رہی پھر چپ چاپ اٹھ کر واپس چلی گئی۔

مگر شام ہوتے ہوئے یہ افواہ محلسرائے خلافت اور تمام ایوانہائے شاہی میں پھیل گئی کہ خلیفہ کے پیشواء حسن بن صباح صبح کو شاہی فوج کے ایک دستے نے قصر خلافت میں زبردستی داخل ہو کے گرفتار کیا اور اسے گھسیٹتے ہوئے محل سے لے گئے ہیں بیگم بدر جمالی نے یہ افواہ سنی جس کی تصدیق اس کی کنیزوں نے بھی کر دی تو ان کی خاموشی خود ہی ٹوٹ گئی۔

رات جب بدر جمالی اپنے محل واپس آئے تو ان کا چہرہ کھلا ہوا تھا بیگم پہلے ہی خوشی سے پھولے نہ سماتی تھی شوہر کو خوش دیکھا تو انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ محلات میں گھومنے والی افواہ افواہ نہ تھی بلکہ وہ حقیقت تھی۔

بیگم نے پھر بھی تصدیق کے لئے شوہر سے دریافت کیا۔

"میں نے سنا ہے---"

"ٹھیک سنا ہے" شوہر نے ہنستے ہوئے قطع کلام کیا "ہم نے حسن بن صباح کے ناپاک قدموں سے مصر کی سرزمین کو محفوظ کر دیا ہے"۔

"اس کا مطلب ہے کہ حسن بن صباح قتل کر دیا گیا ہے؟" بیگم نے مزید کرید کی۔

بدر جمالی نے جواب دیا۔

ہمارا مقصد حسن بن صباح کو قتل کرنا نہ تھا بلکہ اسے مصر سے بھگانا تھا ہم نے اسے یہاں سے بھگا دیا ہے اب آپ کو کسی قسم کی فکر نہ کرنی چاہئے"

بیگم سانس لے کے بولیں۔

"ایک فکر تو دور ہو گئی مگر دوسری فکر تو ابھی باقی ہے؟"۔

"اب کونسی فکر ہے؟" بدر جمالی نے بیوی کو گھورا۔

"کیا آپ بیٹی حرم کو بھول گئے! بیگم نے اک دم سوال کیا۔

وزیراعظم مسکرائے۔

"حرم کو بیٹی آپ نے بنایا ہے فکر بھی آپ کو ہونا چاہئے میرا اس میں کیا دخل ہے۔ وہ لڑکی ہے اور لڑکیاں اپنے ہی گھر میں اچھی لگتی ہیں"۔

"تو آپ بھی یہی چاہتے ہیں کہ حرم کی شادی کر دی جائے؟" بیگم خواہ مخواہ کا سوال کیا۔

بدر جمالی کچھ چڑ گئے۔ بولے۔

"میں کہہ چکا ہوں کہ یہ آپ کا معاملہ ہے جیسے چاہیں کیجئے میں آپ کی خوشی میں خوش ہوں"۔

"تو بس فیصلہ ہو گیا" بیگم بڑی مسرت سے بولیں میں اپنی حرم کو احمد جمال سے بیاہ دیتی ہوں"۔

"بڑا نیک خیال ہے" بدر جمالی نے تائید کر دی۔

دوسرے دن حرم اور احمد جمال کی شادی کا اعلان ہو گیا۔ یہ خبر دونوں کے لئے نہایت حیرت خیز تھی ایک دن پہلے ہی محلسرائے خلافت سے حسن بن صباح کا اغواء ہوا تھا۔ محلسرا کی تمام کنیزوں اور غلاموں نے حسن بن صباح کو شاہی فوج کے ہاتھوں گرفتار ہوتے دیکھا تھا مگر کسی نے بھی یہ خبر خلیفہ مستنصر تک نہیں پہنچائی کیونکہ اس وقت بدر جمالی کا طوطی بول رہا تھا اور اس کے خلاف زبان کھولنا خود اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ خلیفہ کو صرف یہ بتایا گیا تھا کہ داعی الکبیر، پیشوائے وقت علامہ حسن بن صباح محل سے باہر گئے تھے اور واپس نہیں آئے اور کسی کو نہیں معلوم کہ وہ کدھر گئے ہیں خلیفہ مستنصر نے بھی یہ سوچ کے دل کو تسلی دے لی کہ ایسے لوگ آنے جانے کے متعلق کسی کو کچھ نہیں بتاتے جیسے خاموشی سے گئے ہیں اسی طرح کسی دن خاموشی ہی سے واپس آجائیں گے۔
مثل مشہور ہے کہ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ یعنی حسن بن صباح مصر سے

غائب ہوئے تو حرم اور احمد جمال کے دل کی دھڑکنوں کو سکون مل گیا اگرچہ بن صباح نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کی شادی کرا دے گا خواہ بیگم بدر یا بدر جمالی اس کی کتنی ہی مخالفت کریں مگر وہ حسن بن صباح کے وعدے مطمئن نہ تھے پیشوا کا خلیفہ پر لاکھ اثر سہی مگر خلیفہ اپنے سپہ سالار اور وزیر کی کھلم کھلا مخالفت کیسے لے سکتا تھا۔

حرم اور احمد جمال کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ منافق اور شاطر حسن بن صباح پر کیا گزری بیا کیا جا چکا ہے کہ حسن بن صباح کو قصر خلافت سے زبردستی اٹھایا گیا اور ا افرنگیوں (عیسائیوں) کے حوالے کیا گیا یہ فرنگی ایک تجارتی جہاز کے کارکن اور ان کا جہاز ساحل سمندر پر لنگر انداز تھا مصر کے وزیراعظم بدر جمالی نے ا اپنے حضور طلب کر کے حکم دیا تھا کہ جس شخص کو ان کے حوالے کیا جا رہا اسے نہ سمندر میں پھینکا جائے اور نہ قتل کیا جائے بلکہ اسے جہاز پر سوار کر بحرروم کے ساحل پر آباد کسی عیسائی سلطنت میں پہنچا دیا جائے مزید یہ کہ جہا اس کی پوری حفاظت کی جائے تاکہ وہ راستہ میں کہیں غائب نہ ہو جائے۔

حسن بن صباح نے اگرچہ فاطمی خلیفہ مستنصر کے ہاتھ پر بیعت کی تھی خلیفہ اس کی اس حد تک عزت کرتا تھا کہ اس نے حسن کو عراق اور فارس کا الکبیر مقرر کر دیا تھا مگر حسن بن صباح اپنی مصلحت کی بناء پر ابھی خلیفہ کے ہی ٹھہرا ہوا تھا دراصل حسن بن صباح یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح وزیراعظم مص جو مصری افواج کا سپہ سالار بھی تھا معزول کرا دے کیونکہ اس نے اندازہ کر لیا تھا وزیراعظم بدر جمالی کی زندگی میں خلیفہ مستنصر اس کے قابو میں نہیں آسکتا تھا۔

آخر حسن بن صباح نے بدر جمالی کو معزول کرانے کے لئے خلیفہ سے کی برائیاں شروع کر دیں ممکن تھا کہ خلیفہ اس کی باتوں میں آجاتا مگر بدر جمالی قصر خلافت میں اپنے کئی جاسوس مقرر کر دیئے تھے خلیفہ کی کنیز خاص بھی جمالی کی جاسوس تھی۔ وہ خلیفہ سے اس قدر منہ چڑھی تھی کہ ہر وقت خلیفہ

حضور میں رہتی۔

خلیفہ مستنصر کے تین بیٹے تھے سب سے بڑا احمد، منجھلا نزار اور چھوٹا ابوالقاسم تھا حسن بن صباح نے مصر پہنچتے ہی یہ معلوم کر لیا تھا کہ خلیفہ مستنصر اپنے بعد اپنے منجھلے بیٹے نزار کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے چنانچہ حسن بن صباح نے نزار کی طرف توجہ دی اور اس سے میل ملاقات شروع کر دی نزار نے یہ دیکھا کہ خلیفہ، حسن بن صباح کا بڑا لحاظ کرتا ہے اور ہر اہم معاملہ میں اس سے مشورہ کرتا ہے پس اس نے بھی حسن بن صباح پر پوری توجہ دی اور دونوں میں گہری دوستی ہو گئی۔

پس حسن بن صباح نے نزار کو مشورہ نہیں بلکہ اس پر زور دیا کہ وہ خلیفہ سے یہ ضد کرے اسے ولی عہد سلطنت مقرر کئے جانے کا اعلان کرے خلیفہ مستنصر، نزار کو سب سے زیادہ چاہتا تھا چنانچہ جب نزار نے باپ پر زور دیا کہ اس کی ولی عہدی کا اعلان کیا جائے تو خلیفہ نے اس سے وعدہ کر لیا وہ چند ہی دن بعد یہ اعلان کردے گا نزار اور خلیفہ کی اس ملاقات کا خبر فوراً" بدر جمالی وزیراعظم مصر تک پہنچ گئی۔

اس کے دوسرے دن خلیفہ مستنصر نے اس سلسلہ میں حسن بن صباح سے گفتگو کی خلیفہ نے نزار کو ولیعد مقرر کرنے کا پہلے ہی فیصلہ کر لیا تھا مگر اس نے حسن بن صباح سے مشورہ کرنے کے لئے نزار سے چند دن بعد اعلان کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

فاطمی خلیفہ مستنصر نے دریافت کیا۔

"اے داعی الکبیر اور دانشور حسن بن صباح تمہارا ولیعد سلطنت مصر کے بارے میں کیا خیال ہے؟"۔

حسن بن صباح کو معلوم تھا کہ خلیفہ کا جھکاؤ شہزادے نزار کی طرف ہے مگر اس نے یہاں بھی ایک نہایت شاطرانہ چال چلی حسن نے کہا۔

"اے امام برحق مجھے دنیاوی سلطنت کے جھگڑوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہاں فاطمیوں کے آئندہ امام کے بارے میں میری رائے معلو

ضرور کچھ عرض کروں گا"۔

فاطمیوں میں جو خلیفہ وقت ہوتا وہی فاطمیوں کا امام ہوتا تھا حسن بن صباح سب کچھ جانتے ہوئے خلیفہ کو الجھا رہا تھا خلیفہ مستنصر کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔

"اچھا داعی الکبیر' یہ بتاؤ تم میرے بعد کس کو اپنا امام بنانا پسند کرو گے؟"۔

"اے امام برحق' مجھ ناچیز کی پسند اور ناپسند کا کیا سوال' امام تو وہ ہونا چاہئے جس میں امام وقت یعنی اعلحضرت خلیفہ برحق مستنصر باللہ جیسی صفات موجود ہوں"۔

"چلو یونہی سہی" خلیفہ نے کہا۔ اب بتاؤ تمہیں میرے کس بیٹے میں یہ خوبیاں نظر آتی ہیں"۔

حسن بن صباح نے پروقار انداز میں جواب دیا۔

"فاطمی خلیفہ کے کاندھے پر دو قسم کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں ایک طرف تو وہ دنیاوی ذمہ داری ہوتی ہے جو ایک خود مختار بادشاہ ادا کرتا ہے مگر دوسری طرف وہ دنیا والوں کا دینی خلیفہ اور امام ہوتا ہے پس فاطمی خلیفہ ایسا ہونا چاہئے جس میں ایک طرف تو تہور شجاعت اور اعلیٰ درجہ کی انتظامی سوجھ بوجھ ہو تو دوسری طرف ایسا دیندار ہو کہ لوگوں کو صحیح راستہ دکھا سکے"۔

اتنا کہہ کر حسن بن صباح خاموش ہو گیا حسن نے سب کچھ کہنے کے باوجود کسی کا نام نہیں ظاہر کیا خلیفہ نے بے چین ہو کے پوچھا۔

"اے داعی الکبیر' تمہاری دانشوری میں کوئی کلام نہیں مگر اب میرے اس بیٹے کا نام بتاؤ جس میں تمہارے خیال کے مطابق یہ خوبیاں موجود ہوں؟"۔

حسن بن صباح نے پھر بھی چبا چبا کے کہنا شروع کیا۔

"اے امام برحق" دنیاوی اصول کے مطابق باپ کے بعد اس کا بڑا بیٹا وارث سمجھا جاتا ہے مگر یہ کوئی آسمانی حکم نہیں فاطمی حکومت کی خلافت اور دینی رہبری ایک ہی شخص کے سپرد ہوتی ہے اور میرے خیال میں ان دونوں ذمہ

داریوں کا بار اٹھانے کے لئے آپ کا فرزند ارجمند "شہزادہ نزار" بہترین انتخاب ہو سکتا ہے"۔

فاطمی خلیفہ مستنصر اس کی زبان سے نزار کا نام سن کر اچھل پڑا اور اس کی باچھیں کھل گئیں۔

"کیا کیا' تم نے کیا کہا دانشور' مستنصر نے بھرپور مسرت سے کہا۔"

"کیا یہ عجیب بات نہیں کہ تم نے میرے جس بیٹے کا خلافت اور امامت کے لئے انتخاب کیا ہے وہی شہزادہ میرا بھی انتخاب ہے"۔

"مگر آپ نے کبھی پہلے اس کا ذکر نہیں کیا؟" حسن بن صباح بالکل انجان بن گیا۔

"ہم بتاتے کس طرح؟" خلیفہ نے وضاحت کی احمد اور ابولقاسم دونوں بھائی نزار کو پسند نہیں کرتے نزار کی بہن کو بھی اپنا یہ بھائی پسند نہیں"۔

"اس لئے کہ شہزادہ نزار تمام بہن بھائیوں میں سب سے زیادہ خلافت اور امامت کاحقدار ہے حسن بن صباح نے موقع مناسب سمجھ کر فوراً" ٹکڑا لگایا۔

خلیفہ محترم اگر آپ کے دل کے کسی گوشہ میں بھی شہزادہ نزار کو اپنا ولی عہد اور خلیفہ مقرر کرنا ہے تو بلا تاخیر اس بات کا اعلان فرما دیجئے تاکہ جتنی مخالفت اس وقت ہونا ہے وہ ہو جائے"۔

"اے داعی الکبیر" خلیفہ یوں بولا جیسے حسن بن صباح نے اس پر کوئی بہت بڑا احسان کیا ہو ہمیں تمہاری ذہانت اور دانشوری کی بار بار داد دینا پڑتی ہے ہم کل ہی تمام امراء اور وزراء کو قصر خلافت میں بلا کر شہزادہ نزار کی ولی عہدی کا اعلان فرما دیں گے اس سلسلہ میں ہمیں کسی اور کی مخالفت کی پروا نہیں سوائے بدر جمالی کے"۔

"خلیفہ محترم" حسن بن صباح نے فوراً" بات کاٹی " بدر جمالی کی طرف سے آپ مطمئن رہیں اس کا علاج کرنا میں جانتا ہوں"۔

"بس تو پھر ٹھیک ہے" خلیفہ نے بے سوچے سمجھے کہہ دیا " کل یہ کام ضرور ہو گا"۔

کہتے ہیں کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں مگر یہ دیواریں ہمارے اور آپ کے گھروں کی دیواریں نہیں ہوتیں بلکہ یہ اشارہ قصر سلطانی اور محلسرائے خلافت کی دیواروں کی طرف ہے یہ کان بھی عام نہیں ہوتے بلکہ محلسراؤں کی کنیزوں اور غلاموں کے کان ہوتے ہیں کنیزوں اور غلاموں کی ذات دراصل جاسوسی کا ایک متحرک ادارہ ہوتا ہے یہ لوگ محلسرا کی ہر بات غور سے سنتے ہیں اور اس کا مطلب اپنے مقصد کے مطابق نکالتے ہیں۔

جس وقت خلیفہ اور حسن بن صباح میں یہ گفتگو ہو رہی تھی بظاہر وہاں کوئی بھی موجود نہ تھا مگر برابر کے کمرے میں خلیفہ کی کنیز خاص دروازے سے کان لگائے پوری گفتگو سن رہی تھی یہ کنیز ایک طرف تو خلیفہ کی کنیز خاص ہونے کی وجہ سے شاہی خزانہ سے ایک بھاری ماہانہ رقم وصول کرتی تھی خلیفہ کا انعام و اکرام اس کے علاوہ تھا مگر اس کنیز کا دوسرا رخ یہ بھی تھا کہ وہ سپہ سالار افواج مصر اور وزیر اعظم مصر بدر جمالی کی جاسوس خاص تھی اور محلسرائے خلافت میں ہونے والی تمام گفتگو ایک دوسری کنیز کے ذریعے وزیراعظم تک پہنچا دیتی تھی۔

خلیفہ کی کنیز خاص کے علاوہ محلسرائے خلافت میں ہر شہزادے' شہزادیاں' امیر و وزیر ہر کی جاسوس کنیزیں اور غلام ہر دم موجود رہتے تھے جو اپنے اپنے آقاؤں کی محلسراء کی تمام خبروں سے آگاہ کرتے تھے دوسرے دن خلیفہ نے اس بات کا اعلان کیا کہ انہوں نے شہزادہ "نزار" کو اپنا ولی عہد اور فاطمیوں کا آئندہ امام مقرر کیا ہے یہ خبر کسی کے لئے بھی نئی اور غیر متوقع نہ تھی اس لئے کہ سب لوگوں کو اپنے اپنے جاسوس سے یہ اطلاع' اعلان سے پہلے معلوم ہو چکی تھی۔

شہزادہ نزار کی ولی عہدی کے اعلان سے وزیراعظم بدر جمالی بھی خوش نہ تھا اس کے خیال میں شہزادہ نزار انتہائی خودسر اور بددماغ واقع ہوا تھا بدر جمالی کے خیال میں شہزادہ احمد اس مرتبہ اور عہدے کا اہل تھا جسے خلیفہ نے نظرانداز کر دیا تھا بدر جمالی کو اس بات پر بھی بہت غصہ تھا کہ "نزار" کی ولی عہدی کا مشورہ خلیفہ کو حسن بن صباح نے دیا تھا جبکہ بدر جمالی کے خیال میں حسن بن صباح کی حیثیت سوائے ایک مذہبی داعی کے اور کچھ بھی نہ تھی۔

وزیراعظم بدر جمالی سے جب خلیفہ نے "نزار" کی ولی عہدی کے بارے میں دریافت کیا تو اسے سوائے ہاں کرنے کے اور کوئی چارہ نہ رہا وہ جانتا تھا کہ خلیفہ نے نزار کو ولی عہد بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے اس نے خلیفہ کی مخالفت کر کے وہ خود کو کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا مگر اس نے حسن بن صباح کو معاف نہیں کیا اور اسے نکلوا کے رہا اس طرح حسن بن صباح سلجوق دربار سے نکالے جانے کے بعد محلسرائے خلافت مصر سے بھی نکالا گیا حسن بن صباح نے بدر جمالی کو معزول کرانے کی کوشش کی مگر اس کوشش میں اسے شکست ہوئی اور وہ مصر کی سیاست سے ہمیشہ کے لئے نکل گیا۔

یہاں پر قاری کے ذہن میں یہ خیال ضرور پیدا ہو گا کہ آخر "نزار" کی ولی عہدی کا کیا بنا اگرچہ اس ناول سے شہزادہ نزار کا کچھ زیادہ تعلق نہیں ہے پھر بھی ہم اس سوال کا جواب دے رہے ہیں تاکہ قاری کے دماغ میں کسی قسم کی الجھن نہ رہ جائے نیز یہ کہ ان کی معلومات میں بھی اضافہ ہو سکے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ شہزادہ نزار انتہائی خود سر اور مغرور تھا پھر جب اس کی ولی عہدی کا اعلان ہو گیا تو اس کے غرور میں سوگنا اضافہ ہو گیا انہی دنوں وزیراعظم بدر جمالی کا بیٹا فضل یا افضل خچر پر سوار ہو کے قصر خلافت میں داخل ہوا دوسری طرف سے شہزادہ نزار آرہا تھا اس نے فضل کو خچر پر سوار دیکھا تو اسے غصہ آگیا اور انتہائی حقارت آمیز لہجے میں فضل کو ڈانٹا۔

"او ارمنی' نجس کہیں کا اتر نیچے"۔

"فضل آخر وزیراعظم بدر جمالی کا بیٹا تھا اسے شہزادے کے اس انداز پر سخت غصہ آیا مگر اس نے ضبط کیا اور خون کے گھونٹ پی کے رہ گیا پر جب ماہ ربیع الاول 487ھ میں بدر جمالی کا انتقال ہوا تو خلیفہ مستنصر نے اس کے بیٹے فضل بن بدر جمالی کو وزیر کے عہدے پر فائز کر دیا اس وقت ولی عہد شہزادے نزار نے فضل کے وزیراعظم بنائے جانے پر اعتراض کیا مگر خلیفہ مستنصر نے اس کے اعتراض پر کوئی توجہ نہ دی ادھر اس کی خبر فضل بن بدر جمالی کو بھی مل گئی فضل پہلے ہی نزار کے حقارت آمیز سلوک کا داغ سینے پر لئے ہوئے تھا اس کی اس

مخالفت نے اس داغ کو تازہ کرایا فاطمی خلیفہ مستنصر باللہ نے بھی ساٹھ سال حکومت کرنے کے بعد اسی سال انتقال کیا اس نے اپنے بیٹے نزار کو ولی عہد بھی بنا دیا تھا مگر مصر کے موجودہ وزیر فضل بن بدر جمالی کو نزار کا سلوک یاد تھا اس نے نزار کی ولی عہدی کی سخت مخالفت کی فضل یعنی وزیراعظم کی مخالفت نے نزار کی تاجپوشی کے معاملہ کو کٹھائی میں ڈال دیا وہ کسی نہ کسی بہانے سے نئے خلیفہ کی رسم خلافت کو روکتا رہا۔

فضل بن بدر جمالی مستنصر کے تیسرے بیٹے ابوالقاسم کو خلیفہ بنانا چاہتا تھا مگر اس کی تحریک وہ خود نہ کرنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے نزار کی بہن سے رابطہ قائم کیا نزار کی بہن یعنی شہزادی کو علم تھا کہ اس وقت وزیراعظم فضل بن بدر جمالی سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ اگر اس نے انکار بھی کر دیا تب بھی ہو گا وہی جو فضل چاہتا ہے اس لئے اس نے فضل کے پیام کے جواب میں وزیراعظم فضل کو اپنے محل میں بلوایا۔

فضل بن بدر بے دھڑک شہزادی کے محل میں پہنچ گیا مگر احتیاط کے طور پر اپنے ساتھ ایک دستہ فوج لیتا گیا شہزادی نے محل کے دروازے پر فضل کا استقبال کیا اور بڑے احترام سے اسے اندر لے گئی اب ان دونوں میں بہت کھل کے گفتگو ہوئی۔

شہزادی نے بڑے تاجرانہ انداز میں کہا۔

”اے بن بدر جمالی۔ تمہارے والد وزیراعظم بدر جمالی مجھے بہت چاہتے تھے میں انہیں چچا کہتی تھی انہوں نے ہمیشہ میری جائز اور ناجائز ضرورتیں پوری کیں جہاں تک تمہارا تعلق ہے تو تم اس وقت مصر کے وزیراعظم ہو تمہاری عزت کرنا میرا فرض ہے مگر میں خلافت کے معاملہ میں تمہارا ساتھ کیوں اور کس رشتے سے دوں؟“۔

فضل بن بدر جمالی بہت ذہین تھا اس نے سوچ کے جواب دیا۔

”شہزادی عالیہ۔ آپ میرے باپ کو چچا کہتی اور ان کی عزت کرتی تھیں یہی رشتہ میں آپ کے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں میرے والد آپ سے بڑے تھے آپ ان کو چچا کہتی اور عزت کرتی تھیں میں آپ سے چھوٹا ہوں اس لئے آپ کو ہمیشہ بڑی ہمشیرہ سمجھوں گا اور عزت کروں گا اس کے ساتھ آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ نے چھوٹے شہزادے ابوالقاسم کی خلافت کی تحریک فرمائی تو امور سلطنت ہمیشہ آپ کی رائے اور مرضی سے انجام پایا کریں گے“۔

شہزادی نے مزید تقویت کے لئے کہا۔

”کیا میرے چھوٹے بھائی فضل بن بدر اپنے قول کے لئے قسم کھا سکتے ہیں“۔

”سانچ کو آنچ نہیں شہزادی عالیہ“ فضل بن بدر نے بڑے استقلال سے کہا ”میں قسم کھاتا ہوں کہ اپنے قول پر ہمیشہ قائم رہوں گا“۔

”اور میں قسم کھاتی ہوں کہ شہزادہ نزار کے بجائے شہزادہ ابوالقاسم کے لئے خلافت کی تحریک کروں گی اور اس سلسلہ میں فضل بن بدر جو قدم اٹھانے کی کہیں گے اس سے گریز نہیں کروں گی“۔

اس عہد و پیمان کے بعد شہزادی نے اسی شام قاضی اور داعی کو اپنے محل میں آنے کی دعوت دی فاطمی خلافت میں قاضی اور داعی کے دو مذہبی عہدے بڑے اہم اور قابل احترام سمجھے جاتے تھے حکومت کے تمام اہم معاملات میں ان سے مشورہ کیا جاتا تھا قاضی تو شہر میں ہوتے ہی تھے مگر داعی کا عہدہ صرف فاطمی خلافت کی اختراع تھی داعی کے معنی دعوت دینے والا یعنی داعی کا کام لوگوں کو فاطمی مذہب اور خلافت سے آگاہ کرنا اور ان میں دینی شعور پیدا کرنا ہوتا تھا۔

قاضی اور داعی شہزادی کے محل میں پہنچے تو وہاں مصر کا سپہ سالار اور وزیراعظم فضل بن بدر جمالی بھی موجود تھا خلافت اور امارت کے یہی تین ستون تھے جس بات پر یہ تینوں متفق ہو جائیں اس بات کو خلیفہ کو بھی ماننا پڑتا تھا قاضی اور داعی شہزادی کے محل میں وزیراعظم کو دیکھ کر ہی سمجھ گئے تھے کہ مسئلہ ضرور خلافت کا ہے انہیں یہ بھی گمان ہوا تھا کہ وزیراعظم فضل بن بدر جمالی، شہزادہ نزار کو خلیفہ نہیں بنانا چاہتا ہے یہی وجہ تھی کہ نزار کے ولی عہد مقرر ہو جانے کے بعد بھی اسے خلافت نہیں دی جا رہی تھی۔

سلام و دعا اور ایک دوسرے کی خیریت دریافت کرنے کے بعد فاطمی شہزادی نے بڑی اعتماد کے ساتھ حاضرین (حاضرین صرف قاضی' داعی' اور فضل بن بدر تھے) کو مخاطب کیا۔

"بابا خلیفہ مرحوم نے اگرچہ شہزادہ نزار کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا میں نہیں کہہ سکتی کہ بابا خلیفہ کو اس انتخاب میں کیا مصلحت تھی اس لئے کہ شہزادہ نزار نہ تو سب سے بڑا بیٹا ہے اور نہ سب سے چھوٹا بلکہ وہ منجھلا شہزادہ ہے بہرحال اس بات سے قطع نظر میں شہزادوں کی بڑی بہن ہونے کی وجہ سے تمام شہزادوں کی عادت و اطوار سے اچھی طرح واقف ہوں اس لئے میں شہزادہ نزار کی ولی عہدی منسوخ کر کے سب سے چھوٹے شہزادہ ابوالقاسم کی خلافت کی تحریک کرتی ہوں اور اس کی عدم موجودگی میں اس کی بیعت کرتی ہوں"۔

یہ کہہ کر شہزادی نے اپنے بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ کر بوسہ دیا گویا اس نے شہزادہ ابوالقاسم کی بیعت کی۔

وزیراعظم فضل بن بدر' قاضی اور داعی نہایت تحمل اور خاموشی سے شہزادی کی تقریر سن رہے تھے انہوں نے شہزادی کو ابوالقاسم کی بیعت کرتے بھی دیکھا لیکن وہ بالکل خاموش رہے۔

شہزادی اس معاملہ کو جلد سے جلد طے کر دینا چاہتی تھی اس لئے اس نے انہیں ٹٹولا۔

"قاضی محترم۔ آپ کو میری بات سے اتفاق ہے یا انکار' بے تکلف فرمایئے۔

"

شہزادی کا لہجہ بہت مضبوط بلکہ بڑی حد تک کرخت بھی تھا قاضی نے داعی کی طرف دیکھا۔

"آپ کی کیا رائے ہے داعی محترم! قاضی نے اپنے سر آتی ہوئی بلا کا رخ داعی کی طرف پھیر دیا۔

داعی ان سے زیادہ چالاک تھا اس نے الفاظ تولتے ہوئے کہا۔

"سلطنت اور خلافت مصر کے مرد آہن وزیراعظم فضل بن بدر جمالی ہیں تمام زمہ داریاں ان کے سپرد ہیں ہم اپنی رائے کا حق فضل بن بدر جمالی کو دیتے ہیں ان کا اقرار و انکار ہمارا اقرار و انکار ہو گا"۔

"بالکل ٹھیک فرمایا آپ نے اے داعی سلطنت فاطمیہ قاضی نے فوراً" اس کی تائید کی اس معاملہ میں سپہ سالار اور وزیراعظم فضل بن بدر جمالی سے بہتر کوئی اور رائے نہیں دے سکتا"۔

فضل بن بدر جمالی اپنی کامیابی کے لئے پہلے ہی سے پر امید تھا اس نے فیصلہ کیا تھا کہ اگر قاضی یا داعی میں سے کسی ایک نے ابوالقاسم کی خلافت کی مخالفت کی تو وہ ایک طرف تو نزار کو تہہ تیغ کرادے گا اور مخالفت کرنے والے کو ملک بدر کر دے گا اب چونکہ بات براہ راست اس پر ہی آگئی تھی اور اسے اگر اپنے یقین میں کچھ شبہ بھی تھا تو قاضی اور داعی کے اعلان کے بعد اس کا بھی خاتمہ ہو گیا تھا۔

فضل بن بدر جمالی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دونوں بزرگان دین و دنیا نے جب تمام زمہ داری مجھ پر ڈال دی ہے تو میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ خلیفہ محترم کے بعد میں حضرت عالیہ شہزادی صاحبہ کو سب بھائیوں سے زیادہ محترم اور پر خلوص سمجھتا ہوں اس لئے میں اپنی رائے کو شہزادی عالیہ کی رائے کے تابع کرتے ہوئے شہزادہ ابوالقاسم کی خلافت کو تسلیم کرتا ہوں"۔

شہزادی کا چہرہ کھل اٹھا اس نے فوراً" اپنا دایاں ہاتھ فضل بن بدر جمالی کی طرف دراز کرتے ہوئے کہا۔

"تو پھر اے وزیراعظم اور امیرالجیوش سلطنت فاطمیہ آگے بڑھو اور میرے ہاتھ پر میرے پیارے بھائی ابوالقاسم کے لئے بیعت کرو"۔

فضل نے فوراً" شہزادی کے ہاتھ پر اپنا دایاں ہاتھ رکھا اور اپنے ہی ہاتھ کو بوسہ دیا۔

"شہزادہ ابوالقاسم بن مستنصر باللہ کی خلافت اور امارت پر بیعت کرتے ہوئے اعلان کرتا ہوں کہ میں یعنی فضل بن بدر جمالی شہزادی عالیہ اور خلیفہ ابوالقاسم کا

ہمیشہ وفادار رہوں گا"۔

قاضی اور داعی نے بھی اس انداز سے شہزادگی کے ہاتھ پر خلیفہ ابوا
کی بیعت کی پھر وزیراعظم نے اعلان کیا۔

"شہزادی عالیہ اور سلطنت فاطمیہ مصر کے تین ارکان یعنی قاضی محترم، دا
محترم اور میں یعنی وزیراعظم اور امیرالجیوش لشکر مصر نے متفقہ طور پر شہزا
ابوالقاسم بن مستنصر باللہ کی علامتی بیعت کر لی ہے آج شام کو تمام اراکین سلطن
و خلافت دربار خاص میں جمع ہو کر شہزادہ ابوالقاسم کی بیعت اور دستاربندی کر
انہیں تخت خلافت پر متمکن کریں گے"۔

پھر فضل بن بدر جمالی نے حاجب کو بلا کر حکم دیا۔

"شہزادہ نزار کے محل کو گھیرے میں لے کر پہرہ لگا دیا جائے اس کا
مطلب نہیں شہزادے قید یا حراست میں ہیں انہیں کسی سے ملنے یا کہیں آ
جانے کی پوری آزادی ہے صرف ان کی حرکات و سکنات پر نظر رکھی جائے"۔

جس دن خلیفہ مستنصر کا انتقال ہوا تھا شہزادہ نزار کے کانوں میں اس
بھنک پڑ گئی تھی کہ وزیراعظم فضل بن بدر جمالی اس کے خلیفہ ہونے کے حق میں
نہیں ہے اور فضل اب پہلے جیسا فضل نہ تھا جسے شہزادے بڑی حقارت سے ڈانٹا
تھا۔

"او۔ ارمنی نجس اتر خچر سے"۔

بلکہ فضل بن بدر جمالی اب امیرالجیوش مصر اور وزیراعظم خلافت فاطمیہ مص
تھا اس کے ایک اشارے پر شہزادہ نزار کا جسم ٹکڑے ٹکڑے کیا جا سکتا تھا خلیف
کی وفات کے بعد کی پہلی رات اس نے ٹہل ٹہل کے گزاری تھی وہ چونک چونک
کے کھڑا ہو جاتا اور خوفزدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگتا تھا اس کے بعد کی تین
راتوں میں اس کی یہی کیفیت رہی پھر جب اس کے بھائی شہزادہ ابوالقاسم کے خلیف
ہونے کا اعلان ہوا تو رہی سہی تمام امیدیں خاک میں مل کے رہ گئیں۔

شہزادہ نزار دیکھ رہا تھا کہ اس کے محل کے گرد فوجی پہرہ دے رہے ہیں
مگر اس کے آنے جانے پر کوئی پابندی نہیں مصر کا تخت تو اس کے ہاتھ سے نکل
ہی چکا تھا پھر وہ وہاں رہ کے کیا کرے گا چنانچہ ایک شب شہزادہ نزار قاہرہ سے بڑی
ہی خاموشی سے نکلا اور سکندریہ کی راہ لی جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ شہزادے
نزار کی محل سے باہر جانے آنے پر کوئی پابندی نہ تھی اس لئے اس کے غائب
ہونے کی اطلاع وزیراعظم کو اس کے جانے کے دوسرے دن موصول ہوئی۔

وزیراعظم فضل بن بدر جمالی شہزادے نزار کو قتل نہیں کرنا چاہتا تھا اسی
لئے اس نے اس کے فرار پر کسی قسم کے رد عمل کا اظہار نہیں کیا اور صرف
مسکرا کر رہ گیا مگر دوسرے ہی ہفتہ اسے اطلاع ملی کہ شہزادہ نزار نے اسکندریہ پہنچ
کر خلافت کا اعلان کر دیا۔

یہ اس طرح ہوا کہ جب شہزادہ نزار قاہرہ سے اسکندرہ پہنچا تو اسکندریہ کے
والی (گورنر) نے اسے خوش آمدید کہا اسکندریہ کا گورنر نصیرالدولہ افنگین تھا افنگین
دراصل مرحوم بدر جمالی کا غلام تھا مگر اسے فضل بن بدر جمالی سے نفرت تھی اسی
لئے اس نے شہزادہ نزار کا استقبال کیا اور المصطفیٰ الدین اللہ کے لقب سے اس کی
خلافت کا اعلان کرا دیا۔

اس خبر کو سن کر وزیراعظم مصر فضل بن بدر جمالی کے تن بدن میں آگ
لگ گئی اور اس نے ایک زبردست فوج کے ساتھ اسکندریہ پر چڑھائی کر دی نزار کی
طرف سے افنگین نے فضل کا مقابلہ کیا اور یہ مقابلہ اتنا سخت تھا کہ فضل بن بدر
جمالی اسکندریہ پر قبضہ نہ کر سکا اور اسے ناکام مراد واپس جانا پڑا۔

اسکندریہ کے گورنر افنگین کی بغاوت اور وہاں نزار کی خلافت فضل بن بدر
جمالی کے لئے درد سر بن کے رہ گئی تھی یہ بھی خیال تھا کہ اگر اسکندریہ پر جلد
قبضہ کر کے نزار کی خلافت کا خاتمہ نہ کیا گیا تو دوسرے گورنر بھی بغاوت کر سکتے
ہیں فضل بن بدر جمالی کو اگرچہ شکست نہ ہوئی تھی لیکن میدان سے پسپائی یا کسی
مقام کے محاصرہ سے ہاتھ اٹھا لینا بھی تو شکست ہی کے مترادف ہوتا ہے فضل باپ
ہی طرح بڑا بہادر اور حوصلہ مند جوان تھا وہ اس پسپائی سے ذرا بھی ہراساں نہ
ہوا۔

قاہرہ پہنچ کے فضل بن بدر جمالی نے اسکندریہ سے واپس آنے والی فوج کو

فیصل شہر سے دور ہی ٹھہرایا اور خود تنہا شہر میں داخل ہوا قاضی شہر اور داعی ال سے ملاقات کے لئے گئے تو فضل نے انہیں یہ بتایا کہ اسکندریہ کا محاصرہ طول کھینچ رہا ہے اس لئے مزید کمک کی ضرورت ہے اور وہ تازہ دم فوج لینے آیا ہے شہزادی عالیہ اور خلیفہ ابوالقاسم کو بھی فضل نے یہی بات بتائی۔

قاہرہ میں فضل بن بدر جمالی صرف ایک دن ٹھہرا اس دن میں اس نے اتنی ہی فوج اور جمع کر لی جتنی فوج وہ پہلے اپنے ساتھ لے گیا تھا اس طرح جب وہ دوبارہ اسکندریہ کی طرف روانہ ہوا تو اس کی فوج کی تعداد تقریباً دوگنا ہو چکی تھی ادھر افتگین اور نزار کے حوصلے بلند ہو گئے تھے انہوں نے اپنے طور پر سمجھ لیا تھا کہ فضل بن بدر جمالی اسکندریہ سے شکست کھا کر بھاگا ہے اب ان کے درمیان یہ کھچڑی پک رہی تھی کہ اسکندریہ کی فوجوں کی تعداد بڑھائی جائے پھر پوری تیاری کے ساتھ قاہرہ کی طرف کوچ کیا جائے۔

افتگین اور نزار ابھی سکیمیں بنانے ہی میں مصروف تھے کہ اسکندریہ کے سرحدی محافظوں نے خبر بھجوائی کہ ایک بڑا لشکر اسکندریہ کی طرف آ رہا ہے اور امکان یہی ہے یہ لشکر وزیراعظم بدر جمالی کا ہے یہ خبر لے کر ایک سرحدی سوار آیا تھا یہ لوگ اس مسئلہ پر غور کر ہی رہے تھے کہ سرحد سے دوسرا سوار آگیا اور اس نے اطلاع دی کہ وزیراعظم فضل بن بدر جمالی پہلے سے دوگنا لشکر لے کر اسکندریہ آرہا ہے اس اطلاع سے افتگین کی فوجوں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔

افتگین نے قلعہ اسکندریہ کے تمام دروازے بند کرا دیئے اور فصیلوں پر منجنیقیں لگا دیں تیر انداز دستوں کو بھی پوری فصیل اور برجیوں پر تعینات کر دیا گیا فضل بن بدر جمالی پورے لاؤ لشکر کے ساتھ اسکندریہ پہنچا وہ غصہ اور انتقامی جذبے سے اس قدر مغلوب ہو رہا تھا کہ لشکر کو ایک دو دن آرام دینے کی بجائے اس نے فوراً" قلعہ پر عام حملہ کا حکم دیدیا۔

فضل بن بدر جمالی کا یہ حملہ اس قدر زبردست تھا کہ اس کے لشکر نے دیکھتے ہی دیکھتے اسکندریہ کے تمام دفاعی انتظامات درہم برہم کر کے رکھ دیئے اس کے لشکری سیڑھیاں اٹھائے' بھاگتے ہوئے فصیل تک پہنچ گئے اوپر تیروں کی بارش ہو رہی تھی اور گرم تیل انڈیلا جا رہا تھا مگر فضل کے لشکری جان کی بازی لگاتے ہوئے فصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے اس کوشش میں فضل کی فوج کا کافی جانی نقصان ہوا مگر میدان جنگ میں بلکہ ہر جنگ میں انسان کچھ کھو کر ہی فائدہ حاصل کرتا ہے۔

"فصیل پر چڑھنے والے بہادر قلعہ کے اندر اتر گئے اور مارتے کاٹتے صدر دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے صدر دروازہ کھلنا تھا کہ فضل بن بدر جمالی معہ اپنے لشکر کے قلعہ میں داخل ہوگیا اور دشمن کا قتل عام شروع کر دیا جنگ کا یہ رنگ دیکھ کر افتگین نے ہتھیار ڈال دیئے قاہرہ کی فوجوں نے افتگین اور نزار کو گرفتار کر کے فضل بن بدر جمالی کے سامنے پیش کیا۔

افتگین اور نزار نے فضل بن بدر جمالی سے امان کی درخواست کی اس درخواست کے جواب میں فضل بن بدر جمالی نے نزار اور افتگین دونوں کو زندہ دیواروں کے درمیان میں چنوا دیا ایک تاریخی روایت یہ بھی ہے کہ فضل بن بدر جمالی ان دونوں کو اپنے ساتھ قاہرہ لے گیا جب انہیں خلیفہ ابوالقاسم جس کا لقب مستعلی باللہ تھا تو خلیفہ نے ان دونوں کو قید حیات سے ہمیشہ کے لئے نجات دلا دی اس طرح نزار کا خاتمہ ہوا مگر ایک فرقہ آج تک نزار کو امام تسلیم کرتا ہے اور خود کو"نزاریہ" کہلواتا ہے۔

ولی عہد شہزادہ نزار بن مستنصر باللہ کا یہ واقعہ ناول کا تسلسل برقرار رکھنے کے لئے بیان کیا تھا حالانکہ اس کا براہ راست کوئی تعلق حسن بن صباح سے نہ تھا آیئے ہم ایک بار پھر حسن بن صباح کی طرف لئے چلتے ہیں وزیراعظم مصر بدر جمالی کے تاکیدی حکم کے تحت فرنگیوں نے حسن بن صباح کو جہاز تک سخت پہرے میں پہنچایا اور وہاں بھی اس پر دو پہریدار بٹھائے کہ وہ راستہ میں کہیں اتر کے غائب نہ ہو جائے حسن بن صباح نے بھی کچھ عجیب طرح کی قسمت پائی تھی وہ اپنی کوشش سے سلجوق دربار میں پہنچا اس کے دوست نظام الملک طوسی نے اسے سلطان ملک شاہ کا حاجب مقرر کر دیا مگر بدطینت حسن بن صباح نے نظام الملک کی ٹانگ کھینچنے کی کوشش کی جس کی پاداش میں اسے ذلیل کر کے دربار سے نکالا گیا مگر فوراً قسمت نے اس کا ہاتھ دوبارہ پکڑ لیا اور وہ کچھ ہی دنوں بعد مصر پہنچ کے فاطمی خلیفہ مستنصر کی ناک کا بال بن گیا۔

یہاں بھی اس کی تقدیر نے پھر پلٹا کھایا اس نے وزیراعظم بدر جمالی کے خلاف خلیفہ کے کان بھرنا شروع کر دیئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بدر جمالی نے اسے فرنگیوں کے حوالے کر کے جہاز پر سوار کرا دیا اس طرح حسن بن صباح دوسری بار اپنے زوال سے دوچار ہوا حسن بن صباح اپنے دونوں پہریداروں کے درمیان عرشہ پر بیٹھا پتہ نہیں اپنی قسمت کو کوس رہا تھا اور مستقبل کے منصوبے بنا رہا تھا جہاز بڑی تیز رفتاری سے شمال کی طرف بڑھ رہا تھا کہ یکایک شور بلند ہوا۔

"طوفان آگیا ہے"۔

"جہاز گرداب میں پھنس گیا ہے"۔

"طوفان تیز ہوتا جارہا ہے"۔

ان آوازوں کے ساتھ ہی جہاز کے مسافروں میں کہرام مچ گیا لوگ اوپر سے نیچے' نیچے سے اوپر اپنی جان بچانے کی خاطر بھاگنے لگے عجب بدحواسی کا عالم تھا ماں کو بیٹے اور بیٹے کو ماں کی خبر نہ تھی ہر طرف نفسی نفسی کا عالم تھا حسن بن صباح کے دونوں پہریدار اسے چھوڑ کے نہ جانے کدھر بھاگ گئے تھے اور حسن بن صباح اپنی جگہ پر یوں جما بیٹھا تھا جیسے اسے کیلوں سے جڑ دیا گیا ہو مردوں عورتوں بچوں بوڑھوں کی دعاؤں' دہائیوں' واویلا اور چیخ پکار کی آوازوں سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی مگر حسن بن صباح اپنی جگہ خاموش جما بیٹھا تھا۔

اسی بدحواسی کے عالم میں ایک لڑکی چیختی چلاتی سامنے سے آتی دکھائی دی وہ ہر بھاگنے والے کا ہاتھ پکڑتی اور کہتی۔

"اے بھائی تم نے میری ماں کو دیکھا ہے"۔

"مگر اس کو کون سنتا جس کا ہاتھ پکڑتی وہ جھٹکا دے کر ہاتھ چھڑاتا اور اپنے کسی گمے ہوئے عزیز کو ڈھونڈنے بھاگ پڑتا جہاز طوفانی لہروں میں یوں ہچکولے کھا رہا تھا جیسے خشک پتہ بہتے ہوئے پانی پر ڈولتا ہے کبھی دائیں' کبھی بائیں کبھی اوپر کبھی نیچے جہاز کے ہر جھٹکے پر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے جہاز اب ڈوبا اور اب ڈوبا

بھاگتی ہوئی لڑکی حسن بن صباح کے پاس سے گزری تو حسن کو اس طرح اطمینان سے بیٹھا دیکھ کر ٹھٹکی پر دو قدم اس کی طرف بڑھ کے بولی۔

"اے بھائی۔ اے میاں جی اے ولی جی"۔

"کچھ نہیں ہو گا تیری ماں کو چپ ہو کے بیٹھ جا حسن بن صباح نے اسے بڑے رعب دار لہجے میں تسلی دی۔

لڑکی کی بڑی بڑی آنکھیں پھیل گئیں شاید وہ سوچ رہی تھی کہ اس نے تو ابھی ماں کا نام بھی نہیں لیا اور یہ بھائی اسے تسلی دے رہا ہے۔

لڑکی حسن کی طرف کچھ اور بڑھ آئی۔

"میاں جی میری ماں کو کچھ نہیں ہو گا وہ مل جائے گی مجھے؟ لڑکی ممیائی۔"

"ہاں مل جائے گی۔" حسن بن صباح نے لڑکی کی موہنی صورت کو نظر بھر کے دیکھا۔

"بس دو گھڑی کا خطرہ ہے پھر"۔

"پھر کیا ہو گا میاں جی؟" لڑکی اور حسن بن صباح کا درمیانی فاصلہ صرف چند قدم کا رہ گیا۔'

"پھر وہی ہو گا جو میرے اللہ نے مجھے بتایا ہے" حسن بن صباح نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

"میرے اللہ نے مجھے بتایا ہے کہ جہاز نہیں ڈوبے گا طوفان تھم جائے گا تیری ماں یہاں آجائے گی۔"

جہاز پر وہی کہرام اور واویلا تھا لوگوں کی اوپر نیچے بھاگ دوڑ تھی کئی جوان اور بوڑھے جاتے جاتے لڑکی کے پاس رک گئے تھے لڑکی حسن بن صباح کے سامنے دوزانوں ہو کے بیٹھ چکی تھی اور اس کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھے ہوئے تھے۔

ایک جوان نے اپنے ساتھی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔

"چل یار۔ کس شیطان کے پاس کھڑا ہو گیا لوگوں کو جان کی پڑی ہے اور یہ اس گھڑی بھی جوان لونڈیا سے عشق لڑا رہا ہے"۔

ساتھی نے غصہ سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"چپ ہو کے کھڑا رہ۔ یہ شیطان نہیں کوئی پہنچا ہوا بزرگ ہے دیکھتا نہیں کیسے اطمینان سے بیٹھا ہے"۔

حسن آنکھیں بند کئے ہوئے تھا مگر اس کے کان کھلے تھے اس کے کانوں میں یہ آواز پڑی تو فورا" بولا۔

"تو بھی اطمینان سے بیٹھ جا میرے خدا نے جو کہا ہے وہ پورا ہو گا"۔

پہلے والا منچلا جوان بپھر پڑا۔

"خدا تجھے غارت کرے تیرے ہی جیسے بدکاروں اور بد اندیشوں کے جہاز پر سوار ہونے سے تو یہ طوفان آیا ہے"۔

"مگر میرے نزدیک تو اندیشے کی کوئی بات نہیں" حسن بن صباح نے کمال سکون اور اطمینان سے کہا" میرے خدا نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ ہم نہیں ڈوبیں گے"۔

ان دونوں جوان دوستوں میں تو تو میں میں شروع ہو گئی ادھر خدا کی شان دیکھئے کہ سمندر کی کان پھاڑتی ہواؤں کے جھکڑوں میں کمی ہونا شروع ہو گئی بیتاب لہروں میں سکون پیدا ہونے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہچکولے کھاتا اور ڈولتا ہوا جہاز ایک جگہ تھم کے کھڑا ہو گیا پھر نہ جانے کدھر سے ایک ادھیڑ عمر عورت بھاگتی ہوئی آئی اور حسن بن صباح کے سامنے بت بنی لڑکی کو دیکھ کے چیخی۔

"اری زہرہ تو یہاں بیٹھی ہے دیکھتی نہیں اللہ نے ہمیں بچا لیا طوفان تھم گیا ہے"۔

لڑکی نے آنکھیں کھول کے ماں کو دیکھا اور عقیدت سے پر لہجے میں بولی۔

"ماں۔ میرے پاس بیٹھو اور اس ولی اللہ کو دیکھو"۔

اس کی ماں نے حسن بن صباح کے چہرے پر نظر ڈالی حسن کی آنکھیں اس وقت بھی بند تھیں مگر کان بند نہ تھے وہ گوش ہوش کھولے سب کچھ سن رہا تھا اور اپنے منصوبے کو کامیاب ہوتا دیکھ کر دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔

لڑکی ماں سے چپکے چپکے کہہ رہی تھی۔

"ماں۔ اس جہاز کو تو ڈوب جانا تھا مگر اس پر تو ولی اللہ سوار تھے انہوں نے مجھ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ جہاز کو کچھ نہ ہو گا تیری ماں یہیں آجائے گی"۔

"ہاں۔ میں نے کہا تھا" حسن بن صباح نے گرجتے ہوئے کہا" میں نے کہا تھا کہ میرے خدا نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ ہم نہیں ڈوبیں گے میرا خدا اپنا کیا ہوا وعدہ ہمیشہ پورا کرتا ہے اس نے میری دعا سنی اور طوفان کا [illegible]

پھر تو یہ حال ہوا کہ پہلے حسن بن صباح کے سامنے زہرہ کی ماں سجدے میں گری پھر زہرہ اور اس کے بعد جو آتا وہ "بادشاہ صاحب۔ یا ولی اللہ" کا نعرہ لگاتا اور حسن بن صباح کے سامنے سر بسجود ہو جاتا ماننا پڑتا ہے کہ اللہ بالکل بے نیاز ہے اس کی مصلحتوں کو کوئی نہیں سمجھ سکتا وزیراعظم مصر بدر جمالی نے حسن بن صباح کو پکڑوا کے ایک فرنگی جہاز پر سوار کرا دیا تھا مگر اس کی یہ سزا حسن بن صباح کے حق میں دعا ہو گئی۔

ذرا دیر میں یہ حالت ہو گئی کہ جہاز کا پورا عملہ معہ کپتان کے حسن بن صباح کے آگے سجدے میں پڑا تھا اور دو پہریداروں کی حفاظت میں قید حسن بن صباح ایک بڑے ولی اللہ اور امام وقت کی صورت میں ان کے سامنے کھڑا تھا اس کے محافظ اور پہریدار بھی اس مجمع میں موجود تھے مگر وہ سامنے کیسے آتے ان کا قیدی تو اب جہاز کا مالک بن گیا تھا جہاز کے ایک معمولی سیلر سے لے کر کپتان تک حسن بن صباح کے مرید ہو چکے تھے۔

یہ بیان کیا چکا ہے کہ مصر میں خلیفہ مستنصر کی وفات پر اس کے ولی عہد نزار کو تخت و تاج نہیں دیا گیا بلکہ فضل بن بدر جمالی اور نزار کی بہن کی ملی بھگت سے نزار کے بجائے مستنصر کے چھوٹے بیٹے ابوالقاسم کو فاطمی امام اور خلیفہ بنا دیا گیا ایک بیان یہ بھی کہ اس سازش میں فضل بن بدر جمالی کے ساتھ نزار کی بہن نہیں بلکہ خلیفہ مستنصر کی بہن شریک تھی مگر حسن بن صباح نے نزار کو اپنا امام تسلیم کیا تھا چنانچہ اس نے ابوالقاسم کو کبھی خلیفہ یا امام نہیں مانا بلکہ نزار کو امام مانتا رہا یہاں تک کہ اس نے جب اپنی جماعت بنائی تو اس کا نام نزاریہ رکھا بہرحال یہ ایک تاریخی اختلاف ہے اور ہر مورخ اپنی بات پر زور دیتا ہے۔

اس جملہ معترضہ کے بعد ہم پھر حسن بن صباح پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ جہاز میں بادشاہ کی طرح سفر کرتا دکھائی دیتا ہے اس کے ولی اور قطب ہونے پر سب سے پہلے زہرہ اور اس کی ماں ایمان لائی تھی پس حسن بن صباح نے ان دونوں کو اپنا "مرید خاص" بنا لیا تھا اور جہاز کے جس کمرے (کیبن) میں وہ سفر کر رہا تھا اس کے برابر والا کیبن اس نے زہرہ اور اس کی ماں کو دلوا دیا تھا زہرہ کا کمرہ تو بس برائے نام ہی تھا وہ دونوں اپنے کمرے میں رہنے کی بجائے دن بھر اور رات کے بیشتر حصہ تک حسن بن صباح کے کمرے ہی میں رہتی تھیں وہیں اٹھنا بیٹھنا' ناشتہ' کھانا سب کچھ حسن بن صباح کے ساتھ ہوتا تھا زہرہ کی چالاک ماں نے لوگوں میں مشہور کر دیا تھا کہ شاہ صاحب نے زہرہ کو اپنی بیٹی بنا لیا ہے حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ حسن بن صباح نے اپنی آنکھوں کی طلسماتی قوت سے ماں بیٹی دونوں کو اپنا غلام بنا لیا تھا۔

زہرہ ایک خوبصورت دوشیزہ تھی اور خوبصورتی حسن بن صباح کی کمزوری تھی اسے قدرت نے طلسمی آنکھیں دی تھیں جن کے ذریعہ وہ سامنے والے کو مسحور کر کے اپنا مرید بنا لیا کرتا تھا زہرہ سے پہلے بھی اس کی کئی دوشیزاؤں پر اپنا طلسماتی اثر کیا تھا اور وہ اس کا دم بھرنے لگی تھیں حسن بن صباح نے اپنا یہ معمول بنا رکھا تھا کہ جب وہ کسی لڑکی پر طلسماتی اثر کرتا (ظاہر ہے کہ وہ لڑکی خوبصورت ہوتی تھی) تو اس کا نام وپتہ اپنی نوٹ بک میں لکھ لیتا تھا پھر اس سے رخصت ہوتے وقت حسن بن صباح اس لڑکی کو تسلی دیتا اور وعدہ کرتا کہ وہ جب بھی کسی جگہ مستقل سکونت اختیار کرے گا تو اسے اپنے پاس بلوائے گا۔

اس طرح حسن بن صباح نے کئی لڑکیوں کے نام اور پتے اپنے پاس محفوظ کر لئے تھے یہ کام وہ خواہ مخواہ نہ کرتا تھا بلکہ اس نے اپنی آئندہ زندگی میں ان ناموں سے بہت کام لئے جیسا کہ آئندہ صفحات میں تحریر کیا جائے گا چنانچہ جب اس نے بحر روم کے مشرقی ساحل کی ایک بندر گاہ پر اترنے کا ارادہ ظاہر کیا تو زہرہ اور اس کی ماں اس کے سر ہو گئیں کہ وہ اس کے ساتھ رہیں گی حسن بن صبا کا اس وقت تک کوئی پتہ ٹھکانہ نہ تھا اس لئے اس نے زہرہ کا نام و پتہ اپنی ڈائری میں درج کر لیا اور اسے یقین دلایا کہ حالات درست ہوتے وہ انہیں طلب کرے گا۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر حسن بن صباح نے جہاز کے نہ

ڈوبنے کی پیش گوئی اس قدر اعتماد اور یقین کے ساتھ کیسے کی حسن بن صباح کے متعلق یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ ذہانت میں ایک غیر معمولی دماغ کا مالک تھا اور منصوبہ بندی کا ماہر تھا مگر اس کی قیافہ شناسی' انجم شناسی یا پیش گوئی کے متعلق کسی قسم کا کوئی اور واقعہ نہیں ملتا یہ تو طے ہے کہ حسن بن صباح کو پیش گوئی سے تعلق نہ تھا اور نہ اسے کوئی ایسا استاد ملا تھا جس سے وہ یہ علم حاصل کرتا۔

پھر بھی مورخین نے اس کی پیش گوئی سے بحث کی ہے عام خیال یہی ہے کہ حسن بن صباح نے یہ پیش گوئی اس وجہ سے کی تھی کہ اس کی عقل رسا اور منصوبہ بندی کی طاقت نے سمجھایا کہ اگر وہ جہاز نہ ڈوبنے کی پیش گوئی کر دے تو اس میں اسے کسی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے اس لئے یہ کہا گیا ہے کہ حسن بن صباح نے یہ سوچا کہ اگر وہ جہاز کے نہ ڈوبنے کا اعلان کر دے تو اس افراتفری کے عالم میں اس سے کوئی بحث نہیں کرے گا زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ لوگ پاگل اور سرپھرا سمجھ کے اپنی چیخ و پکار میں مصروف رہیں گے۔

مگر دوسری صورت میں یعنی اگر اس کی یہ پیش گوئی سچ ثابت ہو گئی جیسا کہ اکثر طوفانوں میں ہوا کرتا ہے تو پھر حسن بن صباح کی چاندی ہی چاندی ہو گی لوگ اسے پیر' قطب' امام یا گروہ پیغمبری کا دعوی بھی کر بیٹھے تو لوگ اس پر ایمان لے آئیں گے اور اگر جہاز ڈوب گیا جس کا زیادہ امکان ہے تو نہ وہ خود ہو گا اور نہ کوئی اس سے پوچھنے والا ہی ہو گا چنانچہ خدا کی قدرت سے جہاز محفوظ رہا اور حسن بن صباح کو لوگوں نے امام تسلیم کر لیا۔

بالکل اسی طرح کا ایک واقعہ ہمیں سلطان محمود غزنوی کے عہد حکومت میں نظر آتا ہے اور زمانہ بھی تقریباً" یہی تھا سلطان محمود کے دور میں یہ ہوا کہ ایک بار سلطان نے شمال میں فوج کشی کا ارادہ کیا اس کے دربار میں البیرونی جو منجم بھی تھا موجود تھا سلطان نے البیرونی سے پوچھا کے اپنے علم سے بتاؤ کہ میرا شمال کا حملہ کامیاب ہو گا کہ ناکام۔

نجومی کا جواب سعد یا نحس میں ہوتا ہے سعد کے معنی مبارک اور نحس کے معنی منحوس یا ناکام چنانچہ البرونی نے زائچہ بنا کر حساب لگایا تو اس میں نحس یعنی منحوس اور ناکام نکلا البیرونی نے ادب سے عرض کیا کہ اس کا علم اس حملہ کو منحوس بتاتا ہے سلطان محمود نے حملہ کا خیال فسخ کر دیا دو چار ماہ کے بعد اس نے پھر البیرونی سے پوچھا کہ اب تمہارا علم کیا کہتا ہے البیرونی نے حساب لگا کے بتایا کہ اس کے علم کے مطابق اس وقت یہ حملہ نحس ثابت ہو گا سلطان نے اپنا ارادہ پھر منسوخ کر لیا۔

اس طرح سلطان نے چار بار حملہ کا ارادہ کیا اور البیرونی کے حساب کے مطابق چاروں بار "نحس" نکلا اور سلطان کو اپنا ارادہ بدلنا پڑا سلطان محمود کی طبیعت میں چڑ چڑا پن پیدا ہو گیا وہ حملہ کرنے کے لئے بے چین تھا مگر البیرونی کا زائچہ اس کے حملہ کو نحس اور ناکام بتا رہا تھا سلطان اس سلسلہ میں بہت ضعیف الاعتقاد تھا اور زائچہ کے خلاف قدم نہ اٹھا سکتا تھا اس لئے وہ ہر بار منہ بنا کر رہ جاتا۔

یہ خبر غزنی بلکہ پورے افغانستان میں پھیل گئی کہ سلطان شمال پر حملہ کرنا چاہتا ہے اور شاہی نجومی اسے روک رہا ہے اس وقت شہر میں ایک اور نام کا نجومی بھی تھا جو الٹی سیدھی پیش گوئیاں کر کے اپنا پیٹ پالتا تھا اس نے یہ بات سنی تو اپنے شاگردوں کے ذریعہ سلطان تک یہ بات پہنچائی کہ اسے بھی پیش گوئی کا موقع دیا جائے۔

اس برائے نام نجومی کا ایک شاگرد سلطان کے وزیراعظم تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اس وزیر سے عرض کیا کہ اس کا استاد بہت بڑا منجم اور پیش گو ہے وہ چاہتا ہے کہ سلطان اسے پیش گوئی کرنے کا موقع عطاء کریں وزیر' البیرونی کے بار بار کے نحس نحس انکار سے جلا ہوا تھا چنانچہ اس نے سلطان سے دوسرے نجومی کا ذکر کیا سلطان نے اس نجومی کو فوراً" طلب کیا اور اسے پیش گوئی کرنے کا حکم دیا۔

اس نام نہاد نجومی نے زائچہ تیار کیا اور حساب لگا کر سلطان سے عرض کیا

کہ وہ شمال پر حملہ آوار ہوں انشاء اللہ کامیابی حاصل ہو گی سلطان حملہ کرنے کے لئے بے چین ہو رہا تھا اس نے اس نجومی کی پیش گوئی پر عمل کیا اور شمال پر فوراً حملہ کر دیا حملہ سے پہلے سلطان نے نجومی کو حراست میں دیدیا کہ اگر حملہ ناکام ہوا تو اسے قتل کر دیا جائے اور اگر کامیاب ہوا تو نجومی کو دربار میں حاضر کیا جائے تاکہ اسے انعام و کرام سے نوازا جائے۔

قدرت خداوندی دیکھئے کہ سلطان محمود نے شمال پر حملہ کیا اسے کامیابی حاصل ہوئی اور وہ کامیاب و کامران واپس آیا اس نے واپس آتے ہی پرانے نجومی البیرونی کو قید خانہ میں بھجوا دیا اور اس نام نہاد نجومی کو البیرونی کی جگہ "شاہی" نجومی کے عہدے پر فائز کر دیا۔

دوسری طرف البیرونی کے ہمدردوں کو اس بات پر بڑا افسوس ہوا انہوں نے قید خانہ میں البیرونی سے ملاقات کی اور اس سے مشورہ کیا کہ اسے قید سے کس طرح چھڑایا جاسکتا ہے اس واقعہ میں یہاں سے دو بیان ہو جاتے ہیں ایک بیان کے مطابق زیادہ قریب قیاس ہے وہ یہ کہ ایاز کا اس وقت سلطان محمود پر بہت اثر تھا وہ البیرونی کو پسند کرتا تھا اور اسے رہا بھی کرانا چاہتا تھا۔

پس ایاز نے البیرونی کے کہنے پر اس نام نہاد نجومی کے پیچھے اپنا ایک آدمی لگا دیا اس کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ نام نہاد نجومی سے وہ زائچہ معلوم کرے جس کی بناء پر اس نے سلطان کو شمال پر حملہ میں کامیابی کا یقین دلایا تھا کہتے ہیں کہ ایاز کے آدمی نے اس نام نہاد نجومی کی شاگردی اختیار کر لی نجومی اس وقت البیرونی کے محل پر قابض تھا اور ہر وقت شراب کے نشہ میں دھت رہتا تھا ایاز کے جاسوس نے نجومی کی شراب نوشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک دن اس سے پوچھا کہ وہ کونسا ایسا زائچہ تھا جس میں شمال پر حملہ میں کامیابی کا امکان تھا جبکہ البیرونی شمال پر حملہ کو بار بار نحس کہہ کر روک رہا تھا۔

نام نہاد نجومی نے شراب کے نشہ میں قہقہہ لگا کر اس پر یہ راز افشا کیا کہ اس کے زائچہ میں بھی سلطان کا شمال پر حملہ ناکام اور نحس آتا تھا مگر اس نے یہ سوچا کہ اگر میں اس حملہ کو سعد یعنی مبارک کہہ کر سلطان کو حملہ کے لئے بھیج دوں تو اس میں اس کا کوئی نقصان نہ ہوتا تھا اس لئے کہ فتح و شکست تو اللہ کے ہاتھ میں ہے اگر سلطان کو فتح ہوئی تو اس کے (نجومی کے) دن پھر جائیں گے اور اگر خدانخواستہ سلطان کو شکست ہوئی تو مارا جائے گا اور غزنی میں نئے سلطان کا جھگڑا کھڑا ہو جائے گا ایسے میں اسے کون پوچھے گا اس طرح وہ غزنی چھوڑ کر کسی طرف نکل جائے گا جاسوس نے یہ بات ایاز کو بتائی اور ایاز نے سلطان کو بتایا کہ جس نجومی کو اس نے البیرونی کی جگہ فائز کیا ہے وہ جھوٹا اور مکار ہے اس کے ثبوت کے لئے ایاز' سلطان کو نجومی کے محل میں لے گیا ایاز کے جاسوس نے منصوبہ کے مطابق نام نہاد نجومی کو خوب شراب پلا دی تھی اور وہ نشہ میں دھت ہو رہا تھا۔

اس وقت ایاز کے اشارہ پر جاسوس نے نجومی سے سوال کیا۔

"استاد یہ تو بتاؤ کہ وہ کونسا زائچہ تھا جس کے ذریعہ آپ نے شمال کے حملہ کو سعد کیا اور البیرونی اسے نحس بتاتا تھا"۔

نجومی نے پھر قہقہہ لگایا اور بولا۔

"تو بہت بھولا ہے میں نے تجھے پہلے بھی بتایا تھا کہ میرے زائچے میں بھی البیرونی کے زائچے کی طرح شمال پر حملہ "نحس" نکلا تھا مگر میں نے سلطان سے اس لئے "سعد" کہہ دیا کہ اگر میری قسمت سے سلطان کامیاب ہوا تو میرے "پو بارہ" ہو جائیں گے اور اگر سلطان کو شکست ہوئی تو وہ مارا جائے گا غزنی میں اودھم پڑ جائے گا اس وقت مجھے کون پوچھے گا میں کسی طرف جان بچا کے نکل جاؤں گا"۔

سلطان نے یہ بات سنی تو اسے غصہ آگیا اس نے فوراً البیرونی کو رہا کر کے اسے اس کی جگہ سرفراز کیا اور اس مکار نجومی کو کوڑے لگوا کر قید میں ڈال دیا حسن بن صباح اور سلطان محمود کے دربار میں پیش آنے والے دونوں واقعات درست ہیں کیونکہ تاریخ ان کی تصدیق کرتی ہے مگر ان دونوں میں کیا تعلق ہے اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا بہرحال یہ واقعہ محض قاری کی معلومات میں اضافہ کے

لئے تحریر کیا گیا ہے۔

حسن بن صباح جہاز پر سفر کرتا ہوا ایک روز بندرگاہ پر اترا یہ بحرروم کی ایک اور عیسائی ریاست تھی اتفاق سے ریاست کا والی اس وقت بندرگاہ پر موجود تھا اس نے دیکھا کہ ایک شخص جہاز سے اس شان سے اتر رہا ہے کہ اس کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے عقیدت مندوں کا ہجوم ہے لوگ اس پر نچھاور ہوئے جارہے ہیں کوئی ہاتھ چومتا ہے کوئی قدموں سے لپٹا جاتا ہے۔

دریافت کرنے پر والی ریاست کو بتایا گیا کہ وہ ایک مسلمان قطب وقت اور امام دوراں ہیں اس نے شدید طوفان کے دوران اعلان کیا تھا کہ اس کے خدا نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ جہاز کو کوئی خطرہ نہیں ہے اور کسی اندیشے کی ضرورت نہیں چنانچہ طوفان تھم گیا اور جہاز محفوظ رہا والی ریاست نے اس کی یہ کرامت سنی تو آگے بڑھ کے اس کے ہاتھ چومے اور اس کے قدموں کی خاک اٹھا کے آنکھوں کو لگائی حسن بن صباح کے عقیدت مندوں نے بتایا کہ وہ اس ریاست کا بادشاہ ہے حسن بن صباح نے بادشاہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اسے دعائیں دیں عیسائی بادشاہ نے اس سے محل میں چلنے کی درخواست کی حسن بن صباح نے دعوت اس شرط پر قبول کر لی کہ اسے ایک دن سے زیادہ نہیں روکا جائے گا۔

عیسائی بادشاہ نے حسن بن صباح کی بڑی شاندار دعوت کی دعوت کے بعد شاہی محل کی تمام خواتین اور کنیزیں امام دوراں حسن بن صباح کے سلام کو حاضر ہوئیں حسن بن صباح کی نظریں حسین صورتیں ہمیشہ تلاش کرتی رہتی تھیں چنانچہ ایک کمسن مگر انتہائی خوبرو پر حسن بن صباح کی نظریں جم کے رہ گئیں کمسن کنیز نے حسن بن صباح سے نظریں ملائیں تو بس اسی کی ہو کے رہ گئی اس نے ملکہ اور بادشاہ سے درخواست کی کہ اسے امام دوراں کی خدمت میں دیدیا جائے جب یہ مسئلہ حسن بن صباح کے سامنے پیش ہوا تو اس نے انتہائی مکاری سے کہا۔

"ہم کنیز کی خواہش کے مطابق اسے اپنی خدمت میں قبول کرتے ہیں مگر ابھی ہم اپنے تبلیغی دورہ پر ہیں کنیز کو یقین رکھنا چاہئے کہ جب ہم کسی مقام پر ٹک کے بیٹھیں گے تو اسے اپنی خدمت کا موقع ضرور دیں گے"۔

کنیز اس بات پر ہی پھولے نہ سماتی تھی حسن بن صباح نے اپنی ڈائری میں اس کا نام و پتہ درج کر لیا۔

دوسرے دن عیسائی بادشاہ نے حسن بن صباح کو جو اب امام وقت شیخ حسن صباح کے نام سے مشہور تھا بڑی عزت و احترام کے ساتھ جہاز پر سوار کرایا امام وقت کو رخصت کرنے کے لئے ہزاروں بندگان خدا کا مجمع تھا شیخ امام حسن صباح کے ہاتھ اس قدر چومے گئے کہ اس کے ہاتھوں میں درد ہونے لگا اس نے اس سے نجات یوں حاصل کی کہ ہاتھ پر رومال لپیٹ لیا اور اس کا ایک کونہ لٹکا دیا کہ لوگ اس کونے کو بوسہ دیں۔

حسن صباح کی دوسری منزل ملک شام تھا وہ شام کے ساحل پر اترا تو اس کے استقبال کو کافی لوگ جمع تھے اس کی شہرت اس سے پہلے نہ جانے کس طرح وہاں پہنچ گئی تھی حسن صباح نے ملک شام میں جہاز چھوڑ دیا اور اب اس نے خشکی کا سفر اختیار کیا اس کا رخ ایران کی طرف تھا وہ اس سفر میں حلب' بغداد' اصفہان' یزد اور کرما وغیرہ سے گزرا۔

ایران پہنچ کر اس نے فاطمی (جسے بعد میں لوگ اسمعلیہ مذہب بھی کہتے ہیں) مذہب کی تبلیغ شروع کی اور مصر کے فاطمی خلیفہ مستنصر کی امات کی لوگوں سے بیعت لی حسن بن صباح نے اصفہان میں چار ماہ گزارے پھر وہ وامغاں پہنچا اور وہاں تین سال تک فاطمی مذہب پھیلاتا رہا اس کے بہت سے معتقد پیدا ہو گئے پھر وہ پھرتا پھراتا قلعہ التمونت پہنچا اور وہیں قدم جما لئے۔

اس قلعہ کو تاریخوں میں قلعہ التمونت' قلعہ الطموت' قلعہ المط اور قلعہ الموت بھی کہا گیا ہے قلعہ الموت قزوین کے علاقہ میں صوبہ رودبار کا ایک قلعہ تھا اسے معہ اس کے مضافات کے لوگ طالقان کے نام سے یاد کرتے تھے پہاڑوں کے اندر یہ قلعہ نہایت بلندی پر اور پیچیدہ گھاٹیوں کے درمیان واقع ہے اس قلعہ کے

بارے میں ایک روایت بیان کی جاتی ہے جو کچھ اس طرح ہے۔
کہتے ہیں سلاطین ویلم میں ایک بادشاہ شکار کا بہت شوقین تھا ایک دفعہ شکار کھیلتا ہوا اور دشوار گزار مقام پر پہنچا اس دور میں بادشاہ باز کو اپنی کلائی پر بیٹھاتے تھے اور اڑتے ہوئے پرندوں پر اس باز کو چھوڑ کے شکار کھیلتے تھے باز کلائی سے بندھا ہوتا تھا۔ وہ آزاد ہوتے ہی ہوا میں بلند ہوتا اور شکار پر جھپٹتا تھا۔

اس شکاری بادشاہ کے ہاتھ پر بھی باز بندھا ہوا تھا وہ جب اس دشوار گزا مقام پر پہنچا تو اپنے باز کو آزاد کر کے پرندوں کی طرف شکار کے لئے اڑایا باز ایک پرندہ کا تعاقب کیا اور اسے دبوچ ان پہاڑوں کی چوٹی پر گرا بادشاہ اور اس کے آدمی بھاگتے ہوئے اوپر پہنچے بادشاہ کے ساتھی تو باز اور اس کے شکار کو دیکھنے لگے مگر بادشاہ اس انتہائی محفوظ اور بلند مقام کو دیکھ کر بہت محظوظ ہوا۔

بادشاہ اس جگہ کو دیکھ کر اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے وہاں ایک عالیشا قلعہ تعمیر کرانے کا حکم دیا دیلمی بادشاہ نے اس قلعہ کا نام دوالتہ موت رکھ دیلمیوں کی اصطلاح میں یہ ایک کلمہ تھا جو شکاری اس وقت منہ سے نکالتے تھے جب وہ کسی شکار کے پیچھے بھاگتے تھے چونکہ یہ لوگ اس شکار کے پیچھے بھاگتے ا دوالتہ موت چلاتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے اس لئے بادشاہ نے "دوالتہ موت" نا اس قلعہ کا نام رکھ دیا جو کثرت استعمال سے التمونت ہو گیا۔

حسن بن صباح کی قلعہ التمونت یا قلعہ الموت کو دیکھتے ہی نیت بے ایما ہو گئی تھی اس لئے اس نے یہاں ٹھہر کے اپنے مرید بنانا شروع کر دیئے ا مریدوں میں مردوں کے علاوہ بہت سی خواتین بھی شامل ہو گئیں اور حسن بن صبا نے ان میں چھانٹ چھانٹ کے خوبصورت عورتوں اور دوشیزاؤں کو اپنی طلسما نظروں سے اسیر کرنا شروع کر دیا یہ عورتیں اس کے درس میں شریک ہوتیں اس قدر عقیدت میں ڈوب جاتیں کہ بعض تو حسن بن صباح کے ہاتھوں کے ساتھ پیر بھی چوم لیتی تھیں۔

قلعہ دار مہدی بھی حسن بن صباح کی دینداری اور عبادت و ریاضت سے بہت مرعوب تھا قلعہ والوں کے اخلاقی حالات بھی بہت کچھ سدھر گئے تھے لوگ لڑائی جھگڑے سے باز رہتے تھے ارو اگر کوئی جھگڑا ہو جاتا تو وہ قلعدار مہدی کے پاس جانے کی بجائے اپنا مقدمہ حسن بن صباح کے سامنے پیش کرتے اور حسن بن صباح کا فیصلہ آسمانی اور قرآنی سمجھا جاتا۔

حسن بن صباح کی نیت تو قلعہ دیکھتے ہی بدل گئی تھی اور اس نے پہلے ہی دن سے اس قلعہ کو ہتھیانے کی تدبیریں سوچنا شروع کر دی تھیں جب قلعہ میں اس کے بہت سے مریدین جو صبح سے شام تک اسے گھیرے رہتے تھے تو ایک دن اس نے قلعہ دار مہدی سے بڑے بزرگانہ انداز میں کہا۔

"یہ جگہ ایک ایسے کنج میں اور محفوظ گھاٹی میں واقع ہے کہ ساری دنیا سے الگ تھلگ معلوم ہوتی ہے ایسی جگہ ہم جیسے عزلت گزینوں کے مزاج کے موافق ہے میں اس جگہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہنا چاہتا ہوں تاکہ میں اس طرح مخلوق خدا کو دین فاطمیہ کا درس دیتا رہوں اور انہیں اس دین میں داخل کرتا رہوں۔"

"قلعہ دار مہدی نے اس کی بزرگانہ اور مشفقانہ گفتگو سن کے کہا۔

"آپ قلعہ میں جس جگہ رہنا پسند فرمائیں وہاں میں آپ کے لئے انتظام کرادوں یہ تو ہمارے لئے باعث عزت ہوگا کہ آپ جیسا بزرگ' عالم و فاضل اس قلعہ کو ہمیشہ کے لئے عزت بخشتا رہے آپ فرمائیے آپ کو کونسی جگہ پسند ہے"۔

حسن بن صباح نے نظریں گھما کے اپنے مریدوں کو دیکھا اور پوچھا۔

"کیا میرے حلقہ درس کے لوگ میرا قلعہ الموت میں ہمیشہ کے لئے قیام پسند کرتے ہیں؟"۔

ہر طرف سے لاریب اور بے شک کی صدائیں بلند ہوئیں اس پر حسن بن صباح نے پروقار لہجے میں کہا۔

"اے اس قلعہ کے مالک مہدی میری دینداری یہ بات گوارہ نہیں کرتی کہ میں تمہاری دی ہوئی اور بخشی ہوئی زمین پر بیٹھ کے دین فاطمی کا درس دوں اگر تم بھی چاہتے ہو کہ میں یہاں رہ کر درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھوں تو تمہیں

مجھ سے زمین کی قیمت لینا ہوگی"۔

"اے قابلِ احترام داعی الکبیر آپ مجھے کیوں شرمندہ کر رہے ہیں"۔

مہدی نے بڑے احترام اور خلوص سے کہا" قلعہ دار اس کی ساری زمین آپ ہی کی ہے فرمائیے آپ کو کتنی اور کس جگہ کی زمین چاہیئے؟"۔

حسن بن صباح نے ایک بار پھر اپنے مریدوں پر نظر ڈالی اور بولا۔

"مجھے صرف اتنی زمین چاہیئے جو ایک بیل کی کھال کے حلقہ میں آجائے"۔

مہدی ہنس پڑا۔ اس نے کہا۔

"آپ ایک بیل کی کھال کے حلقے کے برابر زمین چاہتے ہیں میں آپ کو سو بیلوں کے حلقے کے برابر زمین دے دوں گا"۔

"بشرطیکہ قلعدار زمین کی قیمت قبول کریں؟"حسن بن صباح نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"مجھے منظور ہے" مہدی مسکراتے ہوئے بولا"لائیے دیدیجئے قیمت"۔

حسن بن صباح نے اپنے لبادے کے اندر سے ایک تھیلی نکال کے مہدی کے سامنے رکھ دی۔

"اس میں تین ہزار دینار ہیں یہ ایک بیل کی کھال کے حلقے میں آجانے والی زمین کی قیمت ہے۔ قلعدار چاہیں تو دینار گن سکتے ہیں"۔

"مجھے آپ پر اعتماد ہے اے داعی الکبیر" یہ کہتے ہوئے مہدی نے تھیلی اٹھالی۔

"اس کا مطلب ہے کہ سودا منظور ہو گیا" حسن بن صباح نے مہدی اور اپنے مریدوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں منظور ہے آپ جس جگہ کی چاہیں زمین لے سکتے ہیں قلعدار یہ کہتا ہوا اٹھ کے چلا گیا۔

"اے امام محترم۔ ایک مرید نے قلعدار کے جانے کے بعد کہا" آپ نے ذرا سی زمین کے لئے اتنی زیادہ رقم کیوں ادا کی؟"۔

اس وقت حسن بن صباح کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"یہ زمین میں نے اپنے لئے نہیں بلکہ تم لوگوں کے لئے خریدی ہے مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ تم لوگ اللہ اور اپنے امام کی باتیں قلعدار کی زمین پر بیٹھ کے سنو! اب تم اپنی زمین پر اپنے امام کی باتیں سنو گے"۔

"مگر اے امام"۔

حسن بن صباح نے انہیں اشارے سے روک دیا۔

"تم لوگ ایک بیل کی کھال لے آؤ پھر میں تمہارے سوالوں کا جواب دوں گا"

-

تاریخوں میں "چرسہ کے حلقے کے برابر زمین" لکھا گیا ہے چرسہ (چرسا) کا معنی گائے بیل یا بھینس کے چمڑے کے ہوتے ہیں۔

حسن بن صباح کا ایک مرید بیل کی کھال لے آیا حسن بن صباح نے کھال کو ایک طرف سے ڈوری جیسی پٹیوں میں کاٹنا شروع کیا اور مریدوں کو اس کام پر لگایا کہ وہ ایک باریک پٹیوں کو ایک سرے کے ساتھ جوڑ کر ڈوری کی شکل دیتے جائیں کسی نے دوڑ کے قلعدار مہدی کو اس کی خبر کی اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اور وہ ہنس کے رہ گیا۔

حسن بن صباح نے دن بھر کی محنت کے بعد اس کھال کو ایک اتنی لمبی ڈوری کی شکل میں ڈھال دیا کہ جب اس ڈوری کا حلقہ بنا کر حسن بن صباح اپنے ساتھیوں (مریدوں) کی مدد سے قلعہ الموت کو ناپا تو پورا قلعہ اس کے حلقہ میں آگیا۔

اس وقت قلعدار مہدی بھی وہاں پہنچ گیا تھا اس نے کھال کی بنی ہوئی ڈوری سے حسن بن صباح کو زمین ناپتے دیکھا تو غصہ سے بولا۔

"میں نے بیل کی کھال کے برابر زمین دی ہے یہ کیا کیا جارہا ہے؟"۔

حسن بن صباح نے متانت سے کہا۔

"میں نے تین ہزار دینار میں زمین خریدی ہے"۔

"ٹھیک ہے میں نے زمین بیچی ہے مگر ایک چرسے کے برابر" قلعدار نے بحث شروع کر دی تم غلط کہہ رہے ہو مہدی" حسن بن صباح نے اس قلعہ میں آنے کے بعد پہلی مرتبہ تلخ لہجہ استعمال کیا میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھے صرف اتنی زمین درکار ہے جتنی ایک بیل کے چرسہ کے حلقے میں آجائے میری یہ ڈوری بیل کے کھال کی بنی ہوئی ہے اور میں نے اس ڈوری سے جب زمین ناپی تو یہ پورا قلعہ اس کے حلقے میں آگیا"۔

مہدی بگڑ گیا بولا۔

"تم مجھ سے دھوکہ بازی کر رہے ہو آخر تم چاہتے کیا ہو"۔

"میں اپنے سودے کی تکمیل چاہتا ہوں حسن بن صباح نے بڑے رعب سے کہا سودے کے مطابق یہ قلعہ بیل کی کھال کے حلقے میں آتا ہے اس لئے اب یہ قلعہ میرا اور میرے مریدوں کا ہے جہاں میرے یہ مرید بیٹھ کے اللہ اور اپنے امام کے درس میں شریک ہوا کریں گے"۔

"حسن بن صباح تو مکار ہے بے ایمان ہے میں تجھے"۔

حسن بن صباح نے اپنے مریدوں کو مخاطب کیا۔

" تم لوگ کھڑے کیا دیکھ رہے ہو سودے کے مطابق زمین تمہاری ہو چکی ہے تم اسے یہاں سے نکال باہر کرو؟"۔

مریدوں نے اپنے امام کے منہ سے جو یہ حکم سنا تو وہ مہدی پر پل پڑے اور اسے گھسیٹتے ہوئے قلعہ کے باہر لے گئے۔

" اب اس قلعہ کا رخ نہ کرنا ورنہ جان سے مار دیئے جاؤ گے ایک مرید نے اسے دھمکی دے کر بھگا دیا۔

مختصر یہ کہ حسن بن صباح نے اپنی اس مکارانہ تدبیر کے تحت قلعہ الموت پر قبضہ جمالیا بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حسن بن صباح نے اس تدبیر سے نہیں بلکہ اور طرح سے قلعہ پر قبضہ کیا تھا وہ اس طرح کہ جب فاطمی قلعدار مہدی اور قلعہ کے بیشتر افراد حسن بن صباح کے معتقد ہو گئے اور حسن نے یہ محسوس کیا کہ

اب اس کے مرید' مہدی کے بجائے اس کی حمایت کریں گے تو ایک دن حسن بن صباح اپنے مریدوں کے ساتھ مہدی کے پاس پہنچا اور اسے حکم دیا۔

"تم قلعہ سے فوراً" نکل جاؤ"۔

فاطمی قلعدار اسے مذاق سمجھا اور ہنس کے بولا۔

"اے داعی الکبیر آج آپ کو کیا ہو گیا آپ کس طرح کی باتیں کر رہے ہیں؟"۔

مہدی کے یہ کہنے پر حسن بن صباح نے اپنے مریدوں سے کہا۔

"یہ اس طرح نہیں نکلے گا۔ تم لوگ اسے پکڑ کے قلعہ سے نکال دو"۔

مریدوں نے فوراً" اپنے امام کے حکم کی تعمیل کی انہوں نے مہدی کو قلعہ سے نکال کر دالغاں پہنچا دیا اس کا تمام مال و اسباب بھی اس کے پاس بھجوا دیا حسن بن صباح نے جس طرح بھی اس قلعہ پر قبضہ کیا ہو بات تو بس یہ ہے کہ حسن بن صباح کا قلعہ الموت پر قبضہ ہو گیا اور اس مضبوط اور محفوظ قلعہ میں بیٹھ کے حسن بن صباح نے اپنی ان ناآسودہ آرزوؤں کی تکمیل کے سامان فراہم کرنا شروع کئے جس کے لئے وہ بے چین تھا یا جس کے وہ خواب دیکھا کرتا تھا۔

حسن بن صباح کے عقیدے کے بارے میں مورخین اور علماء کرام نے بہت کچھ لکھا ہے ایک گروہ کا خیال ہے کہ حسن بن صباح شروع ہی سے فاطمی یعنی اہل تشیع کا عقیدہ رکھتا تھا مگر بعض کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ حسن بن صباح کا قبیلہ عربوں کے حمیری قبیلہ کی ایک شاخ سے تعلق رکھتا تھا اور یہ قبیلہ سنی المذہب تھا حسن بن صباح کے سلجوق دربار میں جانے سے بھی اس کے سنی ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔

"مگر جب حسن بن صباح مصر پہنچا تو اس نے فاطمی خلیفہ مستنصر باللہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اس کے بیٹے نزار کو آئندہ کا خلیفہ اور امام بھی تسلیم کیا تھا جس سے شبہ ہوتا ہے کہ اس کا تعلق اہل تشیع سے تھا مصر میں فاطمی خلافت کا بانی مہدی تھا جس نے مہدی علیہ السلام ہونے کا بھی دعوی کیا تھا مہدی دراصل

سوڈانی تھا جب لوگوں نے مہدی کو طاقت پکڑتے دیکھا تو وہ اس کے گرد جمع ہونے شروع ہو گئے اور انہوں نے ہی مہدی کو مجبور کیا کہ وہ نبی آخری الزماں کا دعویٰ کرنے پر مجبور کیا تھا۔

اسی مہدی کے خاندان نے مصر میں فاطمی خلافت قائم کی تھی اور ان کے ایک جنرل جوہر صقلی نے قاہرہ کا شہر آباد کیا تھا پچھلے صفحات میں یہ کہا جا چکا ہے کہ تاریخ اسلام کا یہ المیہ رہا ہے کہ جب کوئی بڑی اسلامی سلطنت قائم ہوتی تو اس کو ختم کرنے کے لئے یا تو کسی طرف کوئی مہدی پیدا ہو گیا یا کسی نے بنو ہاشم کا نام لے کر تحریک شروع کر دی اس طرح قرامطہ' باطنیہ' معتزلہ اور حسن بن صباح کا صباحی فرقہ پیدا ہوا جس نے دنیائے اسلام کے آپس کے اختلافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچایا۔

حسن بن صباح کے عروج سے کچھ پہلے بحرین میں قرامطہ کی ایک مضبوط حکومت قائم ہو گئی تھی صباحی تحریک کی طرح قرامطہ کی تحریک بھی منافقت اور بے دینی سے بھری ہوئی تھی مگر ایسی تحریکوں کا ایک نہ ایک دن برا انجام ہوتا ہے قرامطہ تحریک کی بھی کئی شاخیں تھیں بحرین کے قرامطہ بادشاہ کا عقیدہ دوسرے گروہوں سے مختلف تھا اس گروہ کو مصر کے فاطمی خلیفہ سے سخت نفرت تھی لیکن قرامطہ کی عام جماعت مصر کے عبیدی (فاطمی) فرمانروا کو محبت اور عقیدت سے دیکھتی اور اسے اپنا خلیفہ سمجھتی تھی۔

پھر جب بحرین میں قرامطہ کی حکومت ختم ہوئی تو یہ لوگ دربدر ہو گئے مگر انہوں نے اپنا عقیدہ نہیں چھوڑا اور خفیہ طور پر اپنی تنظیم منظم کرتے رہے یہ لوگ بظاہر مسلمانوں میں شامل رہتے مگر اپنی تبلیغ اور جماعت کی ترقی کی فکر سے کبھی غافل نہ ہوتے تھے یہ لوگ مسلمانوں کو کافر اور بے دین سمجھتے اور ان کے قتل کو جائز قرار دیتے تھے اتفاق سے ان کا ایک آدمی ایک قلعہ کا حاکم مقرر کر دیا گیا پھر کیا تھا ان لوگوں نے اس قلعہ کو اپنا مسکن بنا لیا اور ہر طرف ڈاکہ زنی اور لوٹ مار شروع کر دی چونکہ ان کی جماعت خفیہ طور پر کام کرتی تھی اس لئے ان کا نام باطنیہ گروہ پڑ گیا اس کو اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ قرامطہ اپنی تباہی کے بعد گروہ باطنیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

گروہ باطنیہ نے ترقی کرتے کرتے اصفہان کے قلعہ شاہ در پر قبضہ کر لیا اس کا مختصر حال یہ ہے کہ باطنیہ گروہ کے ایک داعی (دعوت دینے والا) کا نام "عطاش" تھا یہ شخص بڑا ہوشیار اور شاطر تھا اور اپنے ہم چشموں میں سب سے زیادہ عالم فاضل اور ممتاز نظر آتا تھا ایک روایت کے مطابق اسی عطاش نے حسن بن صباح کو اپنے عقائد کی تعلیم دی تھی اور اپنا شاگرد خاص بنایا تھا۔

عطاش کا احمد نام کا ایک بیٹا تھا جو عطاش کے بعد اس جماعت میں قابل تعظیم و تکریم سمجھا جاتا تھا احمد اپنے گروہ سے رخصت ہو کر قلعہ شاہ در پہنچا اس نے اپنی حالت امیر زادوں جیسی بنا لی تھی چونکہ احمد بھی عالم فاضل' چرب زبان اور انتہائی شائستہ مگر شاطر تھا اس لئے اس نے جب قلعدار سے ملازمت کی درخواست کی تو اس نے احمد کو فوراً ملازم رکھ لیا۔

یہ لوگ کام میں خوب ہوشیار ہوتے اور دل میں اتر جاتے تھے اس لئے احمد نے اپنے کام اور سلیقہ مندی سے قلعدار کو ایسا شیشے میں اتارا کہ اس نے احمد کو اپنا نائب بنا لیا چند ہی روز بعد قلعدار کا انتقال ہو گیا اسے احمد نے کسی طرح زہر دلوا کر مار دیا چونکہ وہ قلعدار کا نائب تھا اس لئے احمد کو بے چوں چراں قلعدار تسلیم کر لیا گیا اور حکومت نے احمد بن عطاش کے نام کا قلعداری کا باقاعدہ پروانہ جاری کر دیا۔

احمد نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ قلعہ کے اندر یا اس کے علاقے میں جتنے بھی باطنیہ گروہ کے قیدی تھے ان سب کو رہا کر دیا ان باطنیوں نے آزاد ہوتے ہی پورے اصفہان میں لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا یہ بھی ایک اتفاق تھا کہ جس زمانہ میں احمد بن عطاش کو قلعہ شاہ در کی حکومت حاصل ہوئی ان ہی ایام میں حسن بن صباح نے قلعہ الموت کا قبضہ حاصل کیا تھا۔

حسن بن صباح کا صباحی گروہ احمد بن عطاش کا باطنیہ گروہ دونوں مسلمانوں

کے دشمن اور اسلام کی تباہی کے در پے تھے پھر ان کے عقائد میں بھی کچھ ہم آہنگی تھی اس لئے احمد بن عطاش کے قلعہ شاہ در اور حسن بن صباح کے قلعہ الموت میں خود بخود ہی رابطہ قائم ہوگیا اور صباحی اور باطنی ایک دوسرے سے ملنے جلنے لگے ان میں اکثر باہمی مشورہ بھی ہونے لگا اور ان دونوں کے درمیان بغیر کسی تحریر کے صرف زبانی ایک معاہدہ بھی ہوا جس کی تفصیل نہ لکھی گی تھی اور نہ کہیں سے موصول ہوئی ہے۔

حسن بن صباح نے اپنی کوشش' مکاری اور اعلی دماغی سے وہ قلعہ حاصل کر لیا تھا جو اس زمانہ میں ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا اور جیسا کہ قارئین آگے پڑھیں گے کہ یہ قلعہ کسی بھی مسلمان بادشاہ سے فتح نہ ہو سکا پھر حسن بن صباح نے قلعہ پر قبضہ کے ساتھ ہی اسے مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی ترکیبیں شروع کر دیں حسن بن صباح کو نہ مصر کی خلافت فاطمیہ کی فکر تھی اور نہ وہ بغداد کی خلافت عباسیہ سے خائف تھا وہاں اگر اسے کچھ خوف تھا تو وہ سلطان ملک شاہ سلجوق سے تھا اس زمانہ میں ملک شاہ کا زور تھا اس کی طاقت سے ہر فرمانروا ہر دم خائف رہتا تھا۔

صباحیوں اور باطنیہ کے اصل عقائد کی تفصیل تو کسی کو نہیں معلوم سوائے اس کے کہ یہ دونوں گروہ مسلمانوں کے خلاف تھے اور انہوں نے اسلام کے نام پر ہی اسلام کے اصولوں اور خدا اور رسول کے احکامات میں تبدیلیاں کرلی تھیں ان لوگوں نے اسلام کے امرونو انہی کو تبدیل کر کے حرام اور حلال کو حرام ہونے کا اعلان کیا تھا چنانچہ ان دونوں گروہوں میں یہی اصول مشترک اور رائج تھا حالانکہ حسن بن صباح نے شروع شروع میں اسلام کے بعض اصولوں کی بڑی سختی سے پابندی کرائی مگر یہ سب کچھ اس نے اپنی مکاری کو چھپانے کے لئے کیا تھا۔

حسن بن صباح نے سب سے پہلے اپنی فوجی طاقت بڑھانے کی کوشش کی اس کے لئے اس نے داعیوں اور رفیقوں کے گروہ بنائے اور انہیں پورے عراق اور ایران میں پھیلا دیا حسن بن صباح کی عبادت اور ریاضت کا انداز ایسا پر اثر تھا کہ دیکھنے والا فوراً" اس کا مطیع ہو جاتا تھا گروہ باطنی کو اس وجہ سے کہا جاتا تھا کہ وہ ہر کام پوشیدگی سے کرتے تھے اور اپنے رازوں اور اصولوں کو لوگوں سے چھپاتے تھے یہ اسمٰعیلوں کے عقیدے کے بھی پابند تھے۔

اثنائے عشری اور اسمٰعیلی فرقوں میں یہ فرق ہے کہ اگرچہ دونوں فرقے حضرت امام جعفر صادق تک اتفاق کرتے ہیں مگر امام جعفر کے بعد اثنائے عشری امام موسی کاظم کو مانتے ہیں جبکہ اسمٰعیلی امام جعفر کے بڑے بیٹے اسماعیل کی امامت کے قائل ہیں اسماعیل اور موسی کاظم دونوں امام جعفر کے صاحبزادے تھے اسماعیل بڑے تھے اس لئے وہ باپ کے وارث اور خلیفہ تھے مگر ان کا انتقال جناب جعفر صادق کی حیات میں ہو گیا اس لئے ان کے انتقال پر ایک گروہ نے مرحوم اسماعیل کو امام تسلیم کیا ان کے خیال میں اسمٰعیل کا انتقال نہیں ہوا تھا بلکہ وہ پردہ کر گئے تھے اور پردہ کرنے سے ان کی امامت ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ امام غائب ہیں۔

باطنیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اماموں کا سات سات کا گروپ ہوتا ہے یعنی سات امام ظاہر ہوتے ہیں اور اس کے بعد سات امام مخفی' مستور یا پوشیدہ ہوتے ہیں چنانچہ پہلے سات امام یعنی حضرت علی' حسن' حسین' زین العابدین' امام باقر' امام صادق' اور ساتویں امام اسمٰعیل تھے۔ چونکہ امام منجانب اللہ ہوتے ہیں اس لئے ساتویں امام اسماعیل ہیں گو کہ وہ پردہ کر گئے مگر ان کی دعوت تو ختم نہیں ہوئی اسمعیلوں یا باطنیوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہوتا ہے اس لئے انہیں باطنی کہا جاتا ہے۔

حسن بن صباح نہ اسمٰعیلی تھا اور نہ اثنائے عشری مگر اس نے ان کے عقائد سے اپنے مفید مطلب چن لئے اور اس میں کمی بیشی کر کے اپنے ایک نئے فرقہ' گروہ یا مذہب کی بنیاد رکھی صباحی فرقہ کی دو بنیادی باتوں کا ہر جگہ تذکرہ ملتا ہے پہلی بات جو اس نے اسمٰعیلیوں سے حاصل کی کہ وہ یہ کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہوتا ہے اور دوسری بات یہ کہ باطن کا علم صرف خدا کو یا امام کو یعنی حسن بن صباح کو ہوتا ہے چنانچہ اس نے اپنے داعیوں اور رفیقوں کے ذریعہ اپنے مریدوں

کے دل میں یہ بات راسخ کرا دی کہ امام یعنی حسن بن صباح سب جانتا ہے یعنی عالم الغیب ہے اور اس کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ آسمانی یعنی خدا کا حکم ہوتا ہے چنانچہ اگر امام کہہ دے کہ فلاں کو قتل کر دو تو مرید پر لازم ہے کہ وہ اس حکم کی بے چوں چراں تعمیل کرے یہاں تک کہ اگر امام کسی کو یہ حکم دے کہ پہاڑ سے نیچے چھلانگ لگا دے تو اسے اس حکم کی بھی تعمیل کرنا ہوگی۔

حسن بن صباح کی بعض باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے طور جو شریعت ترتیب دی تھی اس پر وہ بڑی سختی سے عمل کراتا تھا اور حکم عدولی کی صورت میں اس نے موت کی سزاء مقرر کی تھی ایک روایت میں ہے کہ حسن بن صباح جس وقت قلعہ الموت میں بیٹھا اپنی قوت بڑھا رہا تھا اس دوران وہ اپنی شریعت کے احکام جاری کرنے میں اس قدر شدت پسند ہو گیا تھا کہ ایک مرتبہ اس کے ایک بیٹے نے داعی کو قتل کر دیا حسن بن صباح نے اس قتل کے قصاص میں اپنے سگے بیٹے کو قتل کرا دیا حالانکہ وہ اپنے فدائین کے ذریعہ دنیائے اسلام کے بڑے بڑے مشاہیر کو قتل کرا دیا کرتا تھا۔

اسی طرح ایک بار اس کے دوسرے بیٹے نے شراب پی لی قلعہ الموت میں شراب پینا بند تھا پس حسن بن صباح نے اس جرم میں اپنے اس بیٹے کو بھی قتل کرا دیا حالانکہ اس کا قلعہ الموت منشیات کا سب سے بڑا اڈہ تھا اور وہاں ایک خاص قسم کا ایسا نشہ استعمال کیا اور کرایا جاتا تھا (ذکر بعد میں آئے گا) انسان کو عقل سے بالکل بیگانہ اور مسحور کر دیتا تھا۔

مورخین نے اس بات پر کھل کے بحث کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اس کے اپنے دونوں بیٹوں کو قتل کرانے میں یہ مصلحت پوشیدہ تھی کہ اس کے مرید اس کے حکم کی ہرصورت پابندی کرنے کے لئے تیار رہیں خواہ اس میں جان ہی جانے کا خطرہ کیوں نہ ہو۔

حسن بن صباح کو قلعہ الموت سے ایک بڑا خزانہ حاصل ہوا تھا اور اس خزانہ سے اس نے قلعہ کو ترقی کا کام شروع کیا تھا سب سے پہلے اس نے قلعہ کو پہلے سے زیادہ مضبوط اور ناقابل تسخیر بنانے پر عمل شروع کیا اس نے قلعہ کے اوپر آنے والے راستوں کو اور زیادہ مخدوش اور خطرناک بنایا قلعہ میں داخلہ کے لئے جو تنگ دروازے تھے انہیں تراش کر ہموار کیا گیا پھر انہیں ایک دوسرے میں آہنی کڑوں سے اس طرح جوڑ دیا گیا جو باہر سے صرف ایک پتھر دکھائی دیتا اور راستے میں دیوار بن کے کھڑا رہتا تھا مگر ضرورت کے وقت اس دیوار کو جو دراصل دروازہ ہوتا تھا کھول دیا جاتا تھا اس کے قلعہ کو اور زیادہ وسعت دی اور قلعہ اندر ہی اندر دور دور تک پھیلتا چلا گیا قلعہ کے ایک حصہ میں اس نے ایک نہایت اور دلکش شہر میں تبدیل کیا اور اس کا نام اس نے "بہشت بریں" رکھا اس بہشت میں حسن بن صباح نے اپنے طور پر وہی خوبصورت باغات، چشمے، نہریں، محلات اور قصر تعمیر کرائے جو جنت کے انسانی تصور کے بالکل مطابق تھے۔

حسن بن صباح نے پڑھا تھا کہ جنت میں گرمی سردی نہیں ہوتی اور نہ سورج کی تیز کرنیں زمین پر چلنے والوں کو پریشان کرتی ہیں اس لئے حسن بن صباح نے اپنی جنت میں ایسے درخت لگوائے جن کا سایہ گہرا ہوتا تھا اس نے یہ بھی پڑھا تھا کہ جنت میں دودھ کی نہریں بہتی ہیں اور دودھ خنک اور شیریں ہوتا ہے حسن بن صباح نے اپنی کوششوں سے وہاں دودھ کی نہریں بنوائیں جن میں ٹھنڈا میٹھا دودھ ہر وقت بہتا تھا۔

ہم مسلمانوں میں جنت میں کام کاج کے لئے حوروں غلمان کا تصور موجود ہے چنانچہ حسن بن صباح نے قرب وجوار کے کمسن اور خوبصورت بچوں کو پکڑوا کے انہیں غلمان بنا دیا انہیں اس قدر عمدہ تربیت دی جاتی تھی کہ جو واقعی غلمان بن کے وہی خدمات انجام دیتے تھے۔

غلمان کے ساتھ ساتھ جنت میں حوروں کا ہونا بھی نہایت ضروری تھا چنانچہ اس سلسلے میں حسن بن صباح نے اپنی ڈائری سے کام لیا اس کی ڈائری میں ان تمام دوشیزاؤں کے نام و پتے درج تھے جو کسی وقت حسن بن صباح کے قریب رہ چکی تھیں اس کی ڈائری میں سب سے پہلا پتہ گل ریز کا تھا حسن بن صباح نے

پیشانی پر انگلی رکھ کر گل ریز کا تصور باندھا تو گل ریز سے جدائی کا منظر اس کی نظروں میں گھوم گیا۔

گل ریز، دل نواز، بسم اللہ، اور ان جیسی بہت سی اور دوشیزائیں اور خواتین تھیں جن سے حسن بن صباح نے اپنا مطلب نکالنے کے لئے دوستی کی تھی اور ہر ایک سے رخصت ہوتے وقت وعدہ کیا تھا کہ وہ جب کبھی کسی جگہ سکون سے بیٹھے گا تو انہیں اپنے پاس ضرور بلوائے گا اپنے اسی وعدے کے تحت اب ضرورت پڑنے پر حسن بن صباح کو ایسی تمام لڑکیوں کو بلوایا اور اپنی جنت میں حور بنا کر داخل کر دیا۔

اسی زمانہ میں حسن بن صباح پر حشیش کی پتی کا انکشاف ہوا حشیش عربی زبان میں بھنگ کو کہتے ہیں حشیش کی پتیوں میں نشہ ہوتا ہے اس کی پتیوں کو کونڈی میں یا کسی اور چیز میں رگڑا جاتا ہے اور جب اس کی چٹنی سے بن جاتی ہے تو اس میں پانی ملا کر شربت بناتے ہیں اور چھان کر اسے پیا جاتا ہے بھنگ کے اس شربت کو "ٹھنڈائی" بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ شربت واقعی ٹھنڈا ہوتا ہے اور اس میں ایسا سرور ہوتا ہے کہ انسان کی آنکھیں چمکنے لگتی ہیں راقم المعروف کو یہ ٹھنڈائی بالکل لاعلمی کی حالت میں پلائی گئی تھی اس لئے اس نشہ کی پوری تفصیل میں بعد میں بیان کروں گا۔

حسن بن صباح کی جنت میں راز داری کی خلاف ورزی کی سزاء صرف اور صرف موت تھی حسن خوبصورت لڑکیوں اور عورتوں کو اپنے گرگوں کے ذریعہ خوش رنگ اور خوش آہنگ مستقبل کا فریب دے کر اپنی جنت میں بلواتا تھا بلاشبہ وہاں ان لڑکیوں اور عورتوں کو دنیا کا ہر عیش مہیا کیا جاتا تھا مگر وہ اس سونے کے پنجرے میں ہمیشہ کے لئے قید ہو کر رہ جاتیں دوسری بات یہ کہ انہیں اس جنت میں آنے والے ہر شخص کی خاطر و مدارت کرنا پڑتی اور اس کی ہر خواہش پوری کرنے پر وہ مجبور ہوتی تھیں سب سے آخری بات یہ کہ انہیں اس جنت کے تمام حالات اور اپنے اوپر گزرنے والی باتوں سے کسی کو بھول کر بھی آگاہ نہ کرنا تھا راز داری کی یہ شرط اس قدر سخت تھی کہ اگر کوئی لڑکی بھولے سے بھی جنت کی کسی دوسری لڑکی سے جو اس کی سہیلی بن جاتی تھی کو راز کھولتی تھی تو دوسرے دن اس راز افشاں کرنے والے لڑکی کا خاتمہ کر دیا جاتا تھا۔

غلماں کا کام کرنے والے لڑکوں کو بھی یہ حکم دیا جاتا تھا کہ جنت کے ہر عیش و آرام سے فائدہ اٹھائیں مگر یہاں سے حالات کے سلسلے میں اپنے دوسرے ساتھی سے بھی کوئی گفتگو نہ کریں ورنہ ان کی سزا موت اور صرف موت ہو گی

حسن بن صباح سے پہلے اس طرح کی تحریکوں یا گروہوں کے سربراہ اپنی جماعت کو کئی کئی حصوں میں تقسیم کرتے تھے بعض جماعتوں میں سترہ، بعض میں دس اور بعض میں پانچ کیٹیگریاں ہوتی تھیں اور ہر کیٹیگری کا ایک الگ نام ہوتا تھا مگر حسن بن صباح کے اپنی جماعت کو صرف تین طبقوں کا حصوں میں تقسیم کیا تھا جو اس طرح تھے۔

1 داعی، اس حصہ کے لوگ صرف تحریک یعنی اپنی جماعت کے لوگوں کو دعوت دیتے تھے یعنی داعی مختلف علاقوں اور شہروں میں گھومتے پھرتے رہتے تھے وہ لوگوں میں مسلمان حکومت اور مسلمان حاکموں اور مذہب اسلام کے بارے میں لوگوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کرتے تھے پھر ان کے سامنے اپنے مذہب یعنی فرقہ صباحیہ کے اصول و قواعد بیان کر کے انہیں اس مذہب کی طرف راغب کرتے تھے ایسے داعی ملک شام سے لے کر خلیج فارس تک ہر ضلع، قصبہ اور گاؤں میں پھیلے ہوئے تھے۔

2 رفیق، دوسرے گروہ کو رفیق کہا جاتا تھا انہیں اپنے قائد، امام، شیخ یا امام وقت حسن بن صباح کی قربت حاصل ہوتی تھی اور حسن بن صباح ان پر اعتماد کرتا تھا۔

3 فدائی، اس فرقہ کا تیسرا نیا مگر سب سے زیادہ اہم اور خطرناک گروہ فدائین کا تھا جس کے ہاتھوں حسن بن صباح کے اشارہ پر اس بڑے دشمن کو قتل کرنے کی ذمہ داری سونپی جاتی جس کے خلاف حسن بن صباح ہو جاتا تھا حسن بن

صباح نے دراصل ہر فدائی کے دل و دماغ میں یہ عقیدہ راسخ کرا دیا تھا کہ ہر عمل اور ہر بات کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک ظاہر اور دوسرا باطن دنیا کے لوگ صرف ظاہر کو جانتے ہیں جبکہ باطن کا حال ان کا امام یعنی حسن بن صباح جانتا ہے چنانچہ جب کسی ایسے شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا جاتا جسے فدائی عظیم انسان سمجھتا یا وہ فدائی کا استاد یا عزیز قریب ہوتا تو ایک لحہ کے لئے تو فدائی گھبرا کر رہ جاتا لیکن دوسرے ہی لمحے اسے امام کا یہ قول یاد آجاتا کہ باطن کا حال صرف اسے معلوم ہے اس لئے وہ بغیر سوچے ہوئے کہ جسے وہ قتل کرنے جارہا ہے اس کے قتل سے دنیا والوں کو کس قدر نقصان پہنچے گا وہ بلا عذر اس ذمہ داری کو قبول کر کے ادھر جاتا اور اس کا خاتمہ کر دیتا۔

فدائی کے دماغ میں یہ بات بھی راسخ کر دی گئی تھی کہ اگر وہ اس ذمہ داری کے دوران خود قتل ہو گیا تو وہ ہمیشہ کے لئے جنت میں چلا جائے گا اور اگر وہ کامیاب ہو کر لوٹا تو اسے جنت میں چند روز کے لئے عیش و عشرت کرنے کے لئے بھیجا جائے گا فدائی کا درجہ عطا کرنے کے لئے حسن بن صباح نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جسے وہ فدائی کا درجہ دینا چاہتا اسے پہلے جنت کی ایک جھلک ضرور دکھاتا تھا۔

ظاہر ہے کہ جب کسی کو ایک بار جنت کی جھلک دکھا دی جائے تو وہ وہاں جانے کے لئے ہر وقت بے چین رہتا اور امام کی خوشامد کرتا تاکہ اسے کوئی کام دیا جائے تاکہ اس کام کو مکمل کر کے وہ جنت کی دوبارہ سیر کرنے کا اہل ہو جائے اس طرح امام حسن بن صباح بڑے بڑے لوگوں اور اپنے دشمنوں کو ان فدائیوں کے ذریعہ قتل کرا دیتا تھا فدائی ہر ملک کے دارالسلطنت اور بڑے بڑے شہروں میں پھرتے تھے ان کا رابطہ اپنے رفیقوں اور داعیوں سے بھی ہوتا تھا پھر ان کے سپرد کسی کا قتل لگایا جاتا تو ان کی مدد وہاں کے رفیق اور داعی کرتے تھے اس طرح حسن بن صباح نے ایران، عراق، مصر اور تمام افریقی ممالک میں فدائیوں کا ایک جال بچھا دیا تھا۔

"میں خاتون سے گفتگو کر
چاہئے کہ بادشاہ، بادشا

حسن بن صباح بڑا کینہ پرور شخص تھا اسے نظام الملک طوسی وزیراعظم ملک شاہ سے سخت دشمنی پیدا ہو گئی تھی جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ نظام الملک اور حسن بن صباح ایک مکتب میں ایک ہی مولوی سے تعلیم حاصل کرتے تھے پھر جب نظام الملک وزیراعظم ہو گیا تو حسن بن صباح اس کے پاس مدد کے لئے پہنچا تو نظام الملک نے اسے ایک اچھے عہدے پر لگا دیا مگر اس احسان فراموش نے اپنے دوست اور محسن ہی کی جڑیں کاٹنا شروع کر دیں چنانچہ ملک شاہ سلجوق نے حسن بن صباح کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

حسن بن صباح واقعی اس قابل تھا کہ اسے فوراً قتل کر دیا جائے مگر نیک دل نظام الملک کو پھر بھی اپنے دوست کا خیال آگیا اور اس نے حسن بن صباح کی جان بخشی کرا دی نظام الملک کے اس سلوک کے باوجود حسن بن صباح کے دل میں نظام الملک کے خلاف کدورت اور کینہ بھرا ہوا تھا اس زمانہ میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے حسن بن صباح کی طاقت میں بغیر اس کی کوشش کے اضافہ ہو گیا یہ واقعہ تھا سلجوقیوں اور باطنیوں کی جنگ کا۔

اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ احمد بن عطاش نے قلعہ شاہ در پر قبضہ کر کے وہاں باطنی حکومت قائم کر لی تھی یہ علاقہ چونکہ سلجوق سلطان ملک شاہ کی حدود میں واقع تھا اس لئے سلجوقی فوجوں نے قلعہ شاہ در کا محاصرہ کر لیا یہ محاصرہ اس قدر

تیدہ راسخ کرا دیا تھا کہ ہر عمل
سخت تھا کہ احمد بن عطاش صلح کرنے اور جان بچانے پہ مائل... ونا کے لوگ مرنے
اس سلسلہ میں احمد بن عطاش نے ایک وفد سلجوق افواج ...

پاس بھیجا اور اس سے درخواست کی کہ قلعہ شاہ در پر حملے بند کر دیئے جائیں اور صلح کی شرائط طے کی جائیں لیکن سلجوق سردار نے وفد کو یہ جواب دیا کہ اس کے پاس صلح کرنے کے اختیارات نہیں ہیں اس وفد کے بارے میں دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کی سرداری ایک خاتون کے سپرد تھی خاتون کا نام بقرائی خاتون تھا اور وہ احمد بن عطاش کی بیوی تھی۔

جس وقت سلجوق سردار نے صلح کی بات چیت کرنے سے انکار کیا اس وقت بقرائی خاتون نے اس گفتگو میں دخل دیا اس نے کہا۔

"معزز سردار" آپ تجربہ کار ہیں اس لئے یہ ضرور جانتے ہوں گے کہ میدان جنگ میں تمام اختیارات صرف اس شخص کے ہاتھ میں ہوتے ہیں جس کے ہاتھ میں فوج کی کمان ہوتی ہے۔

بقرائی خاتون کی بات معقول تھی سلجوق سردار کو کوئی معقول جواب نہ سوجھ رہا تھا چنانچہ اس نے بات کو ٹالنے کے لئے کہا۔

"یہ میدان جنگ ہے یہاں عورتوں کا کوئی کام نہیں"۔

"معزز سردار" بقرائی خاتون نے اسے آڑے ہاتھوں لیا "آپ نے یہ بات کہہ کے نہ صرف خواتین کے حقوق کی پامالی کی ہے بلکہ ان کی توہین بھی کی ہے پہلے میں آپ کو بتاتی ہوں کہ میں کون ہوں اور اس وفد میں میرے شامل ہونے کی کیوں ضرورت پیش آئی میرا نام بقرائی خاتون ہے اور میں "شاہ در" کے حکمران احمد بن عطاش کی بیوی ہوں لہٰذا قلعہ کی حکمرانی میں جس قدر احمد بن عطاش کو دخل ہے اتنا ہی حق مجھے بھی حاصل ہے میرا خیال ہے کہ اس وضاحت کے بعد معزز سردار میری بات پر غور کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہوں گے؟"۔

بقرائی خاتون نے اتنی جرات سے گفتگو کی کہ سلجوق سردار حیران رہ گیا پھر بھی اس نے اپنی بات اونچی رکھنے کے لئے کہا۔

"میں خاتون سے گفتگو کرنے پر تیار ہوں مگر انہیں یہ بھی تو معلوم ہونا چاہئے کہ بادشاہ' بادشاہ ہی ہوتا ہے ہمارے بادشاہ سلجوق سلطان ملک شاہ ہیں ان کا حکم ہے کہ قلعہ شاہ در دشمن سے چھین لیا جائے اس حکم کی خلاف ورزی ہم کیسے کر سکتے ہیں؟"۔

بقرائی خاتون نے فوراً جواب دیا۔

"میں آپ سے کب کہہ رہی ہوں کہ آپ سلطان ملک شاہ کے حکم کی خلاف ورزی کیجئے میں تو یہ درخواست کر رہی ہوں کہ جنگ بند کر کے صلح کی گفتگو کی جائے سلطان نے آپ کو قلعہ پر قبضہ کرنے کا حکم دیا ہے ہم قلعہ آپ کے حوالے کرنے پر آمادہ ہیں مگر ہماری بھی کچھ شرطیں ہیں ان پر بھی غور کیا جانا چاہئے"۔

بقرائی خاتون نے اپنی باتوں سے سردار کو اس قدر مائل کیا کہ اس نے مجبور ہو کے کہا۔

"میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ مجھے ہر صورت میں قلعہ شاہ در کا قبضہ چاہئے رہا خاتون کی طرف سے شرائط پیش کرنے کا مسئلہ تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ مجھے شرائط طے کرنے کا اختیار نہیں اب وہ خود ہی بتائیں کہ اس سلسلے میں' میں ان کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟"۔

بقرائی خاتون نے کہا۔

"میں سلجوق سردار کی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری باتوں پر توجہ دی میں یہ جانتی ہوں کہ انہیں شرائط طے کرنے کا اختیار نہیں ٹھیک ہے سلجوق سردار اسے شرائط طے نہ کریں مگر ہماری شرائط سلجوق سلطان کے ملاحظہ کے لئے تو بھیجی جا سکتی ہیں؟"۔

"ٹھیک ہے شرائط دربار سلطانی میں بھیجی جا سکتی ہیں مگر کس طرح؟" سلجوق سردار نے بقرائی خاتون کی بات مانتے ہوئے ایک نیا مسئلہ چھیڑ دیا۔

"سلجوق سردار اس کے لئے فکر مند نہ ہوں" عقلمند بقرائی خاتون نے جیسے

اس کا جواب پہلے ہی سوچ رکھا تھا" سلطانی دربار میں شرائط میں خود جا کے پ کروں گی۔ آپ مہربانی فرما کے اس وقت تک قلعہ پر حملے بند کرا دیں جب تک سلطانی دربار سے ہماری شرائط کا کوئی فیصلہ نہیں ہوتا؟"۔

سلجوق سردار نے کہا۔

"ہاں یہ بات میرے اختیار میں ہے تم سلطان کے سامنے شرائط پیش سکتی ہو ہم جنگ اس وقت تک بند رکھیں گے"۔

بقرائی خاتون خوش ہو گئی اس نے کہا۔

"سلجوق سردار کی اس دوسری مہربانی کے لئے میں دوبارہ شکریہ ادا ک ہوں اس کے ساتھ ہی ایک گزارش اور کروں گی"۔

"اور کیا چاہتی ہو تم؟" سلجوقی سردار کا مزاج شاید کچھ برہم ہو گیا۔

بقرائی خاتون نے سلجوقی سردار کے مزاج میں اس تبدیلی کو فوراً" محسوس لیا اور بڑی لجاجت سے بولی۔

"میری درخواست ہے کہ مجھے سلطان کے پاس آپ کے فوجی پہرے بھیجا جائے؟"۔

سلجوق سردار کا خیال تھا کہ بقرائی خاتون شاید کوئی اور شرط پیش کر مسئلہ کو طول دینا چاہتی ہے مگر جب اس نے خود کو سلجوق پہریداروں کی حفا میں سلطان کے پاس بھیجنے کی درخواست کی تو اس کا برہم مزاج خود ہی درست گیا۔

اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"بقرائی خاتون اطمینان رکھیں ہم ان کے محفوظ سفر کے ذمہ دار ہیں ا سخت پہرے میں سلجوق دربار میں روانہ کیا جائے گا کیا وہ اسی وقت جانا چاہتی "۔

"اسی وقت تو نہیں مگر میں آج ہی روانہ ہوں گی" بقرائی خاتون نے میں قلعہ واپس جا رہی ہوں وہاں احمد بن عطاش سے آپ سے گفتگو کی تفصیل کروں گی پھر ان سے سفر کی اجازت لے کر آجاؤں گی"۔

سلجوق سردار نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا بقرائی خاتون اپنے وفد کے ساتھ قلعہ واپس گئی کچھ دیر شوہر اور دوسرے سرداروں سے گفتگو کی احمد بن عطاش اور دوسرے لوگ اس بات سے بہت خوش ہوئے کہ ان کی جان بخشی کی ایک صورت پیدا ہو گئی ورنہ اب قلعہ والوں کی مدافعت تقریباً" ختم ہو چکی تھی گفتگو کے بعد بقرائی خاتون پھر حملہ آور فوج کے سردار کے پاس واپس آئی سردار نے اس کی روانگی کے لئے حفاظتی دستہ تیار کرا دیا تھا۔ بقرائی خاتون اس دستہ کے ساتھ سلجوق دربار میں پیش ہونے کے لئے روانہ ہو گئی۔

بقرائی خاتون کو معلوم تھا کہ سلطان ملک شاہ پر اس کی چھوٹی بیگم ترکان خاتون کا بہت اثر ہے اس لئے اس کے اصفہان پہنچنے سے پہلے ملکہ ترکان خاتون سے ملنے کی کوشش کی ملکہ ترکان خاتون بڑے جاہ و جلال اور طنطنے والی خاتون تھی اس نے باقاعدہ اپنی وزارت قائم کر رکھی تھی اور اس کے وزیر کا نام تاج الدولہ (تاج الملک) تھا جو براہ راست ملکہ اور سلطان ملک شاہ کو جوابدہ تھا وہ وزیراعظم نظام الملک کے ماتحت نہ تھا اس لئے ان دونوں میں خوب چشمک رہتی تھی۔

ملکہ ترکان خاتون سے ملنے سے پہلے اس ملکہ کے وزیر خاص تاج الدولہ سے ملنا تھا جس دن بقرائی خاتون، تاج الدولہ سے ملنے ملکہ کے محل پر پہنچی تو یہ اتفاق تھا یا بقرائی خاتون کی خوش قسمتی کہ بقرائی خاتون نے ابھی تاج الدولہ سے نام بتانے کے بعد اپنا مقصد بیان کرنا شروع کیا تھا کہ ملکہ ترکان خاتون اپنے وزیر کے دفتر میں پہنچ گئی۔

تاج الدولہ اس کے استقبال کے لئے اٹھا تو بقرائی خاتون کو معلوم ہو گیا کہ یہی ترکان خاتون ہے چنانچہ جب ترکان خاتون، وزیر سے گفتگو کرنے کے بعد جانے لگی تو وزیر نے بقرائی خاتون کو اشارہ کیا کہ وہ ملکہ سے اپنا مقصد بیان کرے۔

بقرائی خاتون فوراً" سنبھلی اور ملکہ کو سلام پیش کرنے کے بعد گویا ہوئی۔

"اے ملکہ عالم! میں بہت دور سے آپ کی خدمت میں اپنی عرضداشت

پیش کرنے حاضر ہوئی ہوں امید ہے ملکہ عالیہ مجھے اذن گفتگو عطا فرمائیں گی؟"۔

ملکہ ترکان نے وزیر کی طرف دیکھا۔

"تاج الملک تم نے سن لی ہوتی ان کی بات؟"۔

"ملکہ عالیہ!" تاج الملک نے ادب سے جواب دیا یہ کسی دور دراز سے آئی ہیں ظاہر ہے کہ خود کسی مصیبت میں گرفتار ہیں مجھے ان کی عرضداشت آپ ہی کے حضور پیش کرنی تھی اس لئے میں نے ان کے اطمینان اور وقت بچانے کی خاطر یہی بہتر سمجھا کہ یہ براہ راست اپنی عرضداشت آپ کے سامنے پیش کریں"۔

"ٹھیک ہے۔ ملکہ ترکان خاتون وزیر کی گدے دار کوچ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"اچھا تم بتاؤ۔ تمہارا نام کیا ہے اور تم کس مقام سے آئی ہو؟"۔

"ملکہ عالم۔ مجھ بد نصیب کا نام بقرائی خاتون ہے" اس نے مظلوم اور معصوم صورت بناتے ہوئے کہا" میں طالقان کے علاقہ سے آئی ہوں میرا شوہر احمد بن عطاش قلعہ شاہ در کا حاکم ہے"۔

"تو کیا تمہارا شوہر تمہیں تکلیف دیتا ہے؟" ملکہ نے اندازے سے پوچھا۔

"نہیں ملکہ عالم۔ بقرائی خاتون نے فوراً" انکار کیا" میرا شوہر مجھ پر بہت اچھا سلوک کرتا ہے۔ بات یہ ہے کہ قلعہ شاہ در کو آپ کے لشکر نے گھیر رکھا ہے اور اس پر قبضہ کرنا چاہتا ہے"۔

ملکہ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"خاتون۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم سلطنت کے انتظامی معاملات میں دخل نہیں دے سکتے اس لئے تمہیں وزیراعظم نظام الملک سے ملنا چاہئے تھا"۔

بقرائی خاتون کو یہ معلوم تھا کہ قلعہ شاہ در کی فتح کے لئے نظام الملک کے حکم سے لشکر بھیجا گیا ہے اس لئے اس نے کہا۔

"ملکہ عالم۔ قلعہ پر فوج کشی وزیراعظم کے حکم سے ہوئی ہے جبھی تو میں آپ کے پاس فریاد لے کر حاضر ہوئی ہوں"۔

"یہ تو ٹھیک ہے خاتون" ملکہ نے افسوس سے کہا" یہ تو بالکل فوجی ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ قلعہ پر فوج کشی کیوں کی گئی ہے دوسرے یہ کہ عالیجاہ نے مجھے تاکید کی ہے کہ میں کسی ملکی انتظامی یا فوجی معاملہ میں کسی قسم کی سفارش نہ کروں"۔

"ملکہ عالیہ! بقرائی خاتون نے مستقل مزاجی سے کہا" یہ مسئلہ صرف فوجی نہیں بلکہ انسانی بھی ہے قلعہ پر زبردستی قبضہ سے قلعہ کی تمام آبادی قتل ہو جائے گی روز حشر آپ کو اپنے خدا کے سامنے اس کا جواب دینا ہو گا۔

اس وقت ملکہ ترکان خاتون کے وزیر تاج الملک نے دخل دیا۔

"ملکہ عالیہ۔ میں اس پر تھوڑی سی روشنی ڈالتا ہوں تاکہ آپ حملہ کے پس منظر سے واقف ہو جائیں اور اس خاتون کو بھی معلوم ہو جائے کہ قلعدار شاہ در اور اس کے گروہ کے بارے میں مسلمانوں کا کیا خیال ہے"۔

ملکہ پھر بیٹھ گئی اور بولی۔

"بتاؤ تاج الملک ہم تفصیل سننا پسند کریں گے؟"۔

تاج الملک نے بتانا شروع کیا۔

"ملکہ عالم! قلعہ شادر ہماری مملکت سلجوقیہ کا ایک اہم حصہ ہے اس پر ہماری طرف سے قلعہ دار مقرر ہوتے تھے احمد بن عطاش سے پہلے جو قلعدار تھا وہ بڑا دیندار تھا اور علماء اور فضلاء کی بہت عزت کرتا تھا اسکے پاس احمد کا باپ عطاش گیا اور اس پر اپنی دینداری اور عبادت و ریاضت کا ایسا سکہ بیٹھایا کہ قلعدار بالکل اس کے قابو میں آگیا عطاش دراصل فرقہ باطنیہ کا امام تھا وہی نیا فرقہ ہے جو اندر ہی اندر اسلام کی جڑیں کھودتا ہے چنانچہ عطاش نے"۔

ملکہ ترکان خاتون بددلی ہو کر کھڑی ہو گئی۔

"تاج الملک۔ تم عطاش کی بات کر رہے ہو مگر اس وقت تو اس کا بیٹا احمد بن عطاش قلعہ کا حاکم ہے یہ خاتون اس کی بیوی ہے اگر عطاش "باطنی" یا کچھ بھی تھا تو اس کی سزا اس کے بیٹے اور بہو کو کیوں دی جا رہی ہے؟"۔

"ملکہ عالم! تاج الملک نے جواب دیا"احمد بن عطاش اپنے باپ سے زیادہ

مسلمانوں کی جڑیں اکھاڑنے میں لگا ہوا تھا اس نے ہمارے مقرر کئے ہوئے قلعدار کو قتل کر کے یہ بات مشہور کی تھی کہ قلعدار اپنی طبعی موت مرا ہے پھر اس نے سلطان کو فریب دے کر قلعہ کی حکومت خود حاصل کر لی اور یہ قلعہ اب بے دین باطنیوں کا گڑھ بن گیا ہے لوٹ مار، قتل و غارت گری ان لوگوں کا پیشہ بن گیا ہے ہزاروں درخواستیں سلطان کے حضور پیش کی گئی تھیں تب ان کے خلاف فوجی کارروائی کا آغاز کیا گیا تھا"۔

ملکہ نے بقرائی خاتون کی طرف دیکھا۔

"کیوں تم اس سلسلہ میں کیا کہتی ہو اور کیا چاہتی ہو؟"۔

بقرائی خاتون نے مستقبل مزاجی سے کہا۔

"ملکہ عالیہ۔ مردوں کی باتیں مرد ہی جانیں میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ تمام قلعہ والوں کی جان بخشی کی جائے"۔

"مگر قلعہ کا کیا بنے گا؟ یہ سوال بجائے ملکہ کے اس کے وزیر نے کیا۔

بقرائی خاتون جس نے ملکہ کو دکھانے کے لئے آنسو بہانا شروع کر دیئے تھے روتے ہوئے کہا۔

"جہنم میں جائے قلعہ آپ ہماری جان بخشی کرا دیجئے ہم قلعہ خود چھوڑ دیں گے"۔

ملکہ آخر عورت تھی اس کا دل پسیج گیا بولی۔

"ٹھیک ہے ہم تم لوگوں کی جان بخشی کے لئے سلطان سے بات کریں گے مگر تمہیں قلعہ شاہ در شاہی فوج کے حوالے کرنا ہو گا؟"۔

بقرائی خاتون خوش ہو گئی آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔

"میں عمر بھر ملکہ عالم اور سلطان کو دعائیں دیتی رہوں گی جان کی امان کا حکم ملتے ہی قلعہ خالی کر دیا جائے گا"۔

چونکہ بقرائی خاتون نے ملکہ ترکان خاتون کے جذبہ انسانیت کو آواز دی تھی اس لئے ملکہ نے اس سے انسانی ہمدردی ہی کے تحت جان بخشی کا وعدہ کر لیا

بقرائی خاتون نے ملکہ کے وعدہ کرنے پر ایک اور درخواست پیش کی۔

"ملکہ عالم! آپ کی بہت مہربانی ہو گی اگر آپ جان بخشی کا فرمان مجھے عنایت فرما دیجئے میں شاہی فرمان لے کر فوراً شاہ در پہنچنا چاہتی ہوں تاکہ قلعہ والوں کی جان بچ جائے"۔

"اچھا تم گھبراؤ نہیں" ملکہ ترکان نے اسے تسلی دی تم مہمان خانہ میں چلو ہم سلطان کو"۔

اسی وقت ملکہ کی نظر ایک کنیز پر پڑی جو اندر کی طرف جا رہی تھی ملکہ نے تاج الملک سے کہا۔

"شاہی کنیز ہمارے پاس جا رہی ہے اسے یہیں بلوا لو؟"۔

"تاج الملک نے باہر کی طرف دیکھا پھر ایک غلام کو حکم دیا کہ وہ شاہی کنیز کو اس طرف بلا لے ملکہ عالم یہاں تشریف رکھتی ہیں"۔

غلام دوڑ کے شاہی کنیز کو بلا لایا کنیز نے ملکہ عالم کے سامنے پہلے مجرا پیش کیا پھر عرض کیا۔

"عالیجاہ نے دریافت فرمایا ہے کہ اگر ملکہ سلجوق مصروف نہ ہوں تو وہ تشریف لے آئیں؟"۔

ملکہ ترکان خاتون کے چہرے پر تبسم کھل گیا۔

"سلطان سے کہا جائے کہ ملکہ چشم براہ ہیں حضور تشریف لے آئیں"۔

بقرائی خاتون خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھی۔

"ملکہ عالم۔ عالیجاہ تشریف لا رہے ہیں آپ"۔

فکر نہ کرو بقرائی خاتون ہمیں اپنا وعدہ یاد ہے ملکہ نے بقرائی خاتون کو دوبارہ تسلی دی تم مہمان خانہ میں قیام کرو۔ جان بخشی کا پروانہ تمہیں وہیں پہنچ جائے گا اگر تم واپسی کے لئے کہو تو تمہیں شاہی دستے کے ساتھ بھیجا جا سکتا ہے"۔

"ملکہ عالم کا بہت بہت شکریہ" بقرائی خاتون نے کہا " مجھے اپنی جان کی کوئی فکر نہیں میں اپنے دو محافظوں کے ساتھ آئی تھی ان ہی کے ساتھ واپس چلی جاؤں

گی"۔

ملکہ ترکان خاتون کچھ دیر وزیر تاج الملک سے گفتگو کر کے محل میں واپس چلی گئیں اس کے وہاں پہنچتے ہی سلطان کی سواری کی آمد کا غلغلہ ہوا سلطان ملک شاہ کو اپنی دوسری ملکہ یعنی ترکان خاتون سے بہت محبت تھی مگر عجیب بات یہ تھی کہ اس کی راتیں اپنی دوسری بیوی زبیدہ کے محل میں گزرتی تھیں زبیدہ اس کی پہلی بیوی تھی اس کا بیٹا برکیارق اس کے بعد تخت و تاج کا حقدار تھا لیکن ملکہ ترکان خاتون برکیارق کے بجائے اپنے صغیرالسن بیٹے محمود کوسلطان بنانے کی فکر میں تھی۔

ولی عہدی کے اس جھگڑے میں سلطانی امراء اور وزراء دو حصوں میں تقسیم ہو گئے تھے وزیراعظم نظام الملک نے علی الاعلان شہزادہ برکیارق کی حمایت کی تھی جس کی وجہ سے ترکان خاتون اس کے خلاف ہو گئی تھی اور وہ ہر بات میں نظام الملک کی کاٹ کرتی تھیں سلطان ملک شاہ بڑے بیٹے برکیارق کے حق میں تھا مگر ترکان خاتون کی وجہ سے کھل کے کچھ نہ کہتا تھا اس سلسلہ میں ہی ترکان خاتون نے سلطان سے ایک ضد باندھ لی تھی وہ کئی ماہ سے سلطان سے ضد کر رہی تھی کہ ابّ وہ پہلی ملکہ زبیدہ کے محل میں رات گزارنے کی بجائے اس کے محل میں "قصر ترکان" میں رات گزارا کرے مگر سلطان نے اب تک ملکہ کا یہ مطالبہ تسلیم نہیں کیا تھا۔

ملکہ ترکان خاتون نے سلطان ملک شاہ کا اپنی مسکراہٹوں سے استقبال کیا۔ سلطان اسے ساتھ لئے ملکہ کی خوابگاہ میں داخل ہوا سلطان، ملکہ کی مسہری پر ٹیک لگا کے بیٹھ گیا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

"آنکھیں کھولئے عالیجاہ" ملکہ نے مسکراتے ہوئے کہا "یہ بوڑھی ملکہ زبیدہ خاتون کا محل نہیں، بلکہ ملکہ ترکان خاتون کی خوابگاہ ہے"۔

سلطان نے فوراً آنکھیں کھول دیں اور تلخ مسکراہٹ کا جواب نرم مسکراہٹ سے دیتے ہوئے کہا۔

"ترکان خاتون کیا تم نہیں جانتیں کہ پرانے چاول کا بھاؤ زیادہ ہوتا ہے؟"۔

"سلطان نے درست فرمایا" ملکہ ترکان خاتون جل کے بولی "پرانے چاول ضرور مزہ دیتے ہیں لیکن بوڑھی گھوڑی کے لئے شاہی اصطبل میں کوئی جگہ نہیں ہوتی"۔

"سبحان اللہ ہماری ملکہ کس قدر ذہین اور حاضر جواب ہیں" سلطان نے اپنی شرمندگی چھپاتے ہوئے کہا اسی لئے تو ہم دن کی روشنی میں ترکان خاتون کی خوابگاہ میں آتے ہیں اور رات کی تاریکیوں میں اپنا چہرہ زبیدہ کے محل میں چھپانے چلے جاتے ہیں"۔

"سلطان کی حاضر جوابی بھی قابل رشک ہے" ترکان خاتون نے فوراً سلطان کی تعریف شروع کر دی مبادا کہ سلطان کا مزاج برہم نہ ہو جائے کیا ترکان خاتون خوش قسمت نہیں کہ اسے ایک عظیم اور قابل فخر سلطان کی محبت نصیب ہے"۔

کچھ دیر دونوں طرف خاموشی رہی پھر اچانک سلطان نے سوال کیا۔

"یہ آج ملکہ کو کیا ضرورت پڑ گئی تھی کہ وہ خود تاج الملک کے دفتر میں تشریف لے گئی تھیں جبکہ اسے اپنے پاس بھی بلوایا جا سکتا تھا؟"۔

ملکہ ترکان خاتون کو اس سوال پر سخت غصہ آیا مگر اس نے خود کو فوراً سنبھالا اور جواب دیا۔

"عالیجاہ کو شاید یہ علم نہیں کہ ترکان خاتون دن میں ایک دو بار اپنے پورے محل کا چکر ضرور لگاتی ہیں اس سے تنہائی کی کلفت بھی دور ہوجاتی ہے اور میں ان فریادیوں سے بھی مل لیتی ہوں جن کی وزیراعظم کے پاس شنوائی نہیں ہوتی اور وہ میرے پاس فریاد لے کے آتے ہیں"۔

ترکان خاتون نے اپنے مکمل اور مدلل جواب نے نہ صرف سلطان کو مطمئن کر دیا بلکہ اس نے ملکہ کا وزیراعظم سے نفرت کا اظہار بھی محسوس کر لیا۔

سلطان نے فرمایا۔

"ترکان ہمارا دل تمہاری طرف سے بالکل صاف ہے"۔

"جان ترکان کنیز کا دل بھی اپنے آقا کی طرف سے بالکل صاف ہے"۔
سلطان ملک شاہ جب ملکہ سے محبت کا اظہار کرتا تو اسے صرف "ترکان" سے مخاطب کرتا تھا اس کے جواب میں ملکہ سلطان کو "جان ترکان" کے الفاظ سے جواب دیتی تھی ملکہ نے سلطان کو خوش دیکھ کر کہا۔

"قلعہ شاہ در کے متعلق آپ کی کیا اطلاعات ہیں؟"۔

ملکہ کے سوال پر سلطان چونکا۔

"ہماری ملکہ نے ملکی معاملات میں کب سے دلچسپی لینا شروع کر دی؟"۔

"عالیجاہ۔ ملکہ نے بڑے پیار سے کہا" یہ ملکی نہیں بلکہ ایک انسانی مسئلہ ہے"۔

"وہ کس طرح' کچھ ہمیں بھی بتایا جائے؟" سلطان نے سوال در سوال کیا۔

ملکہ اٹھلا کے بولی۔

"سوال میں نے کیا تھا مگر حضور نے جواب دینے کی بجائے مجھ سے سوال پر سوال کرنا شروع کر دیئے اگر سلطان مجھے دلیلوں سے قائل کرنا چاہتے ہیں تو میں اپنی شکست تسلیم کر لیتی ہوں"۔

"شکست ہو آپ کے دشمنوں کو سلطان مسکرایا ہم جانتے ہیں کہ ہماری ملکہ ترکان خاتون عقل و دانش میں یکتا ہے ہم تو آپ کی ذہانت کا امتحان لیتے ہیں"۔

"بہت خوب عالیجاہ ملکہ اور زیادہ اٹھلائی حضور نے کس خوبی سے میرے سوال کو ٹالا ہے ٹھیک ہے اگر عالیجاہ جواب دینے پر آمادہ نہیں تو میں خاموش ہوئی جاتی ہوں"۔

"ارے تم تو ناراض ہو گئیں ترکان" سلطان نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا ہم کان میں پڑی ہوئی بات بھولا نہیں کرتے تم نے ہم سے قلعہ شاہ در کے بارے میں سوال کیا تھا ہر چند کہ اس قلعہ سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ پھر ہم بتاتے ہیں یہ قلعہ ہماری سرکار میں واقع ہے اس پر فریب کاری کے ذریعہ ایک بے دین نے قبضہ کر لیا اور اسے مرکز بنا کر خلق خدا کو تنگ کرنا شروع کر دیا ہم نے وہاں ایک لشکر بھیجا ہے کہ قلعہ کو بازیاب کیا جائے اور تمام بے دینوں کو تہہ تیغ کر دیا جائے اور کچھ پوچھنا ہے ہماری ملکہ کو؟"۔

"جی ہاں عالیجاہ۔ ملکہ نے کہا" اب پوچھنا یہ ہے کہ اگر قلعہ والے اپنی شکست تسلیم کر لیں تو پھر ان سب کو تہہ تیغ کیوں کیا جائے؟"۔

سلطان نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

"آج ہماری ملکہ بڑی سنجیدہ گفتگو فرما رہی ہیں آخر آپ چاہتی کیا ہیں؟"۔

"میں چاہتی ہوں کہ جب قلعہ والے اپنی شکست تسلیم کر رہے ہیں تو انکی جان بخشی کیوں نہیں کی جاتی؟"۔

"ٹھیک ہے وہ شکست تسلیم کریں ہم ان کی جان بخشی کر دیں گے"۔

"سلطان یہ فرمان جاری فرما دیں؟"۔

"مگر ملکہ ترکان خاتون پہلے اس بات کا ثبوت پیش کریں کہ قلعہ والے قلعہ حوالے کرنے پر تیار ہیں"۔

ملکہ نے اپنی کنیز سے کہا۔

"قلعہ شاہ در سے آنے والی عورت کو بلا لے آؤ"۔

کنیز تیز قدموں سے ادھر روانہ ہوئی ملکہ نے سلطان کو بتایا۔

"عالیجاہ قلعہ دار شاہ در احمد بن عطاش کی بیوی بقرائی خاتون فریاد لے کر آئی ہے کہ قلعہ دار اس شرط پر قلعہ حوالے کرنے پر آمادہ ہے کہ قلعہ والوں کی جان بخشی کی جائے مگر آپ کا سلجوق سردار کہتا ہے کہ اسے صلح کرنے کی اجازت نہیں"۔

ملکہ کی بات ختم ہوئی تھی کہ ملکہ کی کنیز بقرائی خاتون کو لے کر آگئی بقرائی خاتون نے جھک کر سلطان کو تسلیم پیش کی۔

ملکہ نے تعارف کرایا۔

"عالیجاہ۔ یہ ہے قلعہ شاہ در کے قلعہ دار احمد بن عطاش کی بیوی بقرائی خاتون یہ فریاد لے کر آئی ہے کہ اس کا شوہر جان بخشی کے بدلے قلعہ شاہی لشکر

کے حوالے کرنے پر تیار ہے مگر شاہی لشکر کا سردار صلح کرنے پر تیار نہیں وہ سب کو قتل کرنا چاہتا ہے"۔

"ٹھیک ہے" سلطان مسکرایا ہم ملکہ ترکان کی خاطر قلعہ والوں کی جان بخشی کا حکم دیتے ہیں"۔

بقرائی خاتون فوراً" سجدے میں چلی گئی پھر سر اٹھا کر بولی۔

"ملکہ عالیہ اور سلطان معظم قیامت تک زندہ رہیں۔"

سلطان نے کہا۔

"تم جانا چاہتی ہو تو جا سکتی ہو ہم فرمان جاری کر دیں گے"

"نہیں بقرائی خاتون" ملکہ نے دخل کیا" تم مہمان خانہ میں ٹھہرو ہم سلطان سے فرمان جاری کرا کے تمہارے پاس بھیج رہے ہیں"۔

بقرائی خاتون خوشی خوشی مہمان خانہ میں چلی گئی ملکہ ترکان خاتون نے فوراً" شاہی فرمان لکھنے والے کو طلب کیا وہ آیا۔سلطان نے مشروط فرمان جاری کیا کہ اگر احمد بن عطاش قلعہ خالی کر دے تو کسی کو قتل نہ کیا جائے اور انہیں قلعہ سے جانے دیا جائے۔

شاہی فرمان لے کر بقرائی خاتون اپنے قلعہ کی طرف واپس گئی ادھر جب وزیراعظم نظام الملک طوسی کو معلوم ہوا کہ سلطان نے شاہی فرمان کے ذریعہ قلعہ والوں کی جان بخشی کر دی ہے تو غصہ میں آیا اور افسوس بھی ہوا اس نے فرمان کی نقل منگا کر پڑھی فرمان کی تحریر بالکل واضح تھی۔

وزیراعظم نظام الملک کو معلوم تھا کہ شاہ در کو احمد بن عطاش کے باطنی فرقہ کا مرکز بنایا ہے اور قلعہ میں سوائے باطنی گروہ کے اور کوئی دوسرا شخص نہیں رہتا اسی لئے اس نے شاہی لشکر کو شاہ در جاتے وقت حکم دیا تھا کہ قلعہ پر قبضہ کے بعد کسی مرد کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔

نظام الملک اپنے دفتر میں تمام دن بڑ بڑاتا اور ٹہلتا رہا سلطان' ملکہ ترکان کے محل میں تھا اور نظام الملک کو وہاں جانے کی اجازت نہ تھی وزیراعظم شام تک

یشان رہا جب عصر کی نماز کے بعد سلطان' ملکہ کے محل سے برآمد ہوا تو وزیراعظم فوراً" سلطان سے ملا اور قلعہ شاہ در کا قصہ چھیڑا۔

سلطان نے وزیراعظم کو بتایا۔

"قلعہ دار کی بیوی ہمارے پاس آئی تھی اس نے درخواست کی کہ احمد بن عطاش قلعہ خالی کرنے پر آمادہ ہے صرف اپنی اور قلعہ والوں کی جان بخشی چاہتا ہے درخواست معقول تھی ہم نے جان بخشی کا فرمان جاری کر دیا"۔

"عالیجاہ" نظام الملک نے خدشہ کا اظہار کیا قلعہ شاہ در میں باطنیوں کا مرکز ہے تمام بڑے بڑے باطنی سردار' داعی' رفیق اور دیگر لوگ وہاں جمع ہیں اگر انہیں چھوڑ دیا گیا تو وہ پورے علاقے میں پھیل جائیں گے اور پہلے سے زیادہ ادھم ائیں گے"۔

سلطان نے بڑی متانت سے کہا۔

"نظام الملک" یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ قلعہ میں ان کے علاوہ ہمارے مذہب ے بھی کچھ لوگ موجود ہیں وہ تو بے گناہ ہیں ان کا قتل تو کسی طرح جائز نہیں میں رمان واپس نہیں لے سکتا۔

"سلطان معظم" نظام الملک بولا" بے شک بے گناہ بھی ہوں گے لیکن احمد ا عطاش تو بے گناہ نہیں اس کے سر کئی سو مسلمانوں کے قتل کا الزام ہے"۔

سلطان نے وزیراعظم کو زیادہ بے چین دیکھا تو کہا۔

"اگر ایسا ہے تو احمد بن عطاش کو قتل کرا دوں؟"۔

وزیراعظم کو ذرا اطمینان ہوا بولا۔

"مگر عالیجاہ تو سب کی جان بخشی کا حکم صادر فرما چکے ہیں؟"۔

"حکم ہم نے صادر کیا ہے تو کیا ہم اپنے حکم میں ترمیم نہیں کر سکتے؟ طان نے مسکراتے ہوئے کہا" تم ہمارے حوالے سے حکم جاری کرو کہ احمد بن اش کے لئے معافی نہیں اس بے دین کو سرعام قتل کیا جائے"۔

سلطان کے حکم کے بعد وزیراعظم نظام الملک نے سلطان کا حوالہ دیتے

ہوئے شاہ در پر حملہ آور سلجوق سردار کو ایک نامہ بھیجا کہ سلطان کے فرمان پر پوری طرح عمل کیا جائے سوائے اس کے کہ احمد بن عطاش کو معافی کا حکم معطل سمجھا جائے اور اسے سربازار پھانسی دی جائے۔

نظام الملک نے یہ خط ایک تیز رفتار قاصد کے ہاتھ روانہ کیا قاصد نظام الملک کا خط لے کر شاہ در پہنچا تو اس نے دیکھا کہ قلعہ کا محاصرہ ختم کر دیا گیا ہے اور وہاں کے رہنے والے اپنا سامان اٹھا کر قلعہ سے باہر جا رہے ہیں ہوا یہ تھا کہ بقرائی خاتون سلطان کا فرمان لے کر بڑی تیز رفتاری سے قلعہ شاہ در پہنچی تھی اس نے سلطان کا فرمان سلجوق سردار کو دکھایا سردار نے اسی وقت محاصرہ اٹھانے کا حکم دیا اور اس کے ساتھ ہی اعلان کرا دیا کہ سلطان نے اہل قلعہ کی جان بخشی کا حکم دے دیا ہے اس لئے قلعہ سے جانے والوں کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔

بقرائی خاتون محاصرہ اٹھتے ہی قلعہ میں پہنچ گئی اور اس نے اپنے شوہر احمد بن عطاش کو تمام حالات سے آگاہ کر دیا احمد بن عطاش نے تمام باطنیوں کو حکم دیا کہ اس قلعہ سے نکل کر حسن بن صباح کے قلعہ الموت کی طرف روانہ ہو جائیں احمد بن عطاش نے ایک تیز رفتار سوار کے ذریعہ حسن بن صباح کو اطلاع دی کہ اسے فوجی دباؤ کے تحت قلعہ شاہ در چھوڑنا پڑ رہا ہے اس لئے وہ اس کے گروہ (باطنیہ) کو اپنے قلعہ میں پناہ دے باطنی فرقہ والے بڑی تیزی سے قلعہ خالی کر رہے تھے احمد بن عطاش اور اس کی بیوی بقرائی خاتون بھی قلعہ سے جانے کے لئے تیار ہو چکے تھے اس وقت وہ گھوڑوں پر سوار قلعہ کے صدر دروازہ سے فاصلے پر کھڑے تھے احمد بن عطاش ہنس ہنس کے بیوی سے باتیں کر رہا تھا اس کی ہمت اور جرات کی داد دے رہا تھا کہ اس وقت سلجوق فوج کا ایک دستہ تیزی سے قلعہ میں داخل ہوا۔

سلجوق دستہ کا انداز دیکھ کر احمد بن عطاش کو خطرہ محسوس ہوا اس نے بیوی سے کہا۔

"بقرائی میری چھٹی حس پھڑک رہی ہے اس وقت سلجوق دستہ کا قلعہ میں آنا اور ان کے آنے کا انداز خطرے سے خالی نہیں کیوں نہ ہم ان کی نظر بچا کے دوسرے گیٹ سے نکل چلیں؟"۔

بقرائی خاتون بھی گھبرا گئی تھی وہ کچھ جواب دینے ہی والی تھی کہ سلجوق دستہ کے ایک سوار نے اپنا گھوڑا اس کی طرف موڑ دیا اب وہ تیزی سے اسی طرف آ رہا تھا۔

"یہ سلجوق لشکر کا سردار ہے۔ بقرائی خاتون نے شوہر سے سرگوشی میں کہا۔
"

احمد بن عطاش پریشان ہو کر آنے والے کو دیکھنے لگا۔

سردار نے بقرائی خاتون کے پاس پہنچ کے کہا۔

"مجھے افسوس ہے بقرائی خاتون کہ آپ کو اس وقت زحمت دینا پڑی مگر آپ کو فکر کی ضرورت نہیں سلطان نے آپ کی جان بخشی فرمائی ہے آپ کو کوئی خطرہ نہیں"۔

برقائی خاتون اور احمد بن عطاش کے چہرے فق ہو چکے تھے سردار کی گفتگو سے انہیں اطمینان ہوا بقرائی خاتون نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی اور کہا۔

"فرمایئے معزز سردار" آپ نے کس لئے زحمت کی؟"۔

سلجوق سردار کا دستہ اس وقت تک ان کے پاس پہنچ چکا تھا سردار نے احمد بن عطاش کو دلچسپی اور تجسس سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کے ساتھ کون صاحب ہیں؟"۔

"یہ --- یہ--- " آواز بقرائی خاتون کے حلق میں اٹک گئی۔

سردار مسکرایا اور بولا۔

"میں سمجھ گیا یہ آپ کے شوہر احمد بن عطاش ہیں"۔

"جی جی ہاں بقرائی خاتون کی آواز لرز رہی تھی۔

ایک دو لمحے خاموشی طاری رہی بقرائی خاتون اور احمد بن عطاش کے لئے

یہ لمحے اس قدر جاں گسل تھے جیسے انہیں پہاڑ کے نیچے دبایا جارہا ہو مگر پھر ... کی آواز ابھری۔

"ٹھیک ہے بقرائی خاتون آپ جا سکتی ہیں"۔

دونوں کی ڈوبتی نظریں پھر چلنے لگیں چہرے پر بحالی آگئی بقرائی خاتون نے شکرگزار نظروں سے سلجوق سردار کو دیکھا پھر اپنے شوہر سے کہا۔

"چلو احمد"۔

"آپ جا سکتی ہیں بقرائی خاتون احمد بن عطاش آپ کے ساتھ نہیں جائیں گے" یہ آواز سلجوق سردار کی تھی جو بجلی بن کر دونوں پر گری۔

بقرائی خاتون نے اپنے حواس درست کئے اور بڑی جرات سے کہا۔

"سلجوق سردار! میں نے آپ کو آپ کے سلطان کا فرمان دیا ہے آپ اس کے حکم کی خلاف ورزی کیوں کر رہے ہیں؟"۔

"خاتون ہم مجبور ہیں"۔

"خیال رہے آپ اپنے سلطان کی حکم عدولی کے مجرم ہو رہے ہیں"۔

"میرے پاس وزیراعظم کا حکم پہنچا ہے کہ احمد بن عطاش کی جان بخشی کا حکم منسوخ کیا جاتا ہے" سردار نے بڑے الفاظ میں بتایا۔

مگر بقرائی خاتون مطمئن نہ ہوئی اس نے کہا مگر سلطان کے فرمان کو وزیر کیسے منسوخ کر سکتا ہے۔

سردار نے وضاحت کی۔

"وزیراعظم نے اپنے حکم میں لکھا ہے کہ یہ حکم سلطان کی اجازت سے جارہا ہے"۔

"وزیراعظم غلط لکھ سکتا ہے" بقرائی خاتون نے جان سے بے پروا ہو کر جرح شروع کر دی۔"

"مزید بحث کی ضرورت نہیں تم جا سکتی ہو بقرائی خاتون سلجوق سردار نے تند و تیز لہجے میں کہا اور اپنے فوجیوں کو حکم دیا۔

"احمد بن عطاش کو گرفتار کر لو"۔

احمد بن عطاش نے تلوار کھینچنے کی کوشش کی مگر سلجوق سردار کی تلوار کی نوک اس کے سینے پر پہنچ چکی تھی۔ اس کا ہاتھ تلوار کی طرف جاتے جاتے واپس آگیا سلجوق سواروں نے احمد بن عطاش کو گرفتار کر لیا سردار اور سوار احمد بن عطاش کو لے کر چلے گئے۔ بقرائی خاتون دیر تک وہیں گم سم کھڑی رہی پھر سر جھکائے ایک طرف چلی گئی۔

قلعہ شاہ در پھر سلجوق سلطنت میں شامل کر لیا گیا احمد بن عطاش کو نہ صرف قتل کیا گیا بلکہ اس کی کھال کھینچ کر اس میں بھوسہ بھرا گیا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جب بقرائی خاتون کو اپنے شوہر کے انجام کا علم ہوا تو وہ یہ صدمہ برداشت نہ کر سکی اور اس نے خود کشی کر لی۔

پھر جب باطنی گروہ در گروہ قلعہ الموت پر پہنچے تو ان کے لئے دروازہ نہیں کھولا گیا باطنیوں نے حسن بن صباح کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمارے امام احمد بن عطاش، قلعہ شاہ در خالی کر کے پناہ کے لئے پاس آرہے تھے مگر سلجوق لشکر نے انہیں گرفتار کر کے قتل کر دیا اب آپ ہی ہمارے خلیفہ اور امام ہیں آپ ہمیں پناہ دیں ہم حکم بجا لانے پر ہر دم آمادہ پائیں گے۔

شاید احمد بن عطاش کے قتل کی بات سن کر حسن بن صباح باطنیوں کو اپنے قلعہ میں پناہ دینے پر آمادہ ہو گیا ان کے لئے قلعہ کا دروازہ کھول دیا گیا حسن بن صباح نے خود قلعہ کے اندر انہیں خوش آمدید کہا اور اپنے صباحیوں کو حکم دیا کہ آج سے یہ لوگ تمہارے دینی بھائی ہیں ان کے قیام و طعام کا انتظام کیا جائے۔ اور انہیں کام پر لگایا جائے۔

احمد بن عطاش کے قتل سے باطنیوں کا خاتمہ ہو گیا اور باطنیوں نے قلعہ الموت میں رہ کر حسن بن صباح کے لئے اتنے بڑے بڑے کام کئے جو اس کے فدائی بھی نہ کر سکتے تھے حقیقت یہ ہے کہ باطنیوں کے قلعہ الموت میں آجانے سے حسن بن صباح کی طاقت میں زبردست اضافہ ہو گیا تھا۔

باطنیوں کا بحرین کا مرکز پہلے ختم ہو چکا تھا اب اصفہان کا مرکز ختم ہوا تو باطنیہ فرقہ بالکل بے سہارا ہو گیا اس فرقہ کے وہ لوگ جو حسن بن صباح کے پاس پہنچے اور اسے اپنا امام تسلیم کیا وہ تو محفوظ رہے مگر وہ چھوٹے بڑے باطنی سردار جو عراق اور فارس کے دور دراز علاقوں میں پھیلے داعیوں کے فرائض انجام دے رہے تھے اور ان میں تو بعض باطنی چھوٹے چھوٹے قلعوں پر بھی قابض تھے انکی مصیبت آگئی مسلمانوں نے انہیں چن چن کر ختم کرنا شروع کر دیا۔

باطنیوں کی اس طرح موت کی خبریں کسی نہ کسی ذریعہ سے قلعہ الموت تک پہنچ جاتی تھیں جنہیں سن کر قلعہ الموت کے باطنی بہت پیچ و تاب کھاتے تھے مگر کسی کی یہ ہمت نہ پڑتی تھی کہ حسن بن صباح سے ان کی سفارش کرے اور انہیں قلعہ الموت میں لانے کا انتظام کیا جائے پھر ایک دن ایسا ہوا کہ اصفہان سے آئے ہوئے چند باطنی سرداروں نے آپس میں مشورہ کیا کہ وہ سب حسن بن صباح سے اس سلسلہ میں گفتگو کریں اور اپنے دینی بھائیوں کو بچانے کی کوشش کریں۔

اس مشورہ کے فوراً بعد یہ سردار جن کی تعداد بائیس کے قریب تھی شیخ الجبل امام حسن بن صباح کے حضور پہنچے حسن بن صباح کا دربار چوبیس گھنٹے لگا رہتا تھا خواہ وہ موجود ہو یا نہ ہو دربار میں لوگ سر جھکا کے بیٹھے رہتے تھے اور ان کی گفتگو سرگوشیوں میں ہوتی تھی جس وقت باطنی سردار دربار میں پہنچے تو حسن بن صباح وہاں موجود نہ تھا پس یہ لوگ امام کے انتظار میں مودب ہو کے بیٹھ گئے۔

حسن بن صباح کسی ضروری کام میں مصروف تھا اس لئے اسے اپنے دربار

[آ]نے میں دیر لگی اس کا دربار اس کے محل کا ہی ایک حصہ تھا ہم حسن بن صباح [کے] محل اور دربار کی تفصیل اس لئے بیان نہیں کر رہے کہ قاری پہلے ہی قلعہ الموت کی جنت کا تھوڑا بہت حال سن کے حیران ہو چکے ہیں اور شاید اب تک حیران ہو رہے ہوں گے ہاں اس محل اور دربار کی ایک خصوصیت یہاں بیان کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کا تعلق اس واقعہ سے ہے جو اس وقت دربار میں پیش آیا۔

حسن بن صباح کے محل کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے محل کے کسی بھی کمرے یا حصے میں ہوتا تو بھی اسے اپنے دربار کے بارے میں وہ بات معلوم ہو جاتی تھی جو درباری اپنے طور پر پوشیدہ طور پر کرتا تھا صرف دربار کی بات نہ تھی بلکہ حسن بن صباح اپنے محل میں بیٹھے بیٹھے اپنی پوری جنت کے ہر حصہ کو اس طرح دیکھتا تھا جیسے وہ خود جنت میں موجود ہے چنانچہ اس کی جنت کے ہر چھوٹے بڑے کارکن کے دماغ میں یہ چیز بیٹھ گئی تھی کہ ان کا امام اپنی امامت کی طاقت سے تمام پوشیدہ چیزوں اور باتوں کو اپنے محل میں بیٹھے بیٹھے دیکھتا ہے اور اکثر لوگوں کے سامنے اس کا اظہار بھی کرتا ہے۔

آج کل کے دور میں یہ بات زیادہ اہمیت نہیں رکھتی کیونکہ اب تو امریکہ والے اپنے آلات جاسوسی کے ذریعہ ہمارے ملک کے تمام حالات وہیں بیٹھے بیٹھے دیکھ لیتے ہیں مگر اب سے ایک ہزار سال پہلے اس طرح کا انتظام کرنا جادوگری یا شعبدہ بازی سے کم نہ تھا دراصل حسن بن صباح نہ صرف خود بڑا عالی دماغ انسان تھا بلکہ اس نے ایشیاء اور افریقہ اور یورپ کے ذہین لوگوں کو وہاں سے اٹھوا کے اپنے قلعہ میں بند کر دیا تھا انہیں سوائے باہر جانے کے اور ہر قسم کی آزادی تھی اور ان کے لئے حکم تھا کہ وہ جس چیز کی بھی فرمائش کریں اسے بلا تامل مہیا کر دیا جائے۔

ان ہی ذہین انسانوں میں سے ایک نے جگہ جگہ آئینے اس طرح نصب کرائے تھے کہ ایک جگہ کا منظر ایک آئینہ سے منتقل ہو کر دوسرے آئینہ میں جاتا تھا پھر اسی طرح مختلف آئینوں سے ہوتا ہوا حسن بن صباح کے محل کے مختلف کمروں، راہداریوں درپائیں باغ تک میں نصب کئے ہوئے آئینوں میں نظر آتا تھا۔ مگر یہ آئینے اس قدر پوشیدہ طریقے سے پوشیدہ جگہ پر لگائے گئے تھے کہ وہ عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہتے

کافی وقت گزرنے کے بعد حسن بن صباح دربار میں آیا اس کے آگے پ
اور دائیں بائیں کوئی محافظ نہ تھا وہ بالکل تنہا تھا وہ دربار میں داخل ہوا تو تمام دربا
اس کے استقبال کو کھڑے ہو گئے پھر اس نے اپنی مسند پر بیٹھنے کے بعد ہاتھ
درباریوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تو سب نے اپنی اپنی جگہ سنبھال لی ان میں وہ باطنی سر
بھی تھے جو حسن بن صباح سے اپنے دینی بھائیوں کی مدد کے لئے درخواست کرنے آ
تھے۔

یہ باطنی سردار جب اپنی جگہ بیٹھے تو انہوں نے محسوس کیا کہ ان سے
فاصلہ پر ایسے لوگ آ کے کھڑے ہو گئے ہیں جو پہلے اس جگہ موجود نہیں تھے حسن
صباح نے اپنا درس شروع کیا اس کا کام صرف درس دینا تھا وہ دربار آنے کا سخت پا
تھا مگر اس کے دربار آنے اور جانے کے وقت مقرر نہ تھے دن کے کسی وقت بھی
دفتر آسکتا تھا اس لئے اس کے وہ درباری جنکا کام ہی صرف دربار میں آ کر اس کا در
سنتا تھا وہ تمام لوگ دن چڑھتے ہی دربار آجاتے اور چراغ جلے تک وہاں مو
رہتے۔

قلعہ الموت پر قبضہ کے بعد تقریباً" دو سال تک اس نے اپنے اعلان کر
اصولوں کی سخت پابندی کرائی یہاں تک کہ اس کے دونوں بیٹے معمولی کوتاہیوں کی
پر موت کے گھاٹ اتر گئے اپنے بیٹوں کی گردن زدنی کا حکم خود حسن بن صباح نے
تھا دونوں بیٹے اس کی نظروں کے سامنے ہی قتل کئے گئے مگر اس کے چہرے پر ایک
ہلکی سی شکن بھی نہ پڑی اور نہ کسی درباری نے ان کے قتل پر آنسو بہائے۔

قلعہ کے قواعد و ضوابط میں کسی کے قتل پر آنسو بہانا بھی جرم تھا اور اس کی
سزا بھی موت ہی تھی اکثر ایسا ہوتا کہ کسی سلطنت کا کوئی قاصد حسن بن صباح سے
ملاقات کے لئے آتا تو اس دن قلعہ والوں کی عید ہو جاتی تھی۔ حسن بن صباح اپنے
پیروکاروں کے دل میں یہ بات راسخ کرا دی تھی کہ جو شخص بھی حسن بن صباح کے
کہنے پر یا اشارے پر خودکشی کر لے گا اپنے آپ کو ہلاک کرے گا وہ ہمیشہ کے
لئے جنت میں چلا جائے گا۔

قلعہ میں کسی اجنبی کے آتے ہی قلعہ کے تمام لوگ جنت حاصل کرنے

میں مرنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے حسن بن صباح کا یہ طریقہ تھا کہ وہ
مہمان کو اپنے قلعہ کے دفاعی انتظامات کی چند جھلکیاں ضرور دکھاتا تھا چنانچہ
حسن بن صباح اپنے مہمان کے ساتھ ٹہلتا ہوا کسی برج کے سامنے کھڑا ہو جاتا برج
پر فدائیوں کا پہرہ ہوتا تھا حسن بن صباح کو دیکھ کے برج کے پہریداروں کا سردار
حسن بن صباح کو برج سے پہلے فوجی سلام پیش کرتا اس وقت حسن بن صباح مسکرا
کے اپنے مہمان کو دیکھتا پھر سلام کرنے والے سردار کو انگلی سے اشارہ کرتا اور وہ
سردار ایک لمحہ ضائع کئے بغیر حسن بن صباح کے اشارہ پر برج سے نیچے کی طرف
چھلانگ لگا دیتا۔

حسن بن صباح کا مہمان یہ دیکھ کر ہکا بکا رہ جاتا اس کی حیرانی اس وقت
اور زیادہ ہو جاتی جب حسن بن صباح مسکرا کے مہمان سے کہتا۔

"دیکھا تم نے جس قلعہ میں ایسے جانباز موجود ہوں جو میرے اشارہ پر برج
سے گر کر جان دے دیتے ہیں اس قلعہ کی طرف دیکھنے کی کس کی ہمت ہو سکتی
ہے؟"۔

"بے شک بے شک" مہمان کے منہ سے نکلتا اور وہ اپنے خشک ہونٹوں پر
زبان پھیرنے لگتا۔"

حسن بن صباح مہمانوں کی موجودگی کے دوران اپنے کئی کئی فدائین کو
موت کے حوالے کر دیتا تھا اس سے اس کا مقصد مہمان پر یہ ظاہر کرنا ہوتا تھا کہ
اس کی ذات اور اس کا قلعہ ناقابل تسخیر ہیں کیونکہ اس کی فوج کا ہر سپاہی ہر لمحہ
مرنے پر تیار رہتا ہے۔

دربار میں آنے کے بعد حسن بن صباح نے اپنا درس شروع کیا مگر آج یہ
درس نئے انداز کا تھا حسن بن صباح نے ان بائیس باطنیوں کی طرف اشارہ کرتے
ہوئے کہا۔

"ہم نے ان باطنیوں کی مدد اس لئے کی تھی کہ یہ لوگ ہمارے پاس پناہ
لینے آئے تھے ہم نے رحم کھاتے ہوئے ان کو پناہ دی اور اپنے جان نثاروں کی

طرح انہیں ہر قسم کی مراعات سے سرفراز کیا مگر ان باطنیوں میں یہ لوگ وہ ہیں جو اپنی جائے پناہ یعنی یہ قلعہ اور اپنے امام یعنی میرے بارے میں سوچنے اور شکر ادا کرنے کی بجائے دوسروں کی فکر میں دبلے ہو رہے ہیں ان لوگوں کے پاس ہمارے داعیوں' رفیقوں اور فدائین کے بارے میں کچھ سوچنے کی فرصت نہیں مگر یہ ان باطنیوں کے بارے میں فکر مند ہیں جو قلعوں پر قابض ہیں حکومتی عہدوں پر فائز ہیں اور عیش و آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ لوگ آج ہمارے سامنے ان باطنیوں کو بچانے کی سفارش لے کے آئے ہیں جنہوں نے آج تک وقت کے امام سیدنا حسن بن صباح کو نہیں پہچانا اور نہ کبھی اپنے منہ سے ان کا نام لیا کیا ایسے لوگوں کی مدد کی جا سکتی ہے؟"۔

"نہیں ہرگز نہیں کے جواب سے پورا دربار گونج اٹھا۔

حسن بن صباح اپنی جگہ سے اٹھ کے کھڑا ہو گیا اور بڑی نفرت سے بولا۔

"میں حکم دیتا ہوں کہ ان احسان فراموشوں' ناشکروں اور نافرمانوں کو قتل کر دیا جائے"۔

اس حکم کی تصدیق میں حسن بن صباح نے اپنا دایاں ہاتھ بلند کیا جس کی صرف ایک انگلی کھلی ہوئی تھی اور وہ اوپر نیچے حرکت کر رہی تھی۔

حسن بن صباح کی انگلی کا اس طرح کھڑا ہونا اور حرکت کرنا دراصل قتل کی تصدیق ہوتا تھا پس لوگ چاروں طرف سے اس بائیس آدمیوں کے گروہ پر ٹوٹ پڑے انہیں آواز پیدا کرنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی ان کے سینوں میں فدائیوں کے خنجر اتر گئے یہ تھا انجام اس احتجاج کا جو زبان پر آنے سے پہلے ہی دم توڑ گیا۔

حسن بن صباح فدائیوں کا آلہ قتل "خنجر" ہوا کرتا تھا وہ اپنے شکار کے قریب پہنچ کے اچانک اس پر حملہ آور ہوتے اور ان کا خنجر کسی آواز کے بغیر ان کے شکار کے دل میں اتر جاتا ہر فدائی کو یہ سبق پڑھایا جاتا تھا کہ اسے اپنے امام کے حکم کی تعمیل کرنا ہے کیونکہ اس کا امام دنیا سے ان لوگوں کو نیست و نابود کرنا چاہتا ہے جو صباحی عقیدہ کے قائل نہیں فدائی کو یہ بھی باور کرایا جاتا تھا کہ وہ دشمن کو قتل کرتے ہی جنت کا حقدار ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ زندہ رہے خواہ گرفتار ہو کر قتل کر دیا جائے لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ خود کو بچالے اور اگر گرفتار ہونے کا خطرہ ہے تو خود کو خنجر مار کے ختم کر لے۔

حسن بن صباح کے پاس دو قسم کی فوجیں تھی ایک فوج کے سپرد صرف قلعہ کا دفاع تھا یہ پوری فوج فدائین پر مشتمل تھی اس کے ہر سپاہی کو چھ ماہ بعد ایک ہفتہ کے لئے جنت کی سیر کرائی جاتی تھی مگر انہیں جنت میں لے جانے اور وہاں سے واپس لانے کا سب کے لئے ایک ہی طریقہ تھا اس بات کا خیال رکھئے کہ اس قلعہ کی جنت کی تمام چیزیں مصنوعی تھیں مگر انہیں اس قدر صناعی اور کمال سے بنایا گیا تھا وہاں کے جانے والے یہی سمجھتے تھے کہ خدا اور رسول نے جس جنت کا ذکر کیا ہے یہ وہی جگہ ہے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ حسن بن صباح نے اس جنت میں دودھ کی نہریں بہائی تھیں پانی کی جگہ اس میں ہر دم دودھ بہتا تھا یہ دودھ بھی نقلی نہیں بلکہ اصلی بالکل اصلی تھا اس دودھ کے اوپر کشتیاں اس طرح رواں دواں رہتی تھیں جیسے عام نہروں میں کشتیاں چلتی ہیں اس دودھ کی نہر اور دودھ کی اصل کیا تھی اس کا حال ہم مختصر طور پر یہاں پر درج کرتے ہیں۔

جنت کی نہریں تو اصلی تھیں ان نہروں کو سنگتراشیوں نے پہاڑوں کے درمیان بڑی حکمت اور صنعت سے تراشا تھا اور ان کے گرد پتھروں کی جالیاں کھڑی کی گئی تھیں قلعہ الموت اندر ہی اندر کئی میل لمبا اور چوڑا تھا اس کی بلندی مختلف مقام پر مختلف تھی بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ یہ کئی قطعات پر مشتمل تھی اور اس کے ہر قطعہ پر مختلف قسم کی عمارتیں' باغات اور روشیں اور راہداریاں تھیں حسن بن صباح نے ہر حصہ کو ایک جنت کا نام دیا تھا اور یہ نام وہی تھا جس کا ذکر مسلمانوں کی مذہبی کتب میں لکھا گیا ہے۔

ان جنتوں میں بہشت بریں' فردوس اور ارم زیادہ مشہور تھیں اور جنت

میں جانے والوں کو راستے میں اس جنت اور اس کی خوبیوں اور دلچسپیوں سے آگاہ کیا جاتا تھا جہاں اسے لے جایا جارہا ہوتا تھا نہروں میں دودھ کے بہنے کا انتظام اس طرح کیا گیا تھا کہ قلعہ الموت سے دو میل کے فاصلہ پر قلعہ کے برابر بلندی پر ایک بہت بڑا حوض بنوایا گیا تھا اس حوض میں کئی راستے یا گیٹ تھے جنہیں جب کھولا جاتا تھا تو حوض کا دودھ اس گیٹ کے ذریعہ نہروں میں داخل ہوتا تھا اور اندر ہی اندر بنی ہوئی یہ نہریں اس دودھ کو قلعہ کی مختلف جنتوں میں پہنچاتی تھیں۔

یہاں پر یہ بھی بتا دیا جائے کہ اس حوض تک دودھ پہنچانے کے لئے کئی ہزار گوالوں (دودھ بیچنے والے) کی خدمات حاصل کی گئی تھیں اور انہیں بازار کے ریٹ سے دگنی قیمت ادا کی جاتی تھی قیمت ادا کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ ہر گوالے کو پیشگی قیمت ادا کی جاتی تھی وہ بھی گوالے کے تخمینے سے دوگنی رقم کی لین دین باقاعدہ اندراج ہوتا تھا اور خریدار کے بجائے فروخت کنندہ ہمیشہ مقروض پایا جاتا تھا نہروں میں بہنے والا دودھ جنت کے باغوں سے گزر کر ایک گہرے غار میں گرتا تھا یہ غار کس قدر گہرا تھا اس کا پتہ لگانے کی کسی نے کوشش نہیں کی۔

جنت کے باغوں میں درختوں پر جو پرندے چہچہاتے تھے وہ چاندی سونے سے بنائے جاتے تھے جن پر بالکل اصل جیسا رنگ و روغن ہوتا تھا سب سے بڑی کاری گری تھی کہ ہوا کے چلنے کے ساتھ ان پرندوں سے بالکل اصلی آواز بلند ہوتی تھی جو بالکل پہچاننے میں نہیں آتی تھی اگر آوازوں میں کچھ فرق بھی ہوتا تو وہ اس وجہ سے قابل غور نہ ہوتا تھا کہ اس جنت کی سیر کو جو لوگ آتے تھے وہ نیم مدہوش ہوتے تھے اور وہاں قیام کے دوران بھی نیم بے ہوش رہتے تھے۔

جنت کی سیر کرنے والوں کی نیم بے ہوشی کی وجہ سے انہیں حشیش کا شربت پلا کے جنت میں لایا جاتا تھا اور انہیں وقفہ وقفہ سے شربت کے یہ گلاس پلائے جاتے تھے تاکہ وہ عالم بیداری اور عالم خواب کی درمیانی کیفیت میں رہیں اور جب تک وہاں رہیں تو خود کو بیدار سمجھتے رہیں حالانکہ وہ حشیش کے اثر سے ...ب کے عالم میں ہوتے تھے۔

پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ حشیش بھنگ کی پتی کو کہتے ہیں اس پتی کو اگر گھونٹ کر اور پیس کر چینی کے شربت میں ملا دیا جائے یہ ایک خوشگوار مشروب بن جاتا اور پیتے وقت انسان کو بہت ٹھنڈک پہنچاتا ہے اس لئے اس کو ٹھنڈائی بھی کہا جاتا ہے حشیش یعنی بھنگ کی اس پتی کو نشہ آور کیفیت کو معلوم کرنے والا پہلا شخص حسن بن صباح تھا۔ حسن بن صباح نے اس پتی کے خوشگوار نشہ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور ہزاروں آدمیوں کو جنت ارضی کی سیر کرا کرا سے اصلی جنت کے فریب میں مبتلا رکھا۔

حسن بن صباح کا طریقہ واردات یہ تھا کہ اس کے داعی اور رفیق، شام و عراق اور فارس کے تمام بڑے بڑے شہروں میں گردش کرتے رہتے اور ایسے جوانوں کو تلاش کرتے جو انتہائی ضرورت مند ہوتے حسن بن صباح نے انسانی فطرت کا بڑا گہرا مطالعہ کیا تھا اس کا خیال تھا کہ محبت، دشمنی اور حسد یہ تین ایسے جذبے ہیں جن کی تکمیل کے لئے انسان جان کی بازی لگانے سے دریغ نہیں کرتا چنانچہ اس نے اپنے داعیوں اور رفیقوں کو اس بات کی تربیت دی تھی تو وہ صرف ایسے جوانوں کو جنت کی سیر اور تکمیل آرزو کا یقین دلائیں جو محبت کے مارے ہوں کسی بڑے آدمی سے نفرت کرتے ہوں یا پھر کسی سے حد درجہ حسد کرتے ہوں۔

قلعہ الموت میں آنے سے پیشتر حسن بن صباح لوگوں کو اپنی عبادت و ریاضت کے فریب میں مبتلا کرتا تھا خواتین کے معاملہ میں وہ آنکھوں کی طلسمی کشش کو بھی بروئے کار لاتا تھا مگر اب طاقت حاصل کرنے کے بعد بلکہ لا محدود طاقت حاصل کرنے کے بعد حسن بن صباح نے داداگیری کا انداز اختیار کر لیا تھا اس کے چھوٹے کارکن خاص کر قلعہ میں پناہ لینے والے باطنی فرقے والے تو لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کرتے تھے اور جو کچھ حاصل ہوتا اس کا بڑا حصہ قلعہ کے بیت المال میں جمع کرا دیتے تھے مسلمانوں کا قتل ان کے لئے کار ثواب اور ان کا مال و متاع ان کے لئے جائز تھا۔

داداگیری کا یہ طریقہ کار تھا کہ اردگرد کے چھوٹے زمینداروں ا۔

جاگیرداروں پر اس نے سالانہ ٹیکس لگا دیا تھا وہ ایک معقول رقم ہر سال ان سے وصول کرتا اور اس کے صلہ میں ان کی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا تھا اگر ان پر کوئی طاقتور زمیندار یا جاگیردار حملہ کرتا تو حسن بن صباح کی فوج اس کی مدد کو پہنچ جاتی تھی۔

اس تجربہ کے بعد اس نے دوسرا بڑا قدم اٹھایا شام و عراق اور فارس میں بہت سی چھوٹی ریاستیں تھیں ان میں اختلاف پیدا ہوتا تو دونوں حسن بن صباح کی مدد حاصل کرنے کے لئے قلعہ الموت میں اپنے وفد بھیجتے اور جو زیادہ رقم دیتا حسن بن صباح اپنی فوج بھیج کر اسے فتح دلا دیتا غرضیکہ دونو اشخاص دو زمینداروں' دو ریاستوں یا دو امراء اور گورنروں میں اختلاف ہوتا تو وہ حسن بن صباح کی مدد کی خواہش کرتے اور یہ ان سے منہ مانگا معاوضہ حاصل کرتا۔

یوں قلعہ الموت اور اس کا شیطان حکمران حسن بن صباح آہستہ آہستہ بغداد کی خلافت عباسیہ' مصر کی خلافت فاطمیہ کے علاوہ اس دور کی سب سے بڑی سلطنت سلجوق کے حکمران سلطان ملک شاہ سلجوق کے سامنے ایک برابر کی طاقت بن کے ابھری' اس طرح سلطنت سلجوق کے وزیراعظم نظام الملک طوسی اور قلعہ الموت کا شیطان حسن بن صباح جو بچپن میں گہرے دوست اور جوانی میں ایک دوسرے کے مخالف ہوگئے تھے وہ ایک بار پھر ایک دوسرے کے مقابلہ پر آ گئے۔

سلطان ملک شاہ کے پاس حسن بن صباح کے کرتوتوں کی خبریں تواتر سے پہنچ رہی تھیں مگر سلطان اپنے اندرون معاملات میں کچھ ایسا الجھا ہوا تھا کہ اس نے حسن بن صباح کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی بلکہ ایک دن رداروی میں کہا۔

"نظام طوسی ذرا معلوم تو کرو کہ حسن بن صباح کی حقیقت کیا ہے یا لوگوں نے اسے خواہ مخواہ ہوا بنا رکھا ہے؟"۔

"بہتر عالی جاہ! نظام الملک نے سر جھکا کر کہا" شیطان حسن بن صباح نے قلعہ الموت کو اپنا مستقر بنایا ہے اس قلعہ کے متعلق عام طور سے کہا جاتا ہے کہ قلعہ کافی بلندی پر ہے اور اوپر جانے کے راستے نہایت پر خطر ہیں"۔

سلطان مسکرایا اور بولا۔

"ہم نے یہ سنا ہے کہ وہ ڈاکوؤں اور لٹیروں کا بہت بڑا پیر بن گیا ہے اور اس نے اپنے محل میں خوبصورت عورتوں کا بازار لگایا ہے؟"۔

"عالیجاہ نے درست فرمایا" نظام الملک نے بھی مسکراتے ہوئے کہا "عالیجاہ وہ بچپن ہی سے حسن پرست تھا صرف دس سال کی عمر میں وہ خوبصورت عورتوں کو دیکھ کر ہنس دیا کرتا تھا اور عورتیں بھی اسے دیکھ کے مسکراتی تھیں ایک بار ایسا ہوا کہ ہم سب بچے طوسی کے مکتب کے استاد امام موفق کے پاس بیٹھے تھے کہ امام کے پاس ایک نہایت خوبصورت عورت آئی اور اس نے حسن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ مولانا اس بچے کو سمجھایئے یہ راہ چلتی عورتوں کو آنکھیں مارتا ہے امام نے اس عورت کو سمجھا بجھا کے واپس کر دیا پھر حسن سے پوچھا کہ تو ایسی حرکت کیوں کرتا ہے تو اس نے بڑی دلیری سے جواب دیا کہ امام محترم میں کیا کروں؟ ان جیسی خوبصورت عورتوں کو دیکھ کے میری دونوں آنکھیں خود بخود پھڑکنے لگتی ہیں پتہ نہیں یہ میری شکایت کرنے کیوں آ گئیں جبکہ دوسری عورتوں کو جب میں آنکھ مارتا ہوں تو وہ خوب ہنستی ہیں اور کئی تو میرا ہاتھ پکڑ کے دباتی ہیں"۔

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارا دوست بچپن ہی سے بہت دلچسپ اطوار کا مالک ہے" سلطان نے ہنستے ہوئے کہا" اگر یہ زندہ گرفتار ہو کے آئے تو ہم اس سے گفتگو کرنا پسند فرمائیں گے"۔

"بہت اچھا عالیجاہ" نظام الملک نے جواب دیا مگر حسن جتنے دلچسپ اطوار کا مالک تھا اس سے زیادہ بدکار اور احسان فراموش بھی ہے"۔

سلطان نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

"اس کے کردار کے اس پہلو کا مظاہرہ تو ہم دیکھ چکے ہیں ہمارا خیال ہے پہلے تم اسے کچھ لالچ دے کر رام کرو۔ کیونکہ کام کا آدمی معلوم ہوتا ہے ہاں اگر کی طرح اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو پھر اسے پوری طرح نیست و نابود کر دو"

"نظام الملک خود بھی حسن بن صباح کو قرار واقعی سزا دینا چاہتا تھا یونکہ حسن نے اپنے رہزن قسم کے تبلیغوں اور فدائین جیسے جاں بازوں کے ذریعہ سینکڑوں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور حسن بن صباح کے نام کی دہشت کا یہ عالم تھا کہ امراء اور وزراء اپنے ایوانوں میں سوتے سوتے جاگ اٹھتے تھے کہ کہیں حسن بن صباح کا کوئی فدائی انہیں قتل کرنے تو نہیں آگیا ہے اسے حسن بن صباح کی لا محدود طاقت کی بھی خبر دی گئی تھی اس لئے وہ فوج کشی سے پہلے حسن بن صباح کی پوری طاقت سے باخبر ہونا چاہتا تھا۔

سلطان نے اسے حسن بن صباح کے پاس سفارت بھیجنے کا حکم دیا تو وہ اس سے بہت خوش ہوا اس طرح اس کا بھیجا ہوا سفیر یا سفراء کم از کم قلعہ الموت کے بارے میں اگر تفصیلی نہیں تو تھوڑے بہت حالات تو اسے بتا سکتے تھے چنانچہ اس نے کسی معقول سفیر کی تلاش شروع کی وہ ایک ایسا سفیر چاہتا تھا جو اسے حسن بن صباح کی فوجی طاقت کا اندازہ بتانے کے علاوہ قلعہ کے خفیہ راستوں کا بھی کچھ اتہ پتہ دے سکے۔

ابھی وہ سفیر کا تقرر کرنہ پایا تھا کہ دربار میں ایک پرانے جھگڑے نے پھر سر اٹھایا یہ جھگڑا سلطان ملک شاہ کی ولیعہدی کا تھا سلطان کا بڑا بیٹا برکیارق' ملکہ زبیدہ کے بطن سے تھا برکیارق ایک معقول جوان تھا اور دربار کے امراء اسے پسند بھی کرتے تھے مگر سلطان کی چھوٹی اور محبوب ملکہ ترکان خاتون اپنے صغیر السن بیٹے محمود کو ولیعہد بنانے پر زور دے رہی تھی ملکہ ترکان خاتون کا سلطان پر اس قدر اثر تھا کہ سلطان نے اس کے لئے باقاعدہ ایک وزارت قائم کر دی تھی جو براہ راست ملکہ کو جوابدہ تھا۔

ہم تاج الملک (تاج الدولہ) کا تذکرہ پہلے بھی کر چکے ہیں وہی اس فتنہ کی جڑ تھا اس نے ملکہ کے دماغ میں یہ بات ڈالی تھی کہ اگر اس نے اپنے بیٹے کو ولیعہد نہ بنوایا تو سلطان کے بعد برکیارق بغیر کسی پریشانی کے تخت و تاج پر قبضہ کرلے گا اور اسے قید کر کے اقتدار سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دے گا یہی نہیں

بلکہ برکیارق اس کے کمسن بچہ محمود کو بھی قتل کرا دے گا تاکہ یہ جھگڑا ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔

ترکان خاتون کی پہلی اولاد ایک بیٹی تھی جس کی شادی عباسی خلیفہ مقتدی سے ہوئی تھی اس شادی کی سب سے دلچسپ بات یہ تھی کہ مقتدی کی ساس ترکان خاتون نے داماد پر یہ پابندی لگائی تھی کہ خلیفہ مقتدی اس کی بیٹی سے شادی کرنے کے بعد اپنی کسی دوسری بیوی یا لونڈی سے تعلق نہیں رکھے گا یعنی وہ سیدھا سادہ مسلمان بن کے صرف اپنی بیوی پر قناعت کرے گا اور کسی دوسری طرف نظر اٹھا کے دیکھے گا بھی نہیں۔

مگر ہمارے خلفاء کرام جو نائب رسول کہلاتے تھے ان میں سوائے خلفاء راشدہ یعنی حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمان غنی اور حضرت علی اور چند دوسرے خلفاء کے باقی تمام خلفاء خواہ وہ اموی خلیفہ ہوں یا عباسی' فاطمی اور عثمان خلفاء تمام کے تمام خلفاء نہیں بلکہ بادشاہ اور مطلق العنان بادشاہ ہوئے ہیں ان کے عالیشان محلات غلاموں اور کنیزوں سے بھرے ہوتے اور درباروں میں وہ لوگوں کو اپنے سامنے رکوع تک جھکا کر سلام قبول کرتے تھے یہ ایک تاریخی حقیقت اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ہمارے بعض خلفاء کے شاہی محلات میں چار ہزار تک کنیزیں موجود تھیں جو بے شمار بیگمات کی خدمت کے علاوہ خلیفہ کی ہر جائز و ناجائز حکم کی پابند تھیں کیونکہ اسلام میں زر خرید لونڈی کو جائز قرار دیا گیا ہے حالانکہ اسلام میں یہ بات مشروط ہے اور ان شرطوں کو پورا کرنا ضروری ہوتا ہے

اسلامی معاشرہ میں عام طور پر بڑے بیٹے کو وارث بنایا جاتا ہے مگر بادشاہی میں کوئی ایسی روایت نہیں تھی وہاں تو جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ تھا چنانچہ ترکان خاتون نے اپنے وزیر تاج الملک کے سبز باغ دکھانے پر سلطان ملک شاہ سے پر زور الفاظ میں مطالبہ کیا کہ اس کے بیٹے محمود کو جو ابھی بچہ ہی تھا ولیعہد سلطنت سلجوق بنایا جائے اور سلطان کے بڑے بیٹے برکیارق کو اس حق سے محروم کر دیا جائے۔

ایک دن تو سلطان اور ملکہ ترکان میں اس سلسلہ میں ایسا معرکہ ہوا کہ شاہی محلات کے در و دیوار ہل کے رہ گئے ملکہ ترکان خاتون نے سلطان کا استقبال ہی طنزوں اور طعنوں سے کیا ملکہ ترکان نے سلطان کا سامنا ہوتے ہی بھرپور طنز کیا۔

"شکر ہے سلطان کو ان کی بوڑھی گھوڑیاں دن کے دس بجے باہر نکلنے کی اجازت دے دیتی ہیں اگر ان کا اختیار چلے تو وہ رات کے علاوہ دن بھر بھی سلطان کے پہلو سے لگی بیٹھی رہا کریں"۔

ملکہ ترکان خاتون اپنے علاوہ سلطان کی باقی تمام شرعی بیگمات اور منظور نظر کنیزوں کو بوڑھی گھوڑیاں کہتی تھیں ان بوڑھی گھوڑیوں میں ترکان خاتون کو سب سے زیادہ چڑ ملکہ زبیدہ سے تھی حسن و جوانی میں زبیدہ اور ترکان خاتون کا کوئی مقابلہ نہ تھا بلکہ اگر کہا جائے کہ ترکان خاتون کے مقابلہ میں ملکہ زبیدہ واقعی بوڑھی گھوڑی ہی کہی جا سکتی تھی تو کچھ غلط نہ ہو گا۔

سرخ و سفید رنگت اور بڑی بڑی آنکھوں والی ملکہ ترکان تیس سال سے بھی کم تھیں جبکہ ملکہ زبیدہ چالیس کے اوپر تھی ان کا جوان بیٹا برکیارق فوجی مہمات میں حصہ لے رہا تھا مگر سلطان نے ملکہ ترکان کے ساتھ صرف ایک ماہ اس کے محل میں گزارا پھر وہ اپنی پرانی بیگم یعنی ملکہ زبیدہ کے محل میں راتیں گزارنے لگا اور اس کا یہ اصول اب تک قائم تھا اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے ملکہ ترکان خاتون کے محل میں آنا ہی چھوڑ دیا تھا بلکہ اب وہ دن کے تمام خالی اوقات ملکہ ترکان کے محل میں ہی گزارتا اور اس کی راتیں زبیدہ کے محل میں گزرا کرتی تھیں۔

سلطان شاید کسی بات پر چڑا ہوا تھا اس لئے اسے ملکہ ترکان کا طنز ناگوار گزرا اور اس نے ناگوار لہجے میں کہا۔

"ترکان خاتون تمہیں کیا ہو گیا ہے آخر تمہیں کس بات کی کمی ہے ہم نے تمہاری کونسی خواہش پوری نہیں کی تمہاری الگ وزارت بنا دی تمہارا وزیر کسی کو جوابدہ نہیں تمہارے اخراجات پر کوئی پابندی نہیں پھر تم دوسروں پر کیوں لعن طعن کرتی ہو؟"۔

"درست فرمایا عالیجاہ" ملکہ اور زیادہ گرم ہو گئی" دوسرے میرا حق ماریں اور میں چپ چاپ دیکھتی رہوں مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا میں خاموش نہیں رہ سکتی"

"اچھا اندر چلو بیٹھ کے گفتگو کریں گے سلطان نے مصالحانہ رویہ اختیار کیا اس نے دیکھا چاروں طرف غلام اور کنیزیں سمٹ کر گیٹ کے پاس آگئے ہیں اور سب کی نظریں ان پر ہی ہیں"۔

"میں اندر نہیں جاؤں گی میرا فیصلہ یہیں اور اسی وقت ہو گا" ملکہ ترکان خاتون بپھر گئیں۔

"تماشہ نہ بناؤ ملکہ" سلطان نے بات ختم کرنے کو کہا" راستے میں گفتگو نہیں کی جاتی"۔

"اچھا پہلے وعدہ کیجئے کہ ولیعہدی کا فیصلہ آج کر دیجئے گا؟" ملکہ ترکان نے وقت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔

"یہ کیا پاگل پن ہے حکومت کے فیصلے سڑک پر کھڑے ہو کر کئے جاتے ہیں"۔

سلطان کو تھوڑا سا غصہ آگیا" تمہیں یہ تو پتہ نہیں کہ ولیعہد کون ہوتا ہے کیسا ہوتا ہے تم تو بس اپنی بات پکڑ کے بیٹھ جاتی ہو"۔

یہ کہتا ہوا سلطان ملک شاہ نے ملکہ کی خوابگاہ کی طرف قدم بڑھا دیئے ملکہ بڑی چالاک تھی وہ فوراً" سلطان کے پیچھے چلنے لگی وہ سلطان کو منانا خوب جانتی تھی ٹھیک ہے کہ اس کا پہلا وار خالی گیا تھا مگر سلطان کو تو اب دن بھر اسی کے پاس رہنا ہے پھر جلدی کیوں کی جائے۔

سلطان اور ملکہ آگے پیچھے خوابگاہ میں داخل ہوئے کنیزوں نے حسب دستور دونوں کے لئے ناشتہ چن دیا صبح کا ناشتہ سلطان اپنی بڑی بیگم زبیدہ خاتون کے ساتھ

کر کے یہاں آتا تھا مگر ترکان خاتون سے اسے یہی کہہ رکھا تھا کہ وہ صبح کا ناشتہ اس کے محل میں پہنچ کے کرے گا۔

دونوں نے ناشتہ کیا مگر خاموش خاموش سلطان تو ملکہ کو صرف جواب ہی دیتا تھا وہ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں شروع کرتا تھا ناشتہ کے بعد ملکہ ترکان نے پھر بات چھیڑی بات کیا چھیڑی بلکہ ایک اور چٹکی لی۔

"آج عالیجاہ کا مزاج کچھ برہم ہے ضرور اس بوڑھی گھوڑی نے کچھ کہا ہوگا؟"۔

سلطان ٹھنڈی سانس لے کے بولا۔

"ترکان مت کہا کرو' اسے کچھ۔ اس نے آج تک تمہارے خلاف ایک لفظ نہیں کہا مگر تم ہو کہ ہر وقت اسے کوستی رہتی ہو"۔

"اچھا اب اپنا وعدہ پورا کیجئے ترکان خاتون نے سلطان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا"۔

"وعدہ کونسا وعدہ"۔ سلطان نے تعجب سے کہا۔

ملکہ ترکان مسکرائی۔

"وہی وعدہ آپ کی ولیعہدی کا فیصلہ آج آپ کو فیصلہ کرنا ہی ہو گا"۔

اور اگر آج فیصلہ نہ کر سکا تو؟" سلطان نے بات پوری نہیں کی۔

"تو میں-- ملکہ ترکان اٹھلائی اور ہاتھ میں پڑی ہوئی الماس کی انگوٹھی کو گردش دیتے ہوئے بولی "تو میں اسے اپنے ہونٹوں سے لگا لوں گی؟"۔

سلطان دھک سے رہ گیا۔

"کیسی بدشگونی کی باتیں کرتی ہو ترکان" سلطان نے بڑے پیار سے کہا" موت آئے تمہارے دشمنوں کو پھر مسکرایا اور کہا کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ اگر خدانخواستہ تم نہ رہیں تو ہمارا کیا حال ہو گا؟"۔

سلطان نے مسکرا کر بات کو ٹالنے کی کوشش کی تھی مگر ملکہ کو اس بات پر غصہ آگیا اور بولی آپ کو اپنی بوڑھی گھوڑیوں کے کانپتے اور لرزتے ہاتھوں ہی میں چین ملتا ہے"۔

سلطان نے دیکھا کہ ترکان خاتون کا غصہ بڑھتا ہی جارہا ہے تو اس نے خاموشی اختیار کر لی ملکہ کچھ دیر تو خاموش رہی مگر سلطان نے زبان نہیں کھولی تو گھبرا گئی سلطان کی تلون مزاجی اور خاص کر سلطان ملک شاہ کی تلون مزاجی سے وہ اچھی طرح معلوم تھا کیونکہ سلطان اس وقت کوئی بھی حکم دے سکتا تھا۔

"ہائے اللہ آپ تو برا مان گئے ملکہ ترکان نے غمزے کا تیر چھوڑا کہنے کو تو ملکہ ترکان خاتون ہوں سلطان ملک شاہ کی سب سے زیادہ چہیتی بیوی مگر بدقسمتی کا یہ عالم ہے کہ میں سلطان کے غم میں بھی شریک نہیں ہو سکتی۔

سلطان پھر بھی نہ بولا وہ کسی گہری فکر میں ڈوبا ہوا تھا ملکہ اس سے لگ کے بیٹھ گئی اور اس کا منہ اپنی طرف گھماتے ہوئے بولی۔

"ہائے اللہ چاند سا چہرہ کیا آج اداس ہی رہے گا"۔

آخر سلطان کو ہنسی آگئی سنبھل کے بولے۔

"جان سلطان اسی لئے تو ہم تمہارے پاس آجاتے ہیں جہاں ہمیں کسی غم نے گھیرا تو دل بولا کہ سلطان چل اپنی ترکان کے پاس"۔

ملکہ نے پھر نخرے دکھانے شروع کر دیئے۔

"آپ کو میری قسم بتلایئے نا کیا ہوا ہے یہ چہرہ مرجھایا ہوا کیوں ہے؟"۔

سلطان نے پھر جیسے آہ بھری کیا بتائیں ترکان بس ایک غم' ایسا غم جو مستقل ہو کے رہ گیا اور شاید ہماری قبر میں بھی ساتھ ہی جائے گا"۔

"نوج۔ خدا نہ کرے" ملکہ ترکان نے سلطان کی بلائیں لے کر انگلیاں چٹخائیں اللہ کرے آپ کا غم مجھے لگ جائے اگر کوئی سلطانی راز نہ ہو تو مجھے بتایئے شاید میں کوئی مشورہ دے سکوں؟"۔

"تم جانتی ہو ترکان؟"۔ سلطان دکھ بھرے لہجے میں بولا۔ وہی شہزادی والا غم ہے ہر ہفتے ایک پیغام آتا ہے خلیفہ نے یہ کہا خلیفہ نے وہ کہا سنتے سنتے کان پک گئے ہیں ہماری سمجھ میں نہیں آتا کیا کیا جائے؟"۔

"اے بھاڑ میں ڈالئے خلیفہ کو"۔ ترکان خاتون نے جواب دیا"بلوا لیجئے شہزادی کو یہاں اپنوں میں بیٹھے گی ہنسے بولے گی تو اس کی طبیعت بھی ٹھیک ہو جائے گی اور خلیفہ کی نوک جھونک سے بھی چھٹکارا مل جائے گا اسی لئے میں اس شادی کی مخالفت کر رہی تھی خلیفہ جیسے لوگ اعتماد کے قابل نہیں ہوتے جب مطلب ہوتا ہے تو ناک رگڑتے ہیں مطلب نکل جائے تو ماش کے آٹے کی طرح اینٹھ جاتے ہیں۔

قصہ یہ تھا کہ کل بغداد سے شہزادی کا قاصد آیا تھا شہزادی نے سلطان سے درخواست کی تھی کہ اسے بغداد سے واپس بلا لیا جائے تاکہ وہ زندگی کے بقیہ دن آرام سے گزار سکے یہ درخواست بڑی دل گداز اور تشویش ناک تھی شہزادی کے بطن سے خلیفہ مقتدی کا ایک لڑکا بھی پیدا ہوا تھا جو ابھی شیر خوار ہی تھا مگر میاں بیوی میں لاگ ڈانٹ تھی خلیفہ کو خلافت عباسیہ کے خلیفہ ہونے کا زعم تھا تو شہزادی اس لئے مغرور تھی اور خلیفہ کو خاطر میں نہیں لاتی تھی کہ وہ سلجوق سلطان ملک شاہ کی بیٹی ہے اور خلیفہ بغداد اس کے رحم و کرم پر ہے۔

خلیفہ بغداد مقتدی کی یہ کیفیت تھی کہ وہ سلجوق سلطان ملک شاہ کے شحنہ کے ماتحت اپنی خلافت کے کام چلاتا تھا بغداد ، کی عباسی خلافت نے ہارون رشید اور مامون رشید جیسے عظیم الشان حکمرانوں کے قدم چومے تھے مگر اب یہ خلافت جو دراصل بادشاہت تھی روبہ زوال تھی اور خلیفہ بغداد اپنے آپ کو برقرار رکھنے کے لئے مسلمانوں کے کسی نہ کسی سلطان یا بادشاہ کو اپنا رفیق اور دوست بنا لیتا تھا تاکہ کوئی سردار یا حکمران اس کو نقصان نہ پہنچا سکے۔

اس وقت سلجوق سلطان ملک شاہ کا طوطی بول رہا تھا ملک شاہ نے 482 ہجری میں ترکستان پر قبضہ کیا تو اس کی سرحد چین سے جا ملی چنانچہ ملک شاہ نے ترکان پر قبضہ کے بعد چین کا رخ کیا یوزکند پہنچ کے خاقان چین (چین کے حکمران خاقان کہلاتے تھے) کو اطاعت کا پیغام بھیجا اور سکہ اور خطبہ میں اپنانام درج کرانے کا مطالبہ کیا۔

482 ہجری یعنی گیارہویں صدی عیسوی میں ہم ایک مسلمان حکمران کو چین کی سرحد پر گرجتے ہوئے دیکھتے ہیں اور خاقان چین اس گرج سے اس قدر گھبراتا ہے کہ خود سلطان ملک شاہ کے خیمہ پر حاضر ہو کر سلام پیش کرتا ہے اور بہت سے تحفے تحائف پیش کر کے اطاعت قبول کر لیتا ہے قارئین کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ دور بنوامیہ میں گورنر جنرل خراساں حجاج بن یوسف نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے حکم پر فتوحات کا جو سلسلہ شروع کیا تھا ان فتوحات کے بعد حجاج بن یوسف (جس کی شخصیت آج تک متنازہ ہے) چار ایسے جنرل مقرر کئے تھے جن کی مثال آج تک کوئی اسلامی حکومت پیدا نہ کر سکی۔

ان چار جنرلوں میں سے حجاج بن یوسف کے دو جنرل طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر براعظم افریقہ سے گزر کر اسپین یعنی اندلس میں داخل ہوئے اور شاہ راڈرک کو شکست دے کر ایک ایسی زبردست اسلامی سلطنت قائم کی جو تقریباً" آٹھ سو سال تک قائم رہی پھر یہ زبردست اسلامی سلطنت آپس کی خانہ جنگی میں گرفتار ہو کر ایسی مٹی کہ آج وہاں مسجد قرطبہ کے علاوہ اور کوئی نشانی باقی نہیں رہی۔

حجاج کا دوسرا جنرل اس کا بھتیجا اور داماد محمد بن قاسم تھا جس نے سندھ پر حملہ کر کے پورے سندھ پر قبضہ کیا اور اس کی فوجیں ملتان تک پہنچی تھیں حجاج بن یوسف کا چوتھا اور آخری جنرل قتیبہ بن مسلم تھا کہ جس نے دوسری صدی ہجری یعنی آٹھویں صدی عیسوی میں چین کی سرحد پر پہنچ کے شہنشاہ چین سے خراج وصول کیا تھا۔

اسی طرح ایک اور مسلم فاتح امیر گورگاں نے بھی چین پر قبضہ کا ارادہ کیا تھا اور وہ ایک لشکر جرار لے کر چین کی سرحد میں داخل بھی ہو گیا تھا مگر قدرت نے اس کا ساتھ نہ دیا اور امیر تیمور گورگاں' چین فتح کی حسرت دل ہی میں لئے اس دنیا سے رخصت ہو گیا وہ دوران سفر بیمار پڑ گیا تھا مگر فاتح اور جنگجو لوگ بیماریوں کو پیر کی زنجیر نہیں بننے دیتے وہ تو آگے اور آگے ہی بڑھتے رہتے ہیں

چنانچہ امیر تیمور کی بیماری اس کے ہر بڑھتے ہوئے قدم کے ساتھ بڑھتی رہی اور جب اس کا لشکر چین کی سرحد میں داخل ہوا تو امیر گورگاں موت سے شکست کھا گیا۔

ملکہ توران کے شوہر سلجوق تاجدار کو بھی چین سے خراج لینے کا فخر حاصل تھا اتنی لمبی چوڑی فتوحات کے بعد سلطان ملک شاہ نے خود کو سیر و شکار کے لئے وقف کر دیا تھا سلطنت کے انتظامات کی اس کو بالکل فکر نہ تھی کیونکہ قدرت نے ملک شاہ کو نظام الملک طوسی جیسا بیدار مغز اور جہاندیدہ وزیراعظم عنایت کیا تھا پس ملک شاہ خود یا تو بیگمات کی باتوں سے دل بہلاتا یا پھر سیروشکار کے لئے نکل جاتا تھا پرانے زمانہ میں بادشاہ اپنی فوج کو مصروف رکھنے کے لئے شکار کے بہانہ فوج کو مصروف کر دیتے تھے۔

بغداد کا عباسی خلیفہ مقتدی بھی سلطان کا ممنون احسان تھا بغداد کی خلافت کی دیکھ بھال بھی ملک شاہ کے سپرد تھی خلیفہ تو اس وقت برائے نام خلیفہ تھا اس کا کام صرف مسلمان بادشاہوں کو خلعت بھیجنا اور بادشاہی کا پروانہ جاری کرنے تک محدود ہو گیا تھا خلافت کے انتظام کے لئے ملک شاہ کی طرف سے بغداد میں سلطان کا ایک نائب تھا جسے شحنہ یا عمیدالعراق کہا جاتا تھا خلافت کا تمام انتظام و انصرام اسی شحنہ کے ہاتھ میں ہوتا تھا اور خلیفہ بغداد اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کر سکتا تھا۔

مشہور ہے کہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتی اسی طرح ایک ملک پر دو بادشاہ حکومت نہیں کر سکتے خلافت بغداد کا مالک عباسی خلیفہ مقتدی تھا مگر وہاں حکم بغداد کے شحنہ ابوالفتح بن ابی اللیث لیثی کا چلتا تھا ابوالفتح فطرتاً بڑا بدخلق اور بدماغ تھا وہ خلیفہ کے ہر کام میں خواہ مخواہ ٹانگ اڑایا کرتا تھا اس وجہ سے خلیفہ اور شحنہ میں جھگڑا رہا کرتا تھا شحنہ نے سلطان ملک شاہ سے خلیفہ کی کئی بار شکایت کی تھی جس کی وجہ سے خلیفہ اور سلطان کے درمیان بھی بدمزگی سی پیدا ہو گئی تھی۔

خلیفہ بغداد نے نہ تو سلطان کو دیکھا تھا اور نہ سلطان کو کبھی خلیفہ کے دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا حالانکہ دونوں ایک دوسرے کے بیرونی اور اندرونی حالات سے بھی واقف تھے سلطان نے 474 ہجری میں جب ترکستان فتح کیا تو واپسی پر اس نے بغداد جانے کا ارادہ ظاہر کیا سلطان ملک شاہ کی محبوب ملکہ ترکان خاتون اس کے ساتھ تھی اسے بھی مسلمانوں کے سب سے قابل احترام عباسی خلیفہ بغداد مقتدی باللہ کو دیکھنے کا اشتیاق تھا چنانچہ حکم ہوا کہ لشکر بغداد کا رخ کرے۔

خلیفہ کو سلجوق سلطان کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے اس کا پر جوش استقبال کیا اور شاہی سواری کو ایک بڑے اور پر تکلف محل میں ٹھہرایا گیا سلطان بھی خلیفہ کے ساتھ بڑے اخلاق سے پیش آیا اور خلیفہ کے حضور قیمتی تحائف پیش کئے ان دنوں خلیفہ اور بغداد کے شحنہ ابوالفتح کے درمیان خوب چلی ہوئی تھی چنانچہ خلیفہ نے ابوالفتح کو نیچا دکھانے اور اس کا دماغ ٹھکانے لگانے کی ایک تدبیر سوچی۔

اس سلسلہ میں خلیفہ نے صرف اپنے حاجبؒ سے مشورہ کیا حاجب کے معنی دربان کے ہوتے ہیں مگر حاجب ہر دور میں خلیفہ یا سلطان کے سب سے بااعتماد مشیر ہوتے تھے اور ان کا درجہ کسی وزیر سے کم نہ ہوتا تھا چنانچہ خلیفہ نے حاجب سے یہ مشورہ کیا کہ سلطان ملک شاہ کی بیٹی شہزادی خاتون کے ساتھ خلیفہ بغداد کی شادی کا پیغام دیا جائے اگر سلطان نے یہ رشتہ منظور کر لیا اور سلطان منظور کیوں نہ کرے گا اس کی بیٹی اگر خلیفہ کو بیاہی جاتی ہے تو یہ اس کے لئے ایک فخر کا مقام تھا ادھر خلیفہ کو یہ فائدہ نظر آیا تھا کہ اس رشتہ کے بعد بغداد کا شحنہ اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔

پس خلیفہ کی تحریک پر اس کا حاجب خلیفہ کا رشتہ سلطان ملک شاہ کی بیٹی کے لئے لے گیا شہزادی اس وقت کمسن تھی خلیفہ کی عمر بھی اس وقت چھبیس ستائیس سال سے زیادہ نہ تھی خلیفہ کے صرف دو بیویاں تھیں لونڈیوں اور کنیزوں کی جانب بھی خلیفہ کا کچھ دھیان نہ تھا سلطان نے حاجب کو دو روز بعد [illegible]نے کو کہا

سلطان اسے اپنا اعزاز سمجھتے ہوئے بالکل راضی تھا مگر ملکہ ترکان خاتون بڑی کائیاں تھی شاہی محل میں کنیزوں کی جو کثرت ہوتی ہے اس سے وہ پوری طرح واقف تھی۔

آخر ملکہ ترکان نے بیٹی کے مستقبل کو محفوظ کرنے کے لئے ایک ترکیب سوچ لی اس نے سلطان سے کہا۔

عالیجاہ! مجھے اس رشتہ سے انکار نہیں اس لئے کہ خلیفہ بغداد کا آپ کی فرزندی میں آنا آپ اور سلطنت سلجوق کے لئے باعث صد افتخار ہے پھر بھی میں چاہتی ہوں کہ خلیفہ کے سامنے کچھ شرطیں رکھی جائیں اگر وہ قبول کرلیں تو پھر بسم اللہ ہم عقد کردیں گے۔

سلطان نے دریافت کیا۔

"شرطوں سے ملکہ کی کیا مراد ہے خلیفہ کنوارے نہیں کہ ان پر دوسری شادی کی پابندی لگائی جا سکے؟"

"یہ ٹھیک ہے" ملکہ نے سنجیدگی سے کہا مگر خلیفہ کو اپنی بیٹی تک محدود تو کیا جا سکتا ہے"۔

"ہم تمہارا مطلب نہیں سمجھ سکے ترکان؟" سلطان نے کہا" آخر اس سے پہلے بھی دو بیویاں موجود ہیں اور اس کی ایک بیوی سے ایک لڑکا بھی ہے؟"۔

"میں ماضی کی بات نہیں کر رہی عالیجاہ" ملکہ بہت زیادہ سنجیدہ ہو گئی تھی۔

"بادشاہ ہو یا خلیفہ انکی نیتیں اور نظریں اچھی نہیں ہوتیں جہاں کوئی اچھی صورت نظر آئی بس پھسل گئے اس پر تو پابندی ہونا چاہئے؟"۔

"یہ پابندی کہ خلیفہ شہزادی سے شادی کرنے کے بعد پھر کسی بیوی یا کنیز کی طرف متوجہ نہ ہوں گے" آخر ملکہ ترکان خاتون نے بیٹی کا مستقبل محفوظ کرنے کا ارادہ کر ہی لیا مگر یہ پابندی بڑی سخت اور کسی حد تک ظالمانہ بھی تھی۔

سلطان نے ملکہ کی مخالفت کی۔

"ترکان خاتون کیا بچوں والی باتیں کر رہی ہو مرد پر تم یہ پابندی کیسے لگا سکتی ہو مرد کو چار شادیاں کرنے کی اجازت ہے زر خرید کنیزیں بھی اس کے لئے جائز ہیں پھر تم اس پر کیسے پابندی لگا سکتی ہو فرض کرو کہ خلیفہ نے اس وقت دباؤ میں آکے یہ شرط مان لی تو پھر اس کی رکھوالی کون کرے گا ہماری ننھی شہزادی چوبیس گھنٹے تو اس کے پیچھے نہیں لگی رہ سکتی"۔

"کچھ بھی ہو میں یہ شرط خلیفہ سے منوا کے چھوڑوں گی" ملکہ اکڑ گئی" اگر آپ نے یہ شرط نہ رکھی تو میں شادی میں شریک نہیں ہوں گی"۔

سلطان پریشان ہو گیا سلطان اور ملکہ میں دو دن کے لئے کٹی ہو گئی نہ سلطان نے ملکہ سے بات کی اور نہ ملکہ نے سلطان کو منانے کی کوشش کی تیسرے دن حاجب جواب کے لئے حاضر ہوا تو ملکہ نے اعلان کیا کہ وہ حاجب سے خود گفتگو کرے گی سلطان کے سر سے بلا ٹل گئی اس نے دل میں سوچا کہ اب جو کچھ ہو گا اس کی ذمہ دار ملکہ ترکان خاتون ہوں گی۔

سلطان نے حاجب کے پاس کہلوا دیا کہ جواب ملکہ ترکان خاتون خود دیں گی اس لئے حاجب، ملکہ سے ملاقات کرے حاجب اس پیغام سے خوش ہوا وہ ڈر رہا تھا کہ اگر سلطان کو کسی بات پر غصہ آگیا تو اس کی جان کی خیر نہیں ملکہ سے تو وہ کھل کے بات کر سکتا ہے آخر حاجب کو ملکہ توران خاتون کے حضور پیش کیا گیا۔

ملکہ نے خود گفتگو کا آغاز کیا اس نے حاجب سے پوچھا۔

"اے محترم خلیفہ بغداد کے حاجب کیا تم بتانا پسند کرو گے کہ تمہارے کتنی اولاد ہیں؟"۔

"کیوں نہیں ملکہ عالم" حاجب نے فوراً جواب دیا"اللہ پاک نے آپ کے خادم کو چار اولادیں دی ہیں جن میں دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں"۔

"لڑکیوں کی عمریں کتنی ہیں اور کیا ان میں کسی کی شادی ہوئی ہے" ملکہ توران خاتون کا حاجب سے یہ دوسرا سوال تھا۔

حاجب نے ملکہ کو بے تکلف بتایا۔

"ملکہ عالم میری ایک بچی ابھی چھوٹی ہے بڑی بچی کو میں نے پچھلے سال بیاہ دیا تھا"۔

ملکہ نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد تیسرا سوال کیا۔

"جب تم ایک بیاہی لڑکی کے باپ ہو گیا تم بتاؤ گے کہ تم نے اپنی بیٹی بیاہنے سے پہلے اپنے ہونے والے داماد کے بارے میں کیاکیا معلومات حاصل کی تھیں"۔

حاجب کی سمجھ میں تو آگیا تھا کہ ملکہ کے سوالات دراصل اس شادی کے سلسلہ کی ایک کڑی ہیں جو خلیفہ بغداد کے ساتھ اس کی بیٹی کے بارے میں پیدا ہو سکتے تھے حاجب نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کہا۔

"عالی مقام ملکہ عالم۔ ایک غریب باپ کی اپنی بیٹی کے بارے میں یہی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا شوہر نیک ہواپنے اور اپنی بیوی کے اخراجات کے لئے کسی کا محتاج نہ ہو بلکہ خود اپنی روزی کماتا ہو میرے داماد میں یہ خوبیاں موجود تھیں اس لئے میں نے ہنسی خوشی بیٹی بیاہ دی"۔

"تم نے اس کے کردار کے بارے میں کوئی پوچھ گچھ نہیں کی؟" ملکہ نے ذرا زور دے کر دریافت کیا۔

"ملکہ عالم جو جوان صبح سے شام تک اپنی ڈیوٹی پر رہتے ہوں ان کے کردار کسی سے ڈھکے چھپے نہیں رہتے حاجب نے ایک تجربہ کیا بات کہی "میرے داماد میں نہ پہلے کوئی عیب تھا اور نہ اس ایک سال کے دوران کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جس سے میں اس پر شبہ کر سکوں"۔

ملکہ تھوڑی دیر تک حاجب کو گھورتی رہی پھر اس نے کہا۔

"حاجب۔ تمہارے خلیفہ نے ہماری بیٹی کا پیغام دیا ہے خلیفہ کے ایک جوان بیٹا ہے اور دو بیویاں پہلے سے موجود ہیں کیا اس صورت میں ہماری بیٹی وہاں خوش رہ سکتی ہے؟"۔

حاجب کو ملکہ سے ایسے سوال کی امید نہ تھی وہ اس سوال سے گھبرا گیا

کیونکہ ایک طرف اس کا آقا خلیفہ بغداد مقتدی تھا اور دوسری طرف اپنے دور کے سب سے بڑے بادشاہ بلکہ شہنشاہ سلطان ملک شاہ کی عظیم ملکہ ترکان خاتون تھیں وہ ایک کی حمایت کر کے دوسرے کے ناخوش کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"ملکہ عالم کسی کی دو بیویاں اور جوان بیٹا ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا دراصل یہ بات شہزادی عالیہ پر منحصر ہو گی کہ وہ خلیفہ کو کس انداز سے اپنے قابو میں رکھتی ہیں اور وہ کیا رویہ اختیار کرتی ہیں جس کی بناء پر خلیفہ سب کو چھوڑ کر ان کا ہو جاتا ہے غلام اس سلسلے میں اتنا ہی کچھ کہہ سکتا ہے"۔

"حاجب تم نے جو کچھ کہا وہ ٹھیک ہے ملکہ بولی مگر ہماری شہزادی ابھی ایک تو بہت کمسن ہے دوسرے یہ کہ اس کی کمسنی سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنے سے دوگنی عمر کے شوہر کو قابو میں رکھ سکے گی ہمارا ذہن اس وجہ سے پریشان ہے ہم انکار نہیں کرنا چاہتے اس لئے کہ شہزادی کو ایک دن کسی نہ کسی گھر جانا ضرور ہے اور خلیفہ بغداد کے گھر اسے جو آرام مل سکتا ہے وہ کسی دوسری جگہ ممکن نہیں مگر محلات کا ماحول' دو بیویوں کی موجودگی پھر لونڈیوں اور کنیزوں کی ایک فوج جو شتر بے مہار کی طرح پورے محلات میں ادھم مچاتی پھرتی ہے ایسے حالات میں خدشات تو پیدا ہوتے ہیں؟"۔

"بے شک ملکہ عالم۔ جہاندیدہ حاجب نے کہا "اگر ملکہ عالم انکار نہیں کرنا چاہتیں تو خلیفہ سے کچھ تحفظات بھی تو حاصل کئے جا سکتے ہیں"۔

ملکہ نے حاجب کو راستے پر آتے دیکھا تو اسی سے پوچھا۔

"تم ایک نیک باپ ہو حاجب تم ہی بتاؤ ہم خلیفہ کو کن شرائط پر اپنا داماد تسلیم کر سکتے ہیں؟"۔

جہاندیدہ حاجب نے فوراً" جواب دیا۔

"ملکہ عالم آپ خلیفہ پر ایسی تمام پابندیاں لگا سکتی ہیں جن کے بارے میں آپ کو خدشات ہیں"۔

"پہلی شرط تو یہ ہو سکتی ہے کہ شہزادی ابھی بہت کمسن ہے اس وقت

صرف نکاح کیا جائے اور رخصتی کم از کم چھ سال بعد ہو" ملکہ نے اپنی پہلی شرط بیان کر دی۔

حاجب نے اس کی تائید کی۔

"ملکہ کی شرط بہت معقول ہے خلیفہ اس سے انکار نہیں کر سکتے"۔

ملکہ کو حوصلہ ہوا اس نے اپنی دوسری شرط پیش کی۔

"خلیفہ پر یہ بھی پابندی لگائی جا سکتی ہے کہ وہ ایک نو بیاہتا شہزادی کی خاطر اپنے پرانی بیویوں یا کنیزوں کی طرف التفات نہ کرے۔

حاجب سوچ میں پڑ گیا آخر اس نے کہا۔

"یہ شرط بہت سخت ہے میں کوشش کروں گا کہ خلیفہ اسے بھی تسلیم کر لیں مگر اب یہ شہزادی عالیہ کا فرض ہو گا کہ وہ خلیفہ کو اپنا اس قدر گرویدہ کر کہ وہ خود ہی دوسرں کی طرف التفات چھوڑ دیں"۔

"بس تو ہم رضا مند ہیں" ملکہ نے فیصلہ کر لیا "تم خلیفہ کو ان دو شرطوں رضا مند کر لو تو ہم عقد کر دیں گے"۔

ملکہ ترکان خاتون نے سلطان کو بتایا کہ اس نے حاجب کو دو شرطوں آمادہ کر لیا ہے اور اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ خلیفہ کو ان دونوں شرطوں پر ر مند کر لے گا۔

"تم نے کون کون سی شرطیں رکھی تھیں ترکان؟" سلطان نے ملکہ دریافت کیا۔

ملکہ نے بڑی مسرت سے اظہار کیا۔

"عالیجاہ' میری پہلی شرط یہ تھی کہ ہماری شہزادی سلطان ابھی بہت کمسن اس لئے فی الحال عقد کر دیا جائے رخصتی پانچ چھ سال کے بعد ہو گی"۔

"اور دوسری شرط؟" سلطان نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"دوسری شرط میرے خیال میں بھی بہت سخت تھی مگر حاجب نے امید دلا ہے کہ وہ خلیفہ کو اس بات پر بھی رضا مند کر لے گا"۔

"ارے تم شرط تو بتاؤ ترکان خاتون؟"۔

"ہم نے شرط یہ رکھی ہے کہ شہزادی سے شادی کے بعد اپنی دونوں بیگمات یا کنیزوں کی طرف قطعی التفات نہ کریں گے"۔

سلطان نے حیران نظروں سے ملکہ کو دیکھا۔

تمہاری اس شرط پر حاجب کا کیا رد عمل تھا؟"۔

"عالیجاہ! حاجب ہماری یہ شرط سن کر چونک پڑا تھا مگر کچھ دیر خاموشی کے بعد اس نے امید بلکہ یقین دلایا کہ وہ خلیفہ کو اس شرط پر بھی رضا مند کر لے گا"۔

سلطان نے رائے ظاہر کی۔

"اگر خلیفہ نے یہ شرط قبول کر لی تو ایک انتہائی حیرت انگیز بات ہو گی اس شرط پر پیغمبر تو عمل کر سکتے ہیں مگر بادشاہوں اور خلیفاؤں کو اس پر پابند کرنا ممکن نظر نہیں آتا۔

"کوئی بات نہیں ملکہ بے پروائی سے بولی کل اس کا جواب آجائے گا"۔

اس معاملہ میں ملکہ ترکان خاتون کی جیت ہوئی دوسرے دن حاجب واپس آیا تو اس کے ساتھ کئی درجن غلام اور کنیزیں سروں پر خوان اٹھائے آئے سلطان اور ملکہ نے انہیں تعجب سے دیکھا۔

"یہ سب کیا ہے حاجب؟ ملکہ نے حیرت اور مسرت کے ملے جلے جذبہ سے پوچھا۔"

"عالیجاہ اور ملکہ عالم! حاجب نے دونوں کو مخاطب کیا خلیفہ المسلمین نے ملکہ عالیہ کی شرطوں پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے یہ پھول اور مٹھائی خلیفہ کی رضامندی کی دلیل میں ارسال کئے گئے ہیں"۔

ملکہ ترکان خاتون نے شوخ اور فاتحانہ نظروں سے سلطان ملک شاہ کو دیکھا پھر قریب کھڑی کنیز کو حکم دیا۔

"یہ خوان اندر اٹھوا لے جاؤ"۔

دوسرے دن تمام امراء و وزراء اور ارکان سلطنت کی موجودگی میں خلیفہ مقتدی بامراللہ کا سلطان ملک شاہ کی بیٹی شہزادی سلطان کا عقد ہوا سلطان ملک شاہ اور ملکہ ترکان خاتون نے بیٹی کی نیابت کی شہزادی سلطان کو اطلاع دی گئی کہ وہ اب وہ شہزادی بلکہ عباسی خلیفہ مقتدی بامراللہ کی زوجہ بن گئی ہے۔

خلیفہ مقتدی نے ملکہ ترکان خاتون کی شرطیں اس لئے تسلیم کر لیں اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ خلیفہ کو شہزادی سلطان سے زیادہ بغداد کے شحنہ کے جھگڑے کی فکر وا منگیر تھی عبدالعراق ابوالفتح' خلیفہ کے ایسا پیچھے پڑا تھا کہ ہر ہفتہ وہ سلطان کو خلیفہ کے خلاف ایک دو شکایتیں ضرور لکھ بھیجتا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ نے دوسری بیگمات سے علیحدگی کی شرط اس وجہ سے قبول کر لی تھی کہ شہزادی سے عقد ہو جانے کے بعد ابوالفتح کی دشمنی ختم ہو جائے گی اور خلیفہ کی سلطان سے بڑھتی ہوئی کشمکش میں کمی آجائے گی۔

مگر اس عقد کے بعد ابوالفتح کے رویہ میں ذرا بھی فرق نہ آیا وہ حسب معمول سلطان کو خلیفہ کے خلاف بھڑکانے میں لگا رہا جو خلیفہ کو سخت ناگوار گزرتا تھا آخر خلیفہ نے ابوالفتح کا دماغ درست کرنے کے لئے ایک نیا قدم اٹھایا اس وقت شیخ ابواسحاق شیرازی شافعی بغداد آئے ہوئے تھے بلکہ ان کا قیام بغداد ہی میں تھا خلیفہ نے شیخ کو اپنے پاس بلوایا ان کی عزت و احترام کا خاص خیال رکھا پھر ان سے عرض مدعا کیا۔

خلیفہ نے شیخ کو بتایا کہ سلطان ملک شاہ کا شحنہ ابوالفتح نے ان کا اور ان کے وابستگان کا ناک میں دم کر رکھا ہے اگر اس کا جلد علاج نہ کیا گیا تو خلیفہ اور سلطان ملک شاہ میں سخت اختلاف پیدا ہو جانے کے امکانات ہیں شیخ نے خلیفہ سے وعدہ کر لیا کہ وہ اس کی عرضداشت اور ابوالفتح کی بدخلقی کی شکایت سلطان کے پاس خود لے کر جائیں گے۔

دوسرے ہی ہفتہ شیخ نے اپنے دربار شاہی میں جانے کا اعلان کیا اور چند شاگردوں کے ساتھ عازم خراسان ہوئے شیخ ابواسحاق شیرازی شافعی اس درجہ کے شیخ تھے کہ ان کے سفر خراسان کی خبر پھیلتے ہی بڑے بڑے جید بزرگ و عالم راستے میں ان سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے اور چندے ان کے پاس قیام کی درخواست کرتے تھے شیخ سے ملاقات کو آنے والوں میں وہ صوفیائے کرام بھی تھے جنہوں نے برسوں سے اپنی مسندوں اور حجروں سے قدم نہیں نکالا تھا۔

شیخ بغداد پہلے تو پورا بغداد ان کے استقبال کو سرحد پر پہنچ گیا خود سلطان ملک شاہ اور وزیراعظم نظام الملک طوسی نے دارالسلطنت سے نکل کر شیخ کا استقبال کیا اور انہیں پورے احترام کے ساتھ قصر شاہی لے گئے شیخ ابواسحاق شیرازی فوعی کو بغداد آئے چار روز گزر چکے تھے مگر ملاقاتیوں کا اس قدر تانتا بندھا ہوا کہ شیخ کو سلطان اور نظام الملک سے اس سلسلے میں گفتگو کا موقع ہی نہ مل سکا جس کے لئے شیخ بغداد سے تشریف لائے تھے۔

ایک ہفتہ بعد بارے کچھ اطمینان ہوا تو شیخ نے اس وقت جب سلطان اور وزیراعظم نظام الملک دونوں ہی ان کے سامنے موجود تھے تو انہوں نے ملک شاہ کے شحنہ عمیدالعراق کا ذکر چھیڑا۔ شیخ نے بے تکلف فرمایا۔

"سلطان معظم کے شحنہ نے بغداد میں ادھم مچا رکھا ہے شاید وہ خود ہی سلطان سمجھ بیٹھا ہے خلیفہ محترم کے ساتھ اس کا رویہ بھی قدر تلخ و تند ہے کہ ہے وہ خلیفہ محترم کا آقا ہو اس نے خلیفہ محترم سے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے ہیں اور خلیفہ محترم کو ہر کام کے لئے اس کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑتے ہیں پھر ابوالفتح زبان کا اس قدر ٹیڑھا اور بدخلق ہے کہ ہر شریف آدمی اس سے گفتگو کرنے سے پرہیز کرتا ہے شحنہ کے پاس دارالسلطنت سے بھیجے گئے جو ترک ہیں انہیں ابوالفتح نے اتنا بے لگام کر دیا ہے کہ وہ ہر ایک کے منہ آتے ہیں بغداد کے بازاروں کو انہوں نے اپنی ملکیت بنا لیا ہے جس دوکان سے جو چاہتے اٹھا لیتے ہیں ان کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہیں شحنہ سے شکایت کی جائے تو وہ کہتا ہے کہ آخر حاکم اور محکوم میں کچھ فرق ہونا ہی چاہئے"۔

شیخ ابواسحاق نے ابوالفتح کے سلسلہ میں اس قدر بے تکلفی اور جوش سے

باتیں کیں جیسے وہ خطاب فرما رہے ہو یا وعظ دے رہیں ہو' وزیراعظم نظام الملک اور سلطان ملک شاہ نے اپنے شحنہ کی وجہ سے شیخ کے سامنے اپنی سبکی محسوس کی سلطان تو اس قدر شرمندہ ہوا کہ اس نے اسی وقت وزیراعظم ملک شاہ کو حکم دیا کو ابوالفتح کو اس وقت ایک فرمان جاری کیا جائے جس میں اسے خلیفہ محترم اور ان کے وابستگان کے سلسلے میں ہر قسم کے دخل ور معقولات سے روک دیا جائے اور اسے خلیفہ محترم کے احترام کا حکم دیا جائے۔

وزیراعظم نظام الملک پہلے ہی عمیدالعراق ابوالفتح کے خلاف تھا چنانچہ اس نے اسی وقت ابوالفتح کے نام ایک نہایت سخت فرمان تحریر کرا کے سلطان کے ملاحظہ اور دستخط کے لئے پیش کیا۔

اس فرمان کا مضمون کچھ اس انداز کا تھا۔

ابوالفتح بن ابی اللیث کو بغداد میں عمیدالعراق کے عہدے پر اس لئے فائز کیا گیا تھا کہ وہ خلافت کے بیرونی معاملات اور تعلقات میں خلیفہ بغداد محترم و معظم مقتدی بامراللہ کوگاہے بگاہے اپنے مفید مشورے پیش کرتا رہے۔

مگر ہم اس مصدقہ خبر پر حیران رہ گئے ہیں کہ عمیدالعراق نے اپنے فرائض سے تجاوز کرتے ہوئے خلیفہ محترم اور ان کے وابستگان کے ساتھ نہایت غیر مہذب رویہ اپنا رکھا ہے۔

"ابوالفتح کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ خلیفہ محترم اور ان کے وابستگان کے معاملات سے قطعی دست کش ہو جائے اور خلیفہ محترم کا احترام کرنا سیکھے نیز جب تک خلیفہ کسی معاملہ میں مشورہ طلب نہ کریں وہ از خود کوئی حکم جاری کرنے اور قدم اٹھانے سے باز رہے"۔

اس حکم کے بغداد پہنچتے ہی عمیدالعراق ابوالفتح کا خلیفہ اور اس کے وابستگان کے معاملات سے عمل دخل قطعی طور پر ختم ہوگیا اور اس نے خلیفہ کے ساتھ بدخلقی کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

یہ حکم دراصل شیخ ابواسحاق شیرازی شافعی کی شکایت پر ملک شاہ نے جاری کیا تھا مگر نظام الملک نے اس حکم کی زبان تلخ اس وجہ سے کر دی تھی کہ ملکہ ترکان خاتون جو اس کی مخالف تھی اس کی مخالفت میں کچھ کمی واقع ہو کیونکہ خلیفہ مقتدی اب ملکہ ترکان کا داماد بن گیا تھا۔

دن گزرتے کیا دیر لگتی ہے شہزادی سلطان اور خلیفہ مقتدی کا عقد 474 ہجری میں ہوا تھا جسے چھ سال گزر گئے تھے پس ملکہ ترکان خاتون نے ملک شاہ کے اشارے پر شہزادی سلطان کو پہلی مرتبہ بغداد روانہ کیا اس وقت سلطان ملک شاہ اتفاق سے بغداد میں موجود تھا 480 ہجری میں شہزادی کی رخصتی کے جلوس نے ایک تاریخی جلوس کی شکل اختیار کر لی جس مختصر تفصیل اس طرح ہے۔

شہزادی کا جلوس بغداد پہنچا تو بغدادیوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں انہوں نے اس شان و شکوہ کا جلوس پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا تیرہ سو اونٹوں اور 47 خچروں پر جہیز کا طلائی اور نقری سامان بار کیا ہوا تھا اونٹوں اور خچروں کی جھولیں دیبائے رومی کی اور ان کی گھنٹیاں سونے اور چاندی کی تھیں چاندی کے بنے ہوئے بارہ صندوقوں میں شہزادی کے زیورات' جواہرات اور ملبوسات تھے خچروں کے آگے 33 طلائی ساز سے آراستہ اعلی نسل کے گھوڑے تھے ایک خاص سونے کا گھوارہ تھا تمام سلجوق امرا جلوس کے ساتھ تھے سب کے الگ الگ شمع اور مشعل بردار تھے سب سے آخر میں دلہن کی سواری تھی اس کے محفہ پر سونے اور جواہرات سے مرصع پرواز آویزاں تھا اس کے گرد دو سو کنیزوں کا گلرنگ دستہ تھا۔

یہ جلوس نہر معلی پر پہنچا وہاں کے لوگوں نے اشرفیاں اور

کپڑے نچھاور کئے خلیفہ مقتدی نے اپنے وزیر دولت ابوشجاع کو تین سو سواروں کے ساتھ دلہن کے استقبال کے لئے بھیجا اور نادرالوجود تحفہ بھی بھیجا تھا اس شان سے یہ جلوس قصر خلافت تک آیا اس شب شہر بغداد کے گلی کوچوں میں اس قدر روشنی تھی کہ پورا شہر بقعہ نور بنا ہوا تھا۔

(ابن اثیر)۔

شہزادی سلطان جس دھوم دھام سے بیاہ کے بغداد آئی تھی اس سے کہیں زیادہ رنج و اندوہ کے ساتھ اسے بغداد سے واپس جانا پڑا خلیفہ بغداد مقتدی نے سلطان ملک شاہ کی بیٹی اس لئے بیاہی تھی کہ اسے بغداد کے شحنہ ابوالفتح کی زیادتیوں اور تلخ کلامی سے نجات مل جائے سو اس کا یہ مطلب شیخ ابواسحاق شیرازی شافعی کے بغداد جانے سے پورا ہو گیا شیخ نے ابوالفتح کا سارا کچا چٹھا سلطان اور وزیراعظم نظام الملک طوسی کے سامنے کھول کے رکھ دیا چنانچہ ایک فرمان کے ذریعہ ابوالفتح سے وہ تمام اختیارا واپس لے لئے گئے جن کے زور پر ابوالفتح نے خلیفہ بغداد کو اپنا ماتحت بنا رکھا تھا۔

شہزادی سلطان رخصت ہو کے بغداد آئی تو خلیفہ نے دکھاوے کے لئے چند دن اس کے خوب چونچلے کئے شہزادی کے آنے پر پہلے ہفتہ تو یہ ہوا کہ خلیفہ مقتدی ایک شب شہزادی سلطان کے محل میں جسے خلیفہ نے آراستہ پیراستہ کرا دیا تھا داخل ہوا تو پورے ایک ہفتہ محل سے باہر ہی نہیں آیا خلافت کے کام ہوتے ہی کیا تھے اور جو کچھ ہوتے بھی تھے وہ سب ایک ہفتہ تک رکے پڑے رہے شہزادی سلطان اپنے ساتھ اپنی خدمت کے لئے ترک کنیزیں اور ترک خدام لائی تھی اس نے اپنی کنیزوں اور خدام کو اپنے محل کے کاموں پر مقرر کر دیا خلیفہ سے شہزادی نے کسی مزید کنیز کی خواہش نہ کی۔

خلیفہ ایک ہفتے تک تو شہزادی سلطان کے محل میں اس طرح گھسا رہا کہ اسے دنیا و مافیہا کی کوئی خبر ہی نہ ہوئی پھر ہفتے بعد جو وہ محل سے نکلا تو پھر دو ماہ تک اس نے شہزادی سلطان کے محل کا رخ ہی نہ کیا شہزادی سلطان کے درجنوں پیغامات کے جواب میں ایک دن وہ شہزادی کے پاس آیا بھی تو اس طرح جیسے اس نے کوئی احسان کیا ہو۔

شہزادی سلطان نے شکوہ کیا۔

"آپ تو میرے پاس سے ایسے گئے جیسے میں بغداد میں موجود ہی نہیں ہوں۔"

خلیفہ نے روکھے پن سے جواب دیا۔

"شہزادی کی دلداری میں ایک ہفتہ تک کر چکا ہوں وہ اور کیا چاہتی ہیں؟"۔

شہزادی تنک کے بولی۔

"کیا یہ بتانا ضروری ہے کہ ایک بیوی اپنے شوہر سے کیا چاہتی ہے؟"۔

خلیفہ نے بھی سخت رویہ اختیار کیا۔

"بیوی ایک شوہر سے جو چاہتی ہے وہ اسے مل چکا ہے میرے سر پر اور بہت سی ذمہ داریاں ہیں مجھے ان سے بھی عہدہ برآں ہونا پڑتا ہے"۔

شہزادی نے خلیفہ کا رویہ سخت ہوتے دیکھا تو فوراً نرم پڑ گئی۔

"میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خلیفہ دن بھر میرے پاس بیٹھے رہیں میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ دن میں کم از کم ایک بار گھڑی دو گھڑی کے لئے میرے پاس بھی تشریف لے آیا کریں"۔

"فی الحال میں بہت مصروف ہوں شہزادی" خلیفہ نے ٹالنے کے لئے کہا۔

"جس وقت فرصت ملے گی شہزادی کی فرمائش ضرور پوری کی جائے گی"۔

شہزادی مطالبہ نہیں کر سکتی تھی اس لئے کہ اب وہ شہزادی سلطان نہیں بلکہ خلیفہ بغداد کی تین بیویوں میں سے ایک بیوی تھی خلیفہ اور شہزادی کی اس گفتگو کو دو ماہ سے زیادہ عرصہ گزر گیا نہ خلیفہ نے اس کے محل کا رخ کیا اور نہ شہزادی سلطان کی خود داری نے اسے اجازت دی کہ وہ بار بار خلیفہ کو پیغام بھیجتی رہے شہزادی سلطان کے محل میں باہر کی کوئی کنیز نہ تھی جس سے اسے خلیفہ کے معمولات اور مصروفیت کے بارے میں خبر ملتی۔

دن گزرتے جا رہے تھے اور شہزادی کی تنہائی اور اداسی بڑھتی جا رہی تھی ادھر کچھ دنوں سے شہزادی سلطان کی طبیعت بھی کچھ خراب رہنے لگی تھی شہزادی کی کنیزوں میں ایک ادھیڑ عمر کنیز بہت جہاندیدہ تھی اس نے شہزادی کی سرگرانی اور گری گری طبیعت سے کچھ اندازہ لگایا پھر اس نے شہزادی سے کچھ سوالات کئے پھر اندازے کی بناء پر شہزادی سلطان کو بتایا۔

"شہزادی سلطان مبارک ہو"۔

شہزادی اس اچانک اور غیر متوقع مبارک باد پر چونک پڑی۔

"کس بات کی مبارک باد دے رہی ہو کلثوم؟"۔

کلثوم مسکرائی اور بولی۔

"میرا اندازہ ہے کہ شہزادی سلطان کا پیر بھاری ہو گیا ہے"۔

شہزادی کا چہرہ اک دم کھلا پھر مرجھا گیا اس نے افسردگی سے کہا۔

"کلثوم کیا تمہیں اپنی بات پر یقین ہے؟"۔

کلثوم نے ہنستے ہوئے کہا۔

"شہزادی سلطان سر بھاری ہونا' طبیعت گری گری رہنا خواب میں ننھے بچوں کو کھیلتے دیکھنا پھر کھٹی چیزوں کی خواہش ان باتوں کا اندازہ صحیح ہوا کرتا ہے پھر بھی آپ شاہی دایا کو بلوا کر اطمینان کر لیجئے"۔

"مگر۔۔ شہزادی سوچنے لگی"۔

کلثوم نے ٹوکا۔

"شہزادی بی بی - یہ کوئی بری بات تو نہیں آپ خلیفہ کو اطلاع تو دیجئے"۔

"مگر میں کسے بھیجوں ان کے پاس اور کیا کہلواؤں ان سے؟ شہزادی سلطان نے بے دلی سے کہا۔

"یہ آپ کی لونڈی کس لئے ہے شہزادی بی بی" کلثوم سینے پر ہاتھ رکھ کے بولی "مجھے حکم دیجئے میں جاؤں گی خلیفہ کے پاس؟"۔

"ہاں تم جا سکتی ہو" شہزادی خوش ہو گئی ٹھیک طرح بات کرنا ان سے تم پر مجھے پورا اعتماد ہے"۔

شہزادی سلطان نے کلثوم کو اجازت دیدی اور کلثوم نیا جوڑا پہن سیدھی خلیفہ کے محل پہنچ گئی۔ پہریدار اسے پہچانتے تھے جو نہ جانتے تھے انہیں اس نے شہزادی سلطان کا نام بتا کر خاموش کر دیا۔

خلیفہ مقتدی اپنے درباریوں میں گھرا بیٹھا تھا درباری کیا تھے تمام کے تمام مفت خورے اور خوشامدی تھے جو دن بھر اور رات گئے تک خلیفہ کو گھیرے رہتے اور الٹے سیدھے مشورے دیا کرتے کلثوم دربار ہال کے دروازے پر پہنچی تو وہاں دو کنیزیں اور غلام پہرے پر تھے غلام تو کوئی حبشی تھا مگر دونوں کنیزیں نازک بدن اور نازک اندام تھیں ان کے ہاتھ میں چاندی کی تلواریں اور پشت پر سونے کی کمانیں لٹک رہی تھیں۔

کلثوم نے کنیزوں کی طرف توجہ نہ دی بلکہ حبشی غلام سے پر وقار لہجے میں کہا۔

"میں امیرالمومنین کے لئے ایک پیغام لائی ہوں"۔

حبشی غلام کلثوم کی پر رعب آواز سے گھبرا گیا۔

"مگر -- مگر تم --" وہ آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

"شاید تم مجھے نہیں جانتے تو جان لو کہ میں شہزادی سلطان کی ترکی کنیز ہوں اور شہزادی عالیہ کا ایک پیغام خلیفۃ المسلمین کے لئے لے کے آئی ہوں"۔

غلام نے توکوئی جواب نہ دیا ان میں سے ایک کنیز اکڑ کے بولی۔

"تم بھی ہمیں نہیں جانتی ہو تو جان لو کہ ہم عباسیہ خلیفہ بغداد مقتدی بامراللہ کی کنیزیں ہیں اور ہماری اجازت کے بغیر تم اندر نہیں جا سکتیں جو پیغام ہو ہمیں بتاؤ ہم خلیفہ کے حضور عرض کر دیں گے؟"۔

"شہزادی کا پیغام ذاتی اور خفیہ ہے تمہیں نہیں بتایا جا سکتا" کلثوم نے اس سے زیادہ اکڑ کے کہا۔

"مگر خلیفہ عالی مقام اس وقت تخلیہ میں ہیں" دوسری کنیز نے کہا۔

"مگر مجھے بتایا گیا ہے کہ خلیفۃ المسلمین دربار میں ہیں اور دربار میں ان سے ہر شخص مل سکتا ہے" کلثوم کو غصہ آگیا۔

"ہم تمہیں اجازت نہیں دے سکتے" دوسری کنیز کی آواز تھی۔

کلثوم نے دونوں کنیزوں کو گھور کے دیکھا پھر چیخ کے بولی۔

"مجھے تمہاری اجازت کی بھی ضرورت نہیں ہے"۔

یہ کہتے ہوئے کلثوم نے ایک ہاتھ سے ایک کنیز کو اور دوسرے ہاتھ سے دوسری کنیز کو زور سے دھکا دیا اور ان کے درمیان سے تیزی سے گزر کر دربار ہال کے بند دروازے پر پہنچی دروازے کو آہستہ سے کھولا اندر داخل ہوئی تو ایک حریری پردے سے ٹکرائی اس نے پردے کو ایک طرف کیا تو سامنے کی جھالر پڑی دکھائی دی کلثوم نے جھالر کو جھٹکا دے ہٹا دیا اب وہ خلیفہ مقتدی کے سامنے تھی۔

خلیفہ اور درباریوں نے گھبرا کے دروازے کی طرف دیکھا۔

"کون ہے۔ کیا ہے۔ یہ کیسی گستاخی ہے؟ یہ آواز اسی عصا بردار پہریدار کی تھی جس کی کمر میں زریں پٹکا بندھا تھا یہ خلیفہ کا خاص حاجب اور پہریدار تھا جب تک خلیفہ دربار میں رہتا یہ اپنا خالص سونے کا عصا پکڑے خلیفہ کے زرنگار تخت شاہی کی بائیں جانب کھڑا رہتا۔

ادھر سے پہریدار بڑھ رہا تھا اور ادھر سے "ہائیں ہائیں" کی آوازیں کلثوم' خلیفہ کے تخت کی طرف بڑھ رہی تھی اور دونوں شاہی کنیزیں اسے پکڑنے کی کوشش میں "ہائیں ہائیں" کی آوازیں نکال رہی تھیں۔

کلثوم نے عصاء بردار پہریدار کو اپنی طرف آتے دیکھا تو وہیں سے چلائی۔

"امیرالمومنین' خلیفۃ المسلمین میں ہوں شہزادی سلطان کی کنیز کلثوم"۔

کلثوم کا نام سنتے ہی خلیفہ نے بڑے جلال سے کہا۔

"خبردار جو کسی نے کلثوم کو روکا اسے آنے دو ہمارے پاس"۔

خلیفہ کی آواز عصاء بردار غلام اور دونوں کنیزوں کی کان میں پڑی تو جو جہاں تھا وہیں رک کے کھڑا ہو گیا۔

"کلثوم ہانپتے کانپتے خلیفہ کے تخت کے پائیں کے پاس پہنچ گئی اس نے تخت کے پایہ پر ہاتھ رکھا پھر عقب میں آنے والی کنیزوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پھولی پھولی سانسوں میں کہا۔

"امیر المومنین یہ -- یہ کتیاں جو آپ نے پہرے پر کھڑی کر رکھی ہیں یہ

-- یہ کہہ رہی تھیں کہ ہماری اجازت کے بغیر تم اندر نہیں جا سکتی اور اور یہ—
یہ بھی کہہ رہی تھیں کہ اندر تخلیہ ہے حالانکہ یہاں تو امیر المومنین نے دربار لگا رکھا ہے"۔

"ذرا دم لے لو کلثوم" خلیفہ مسکرا دیا" تم برا کیوں مان گئیں کتے اور کتیوں کا کام تو بھونکنا ہی ہوتا ہے" خلیفہ نے کلثوم کو تسلی دی۔

"یاامیرالمومنین۔ ان دونوں کو پہرے پر سے ہٹا دیجئے" کلثوم نے درخواست کی۔ بھونکنے والی کتیاں کبھی کبھی کاٹ بھی لیا کرتی ہیں ان سے دور ہی رہا جائے تو زیادہ بہتر ہے"۔

"کلثوم" خلیفہ نے قدرے تعجب سے پوچھا "تم پڑھی لکھی کنیز معلوم ہوتی ہو کیوں نہ ہم تمہیں اپنے محل میں لے آئیں؟"۔

کلثوم گھبرا گئی بات بناتے ہوئے بولی۔

"امیر المومنین میری جان کے بھی مالک ہیں وہ جب چاہیں اپنے محل میں مجھے طلب کر سکتے ہیں لیکن آج کل شہزادی سلطان کو میری زیادہ ضرورت ہے"۔

کلثوم نے آخری جملہ اس قدر آہستہ کہا کہ خلیفہ کے سواء اسے اور کوئی نہ سن سکا اس نے درباریوں پر ایک نظر ڈالی پھر آہستہ سے پوچھا۔

"کچھ کہنا ہے ہم سے؟"۔

کلثوم نے بھی درباریوں پر نظر ڈالی پھر آواز دبا کے بولی۔

"تخلئے میں کچھ عرض کرنا ہے"۔

خلیفہ نے بایاں ہاتھ سر سے بلند کیا یہ تخلیہ کا اشارہ تھا عصا بردار پہریدار نے بھی فوراً" اعلان کر دیا۔

"خلیفۃ المسلمین کو تخلیہ درکار ہے"۔

درباری ایک ایک کر کے تیزی سے باہر نکل گئے مگر عصاء بردار غلام اپنی جگہ کھڑا رہا۔

خلیفہ نے فرمایا۔

"ہاں۔ اب کہو کلثوم!۔

کلثوم نے عصا بردار کی طرف دیکھا اور کہا۔

"اے امیرالمومنین مجھے تخلیہ درکار ہے"۔

خلیفہ نے مسکراتے ہوئے عصا بردار کو باہر جانے کا اشارہ کیا وہ غصہ سے ہونٹ کاٹتا ہوا باہر نکل گیا۔

کلثوم نے عصاء بردار کے باہر نکلتے ہی بڑی خوش دلی سے کہا۔

"امیر المومنین۔ کلثوم زیادہ تجربہ کار نہیں لیکن اس قدر ناتجربہ کار بھی نہیں کہ شہزادی سلطان کی حرکات و سکنات اور کھانے پینے کی چیزوں سے یہ اندازہ نہ کر سکے کہ شہزادی سلطان کے پیر ضرور بھاری ہو گئے ہیں"۔

خلیفہ اس اصطلاح اور کھلے ہوئے اشارے کو شاید سمجھ نہیں سکا وہ خاموش رہا تو کلثوم نے وضاحت کی۔

"امیرالمومنین۔ میرا مطلب ہے کہ شہزادی سلطان کی گود ہری ہونے کی امید ہے آپ شاہی دایہ کو حکم دیجئے کہ وہ شہزادی کا معائنہ فرمائیں"۔

خلیفہ کے چہرے پر کچھ خوشی کے آثار نمودار ہوئے اس نے پر سکون لہجے میں کہا۔

"شہزادی سلطان کو ہماری طرف سے مبارک باد دی جائے ہم ضرور عملے کو ان کے محل بھیج رہے ہیں خود ہم بھی شہزادی کی مزاج پرسی کے لئے شام کو آئیں گے"۔

شہزادی سلطان کو کلثوم نے اپنی پوری پوری تفصیل بلکہ یوں کہا جائے کہ ے چند ضروری اور غیر ضروی اضافوں کے سنائی تو شہزادی نے اسے گلے لگا لیا شہزادی نے اس وقت سے خلیفہ کے استقبال کی تیاریاں شروع کر دیں شہزادی سلطان کو یہ اطمینان ہوا کہ چلو خلیفہ کو میرا خیال تو خیر ہے انہیں ہونے والے بچہ کا تو اتنا خیال آیا کہ وہ فوری اس کی مزاج پرسی کے لئے آنے پر آمادہ ہو گئے۔

شہزادی کو کسی بات کی کمی نہ تھی خلیفہ نے حکم [illegible] تھا۔ شہزادی

سلطان کو جس چیز کی ضرورت ہو وہ ہر صورت میں انہیں مہیا کی جائے نوکروں چاکروں کی بھی اسے کمی نہ تھی اس کی ماں ملکہ ترکان خاتون نے اس کے ساتھ کئی درجن کنیزیں بھجوائی تھیں اور باپ سلطان ملک شاہ نے ترکی خدام کا ایک مضبوط دستہ شہزادی کے ساتھ کر دیا تھا بس شہزادی حکم چلاتی رہی اور استقبال کی تیاریاں ہوتی رہیں پورے محل کے تمام پردے اور فرش کے قالین تبدیل کر دیئے گئے۔

مالیوں نے روشوں کو درست کیا کیاریوں اور پودوں کی تراش خراش ہوئی جھاڑ فانوس درست کئے گئے غرض یہ کہ ہر چیز کو تبدیل کیا گیا یا اسے نیا بنا دیا گیا خلیفہ مقتدی کو اس اطلاع سے بہت خوشی تھی خلیفاؤں اور بادشاہوں کے گھر بچے کم ہی پیدا ہوتے ہیں اور اگر پیدا ہوتے بھی تو بیاہتا بیویوں کے بجائے لونڈیوں اور کنیزوں کے بطن سے ہوتے ہیں اس لئے خلیفہ کے لئے کسی نئے مہمان کی آمد خوشی کا ایک پیغام ہوا کرتا تھا خلیفہ حسب وعدہ شام کو شہزادی سلطان کے محل پر تشریف لائے وہ تنہا نہ تھے انہوں نے اپنی بیاہتا بیویوں کو بھی حکم دیا تھا کہ وہ شہزادی سلطان کو مبارک باد دینے اور صدقہ اتارنے کے لئے اس کے شہزادی محل چلیں اس طرح خلیفہ اس محل میں ایک جلوس کی صورت میں تشریف لائے خلیفہ کی ہر بیگم کے ساتھ کئی کئی درجن کنیزیں اور پہریدارنیاں تھیں۔

خلیفہ نے کلثوم کے ذریعہ اطلاع پاتے ہی شاہی دائیوں کی پوری ایک جماعت شہزادی سلطان کے پاس بھجوا دی تھی اور اس جماعت نے شہزادی سلطان کا طبی معائنہ کرنے کے بعد کلثوم کی بات کی تصدیق کر دی تھی چنانچہ خلیفہ جب شہزادی کے محل پر پہنچا تو اس کی باچھیں کھلی جاتی تھیں اس کی دوسری بیگمات بھی رسما" اس خبر پر خوشی کا اظہار کر رہی تھیں اور خلیفہ کو بار بار مبارک باد دیتی تھیں۔

شہزادی سلطان کو ایک چاندی کی چوکی پر دلہن بنا کر بٹھایا گیا اسے مشاطاؤں نے باقاعدہ دلہن بنایا تھا اور بالکل ویسا سرخ رنگ کا جوڑا پہنایا تھا جو شہزادی نے اپنی چوتھی کے دن پہنا تھا اس وقت اس کے سر پر ایک چھوٹا سا سونے کا تاج بھی رکھا گیا اس کے بعد خلیفہ کی دوسری بیگمات اور خاندان خلافت کے امرائی بیگمات نے شہزادی سلطان کا پہلا صدقہ اتارا پھر اس کے حضور نذریں گذاریں شہزادی سلطان نے صدقہ اور نذریں تمام کی تمام کنیزوں اور غلاموں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا خلیفہ کو ناچ گانے سے کوئی دلچسپی نہ تھی اس لئے رقص و سرور کی کوئی محفل آراستہ نہ ہوئی اور خلیفہ اپنے محل کو واپس ہوا جس کے ساتھ یہ جشن اپنے اختتام کو پہنچا۔

شہزادی سلطان اس مختصر جشن پر بہت مسرور تھی اسے گمان ہوا کہ خلیفہ اب دوسری بیگمات کی طرف بالکل توجہ نہ کرے گا اور اس کا ہو کر رہے گا مگر اس کا یہ گمان غلط ثابت ہوا خلیفہ جشن کے دوسرے دن تو شہزادی سلطان کے پاس آیا اور اس نے وہ شب بھی شہزادی سلطان کے محل میں گزاری مگر اس کے بعد خلیفہ یوں غائب ہوا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

اب شہزادی دن بھر کڑھتی رہتی اور کلثوم اسے تسلیاں' تشفیاں دیتی رہتی تھی کلثوم کا آنا جانا تھا ایک بار اس نے دبے الفاظ میں خلیفہ سے شہزادی کی سفارش کی کہ خلیفہ اس پر بھی توجہ دیا کرے مگر خلیفہ نے ہنس کے بات ٹال دی کلثوم کو کیا پڑی تھی وہ دوبارہ خلیفہ سے شہزادی کے بارے میں کوئی گفتگو کرتی اسے اپنی ملازمت عزیز تھی اب تو اسے اوپری تنخواہ ملنے لگی تھی ایک تنخواہ اسے شہزادی کی طرف سے ملتی اور دوسری تنخواہ وہ خلیفہ کے ملازموں کے ساتھ خلیفہ کے داروغہ محلات سے حاصل کرتی تھی۔

شہزادی سلطان کے لیل و نہار اسی بدمزگی اور ناچاقی میں گزر رہے تھے کہ اللہ نے اسے چاند سا بیٹا دیا بیٹے کی پیدائش پر شہزادی کے محل میں جیسے بہار کا ایک بھولا بھٹکا جھونکا آ گیا خلیفہ کو بیٹے کی پیدائش کی اطلاع ملی تو بھاگا ہوا آیا بیٹے کو گود میں لے کر اسے خوب پیار کیا اور خود ہی اس کا نام ملک جعفر بن مقتدی رکھا شہزادی کو امید پیدا ہوئی کہ شاید اب خلیفہ اس کی طرف توجہ دینے لگے گا مگر ہائے قسمت خلیفہ نے صرف تین دن جعفر کے لئے چکر لگائے پھر وہ پہلے کی

طرح شہزادی سلطان کے محل کا راستہ بھول گیا۔

جب شہزادی سلطان‘ خلیفہ کا انتظار کرتے کرتے تھک گئی اور اسے کوئی امید نہیں رہی تو اس میں خلیفہ کے خلاف نفرت اور انتقام کا جذبہ بھڑک اٹھا خلیفہ کسی بات پر کلثوم سے ناراض ہو گیا تھا اس لئے اس نے شہزادی سلطان کے محل کے علاوہ کسی اور محل میں کلثوم کا آنا جانا بند کرا دیا کلثوم اب تک تو شہزادی سلطان کے منہ پر اس کی جیسی اور خلیفہ کے منہ پر اس کی جیسی باتیں بتاتی تھی مگر جب وہ خلیفہ کے خلاف ہوئی تو اس نے شہزادی کے سامنے خلیفہ کے خلاف باتیں کرنا شروع کر دیں۔

شہزادی کو اب تک شبہ تھا کہ خلیفہ نے اپنی دوسری بیگمات یا کنیزوں سے دوبارہ تعلقات استوار کر لئے ہیں مگر کلثوم کی گواہی نے اس کے شبہ کو یقین میں تبدیل کرا دیا کلثوم نے چندہی دنوں میں دوسرے محلات کی کنیزوں سے اپنے تعلقات پیدا کر لئے تھے خلیفہ نے اگرچہ اسے دوسرے محلات میں جانے سے روک دیا تھا مگر دوسرے محلات کی کنیزیں بے دھڑک کلثوم کے پاس آتی جاتی تھیں خلیفہ نے ان پر کوئی پابندی نہیں لگائی تھی۔

کلثوم کو ان کنیزوں سے معلوم ہو جاتا کہ خلیفہ کس رات کس بیگم کے محل میں رہا ہے یا اس نے کیا کچھ کیا ہے کلثوم یہ تمام باتیں شہزادی سلطان کے سامنے بیان کر دیتی اب تو یہ حال ہو گیا تھا کہ شہزادی سلطان‘ خلیفہ کے اتنا خلاف نہ تھی جتنا خلاف کلثوم ہو گئی تھی وہ خلیفہ سے نفرت کرنے لگی تھی اور چاہتی تھی کہ سلطان ملک شاہ اس کے خلاف کوئی سخت قدم اٹھائے اسی لئے وہ شہزادی سلطان کو خوب بھرتی اور خلیفہ کے خلاف بھڑکاتی تھی۔

آخر شہزادی سلطان نے کلثوم کے کہنے پر اپنے باپ ملک شاہ کو ایک خط بھیجا جس میں اس نے اپنے ساتھ خلیفہ کی بے التفاتی دبے دبے لفظوں میں بیان کی ملک شاہ اسے میاں بیوی کا معمولی جھگڑا سمجھ کے ٹال گیا اور اس نے بیٹی کو جو

جواب بھیجا اس میں خلیفہ کے بارے میں کوئی ذکر ہی نہ تھا شہزادی سلطان نے دوسرے خط میں اور زیادہ کھل کے لکھا پھر تو شہزادی سلطان اپنے ہر خط میں خلیفہ کی برائیاں کرتی اسے احسان فراموش اور مفاد پرست بتاتی اور اپنی تنہائی کا رونا روتی۔

سلطان ملک شاہ آخر باپ تھا اس نے اب تک ملکہ ترکان خاتون سے بیٹی داماد کے جھگڑے کے بارے میں کوئی ذکر نہ کیا تھا آخر مجبور ہو کر ملک شاہ نے ملکہ کو بھی شہزادی کے خط دکھانا شروع کر دیئے خلیفہ پر سب سے بڑا الزام یہ تھا کہ اس نے شادی کے وقت وعدہ کیا تھا کہ وہ شہزادی سلطان سے شادی کے بعد اپنی پہلی بیویوں اور کنیزوں کی طرف کوئی توجہ نہ دے گا مگر اب وہ اپنے وعدہ سے پھر گیا تھا خلیفہ پر یہ پابندی یقیناً" اخلاقی اور فطری طور پر جائز نہ تھی مگر جب سلطان کو یقین ہو گیا کہ خلیفہ نے بد عہدی کی ہے تو ترکان خاتون نے بھی سلطان ملک شاہ کو مشورہ دیا کہ وہ اس سلسلہ میں خلیفہ کو ایک سخت خط لکھے تو سلطان ملک شاہ نے خلیفہ کو ایسا سخت اور تحقیر آمیز خط لکھا کہ خلیفہ اسے پڑھ کر بلبلا اٹھا۔

خلیفہ کئی روز تک ملک شاہ کے خط کی چبھن اپنے دل میں محسوس کرتا رہا مگر نہ تو وہ سلطان سے جنگ کر سکتا تھا اور نہ اس کے سخت خط کا جواب اتنا ہی سخت دے سکتا تھا وہ اسی الجھن میں مبتلا تھا کہ بغداد میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے خلیفہ اور سلطان کے تعلقات کو جلتی آگ پر تیل کا کام کیا اور وہ شعلہ بن کر بھڑک اٹھی تواریخ نے اس واقعہ کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔

"شہزادی سلطان کی رخصتی کے وقت سلطان اور ملکہ ترکان خاتون کی طرف سے ترکی خدام کا ایک پورا دستہ اور کثیر تعداد میں کنیزیں بغداد بھیجی گئی تھیں چونکہ سلطان ملک شاہ‘ خلیفہ کی حفاظت اور دوسرے معاملات کا ذمہ دار تھا اس لئے بغداد آنے والے ترک خدام خود کو بغداد والوں سے برتر اور زیادہ عزت دار سمجھتے تھے پھر ایک دن ایسا ہوا کہ چند ترک خدام بغداد کے بڑے بازار پہنچے انہوں نے ایک دوکان سے کچھ میوہ خریدا میوہ کی قیمت کے سلسلہ میں میوہ فروش اور ترک

خدام میں تو تو میں میں شروع ہوئی تو لوگوں کی بھیڑ لگ گئی۔

میوہ فروش جو قیمت مانگ رہا تھا ترک غلام وہ قیمت دینے سے پس و پیش کر رہے تھے یہ بات اتنی بڑھی کہ میوہ فروش نے ترک غلاموں کو گالی دیدی ترک غلام کیسے برداشت کرتے وہ سلطان ملک شاہ کی بیٹی شہزادی سلطان کے غلام تھے گالی کے جواب میں غلاموں نے میوہ فروش کی پٹائی کر دی عوام میوہ فروش کی طرف سے لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے خوش قسمتی سے اس وقت شہر کوتوال وہاں پہنچ گیا۔

شہر کوتوال ان ترک غلاموں سے پہلے بگڑا ہوا تھا عوام نے ترک غلاموں کی کوتوال سے شکایت کی کوتوال نے کہا کہ ترک غلاموں کو میں سزا نہیں دے سکتا یہ مقدمہ خلیفہ کے حضور پیش ہو گا عوام بھی یہی چاہتے تھے پس کوتوال میوہ فروش اور ترک غلاموں کو لے خلیفہ کی طرف چلا بہت سے عوام بھی اس کے ساتھ ہو لئے۔

خلیفہ دربار میں موجود تھا اس نے مقدمہ سنا میوہ فروش نے کہا ان لوگوں نے مجھے میوہ کی قیمت طلب کرنے پر مارا ہے جبکہ غلاموں کا کہنا تھا کہ میوہ فروش نے انہیں گالی دی تھی ساتھ آئے ہوئے عوام میوہ فروش کے گواہ بن گئے اب پتہ نہیں کہ میوہ فروش نے گالی دی تھی یا نہیں مگر گواہوں نے یہی کہا کہ ترک غلاموں نے میوہ فروش کو قیمت مانگنے پر مارا ہے ترک خلیفہ کے سامنے بھی سختی سے بولتے رہے یہ خلیفہ کے دربار میں گستاخی تھا۔

خلیفہ کو اتنا غصہ آیا کہ اس نے غلاموں کو نہ صرف ڈانٹ کے دربار سے نکال دیا بلکہ انہیں حکم دیا کہ فوراً بغداد کی حدود سے نکل جائیں غلاموں کو بغداد چھوڑنا پڑا شہزادی سلطان بہت چیخی چلائی مگر خلیفہ نے اس کی ایک نہ سنی شہزادی بھی آخر انسان ہی تھی برداشت کی بھی حد ہوتی ہے آخر شہزادی سلطان نے باپ کو لکھ بھیجا کہ اب وہ خلیفہ کے مزید ظلم و ستم نہیں سہ سکتی اسے بغداد سے واپس بلا لیا جائے۔

ملکہ ترکان خاتون پہلے ہی شہزادی سلطان کو واپس بلانے پر زور دے رہی

تھی یہ سلطان ہی تھا جو چاہتا تھا کہ کسی صورت بیٹی کا گھر بسا رہے مگر جب اس نے دیکھا کہ پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے تو اس نے خلیفہ کو حکمنامہ جاری کیا کہ شہزادی اور اس کے بچہ جعفر کو بحفاظت واپس بھیجنے کا انتظام کیا جائے شہزادی واپس آگئی وہ والدین کے گلے لگ لگ کے خوب روئی خلیفہ کی خوب برائیاں کیں ملکہ ترکان خاتون نے سلطان سے کہا کہ خلیفہ کو معزول کر دیا جائے سلطان نے اس سلسلہ میں وزیراعظم نظام الملک طوسی سے گفتگو کی۔

نظام الملک کے جاسوسوں نے اسے اطلاع دی تھی کہ اگر سلطان نے خلیفہ پر سختی کی تو وہ جنگ پر آمادہ ہو جائے گا عوام اس کے ساتھ ہیں سلطان نے اگر اسے شکست بھی دیدی تو عوام کسی اور کو خلیفہ بنانے پر رضا مند نہ ہوں گے اور خواہ مخواہ کا ایک جھگڑا کھڑا ہو جائے گا چنانچہ وزیراعظم نے سلطان کو خلیفہ کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے روک دیا ملکہ ترکان خاتون کو سخت غصہ آیا اور وہ دانت پیس کے رہ گئی۔

شہزادی سلطان کی قسمت ہی خراب تھی بغداد میں خلیفہ کی بے اعتنائیوں کی شکار رہی یہاں آئی تو بیماریوں نے گھیر لیا اور کچھ دن زندہ رہنے کے بعد اللہ کو پیاری ہو گئی اس طرح مرنے والی نے ملکہ ترکان خاتون اور وزیراعظم نظام الملک میں بڑھتے ہوئے اختلافات کو لازوال ہوا دی۔

یہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ سلطان ملک شاہ نے دور دور تک فتوحات حاصل کرنے کے بعد خود کو سیر و شکار تک محدود کر لیا تھا اس نے سلطنت کا مختار کل وزیراعظم نظام الملک کو بنا دیا تھا نظام الملک بڑا باتدبیر منتظم اور ہوشمند وزیر تھا مگر جاہ و اقتدار ایسی بلائیں ہیں کہ جب کسی کو چمٹ جائیں تو اسے حق سے بے حق کر کے چھوڑتی ہیں انسان خود کو کتنا ہی کیوں نہ سنبھالے مگر اقتدار کی خو بو اسے بے راہ کر دیتی ہے۔

وزیراعظم نظام الملک میں بے پناہ صلاحیتیں اور خوبیاں موجود تھیں مگر جب اسے اقتدار کا کھلا میدان ملا تو وہ جادہ حق سے ہٹ گیا اس نے اپنے بھائیوں،

بیٹوں، پوتوں، نواسوں، کو بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر لگا دیا ظاہر ہے کہ ملک شاہ سلجوق کے اہل خاندان بہت سے سلجوق امراء ایسے زندہ تھے جنہوں نے ملک شاہ کا ہر موقع پر ساتھ دیا تھا اور اس کے پسینے کی جگہ اپنا خون بہانے پر آمادہ رہتے تھے نظام الملک کی غلط بخشیشوں کی وجہ سے ایسے سلجوق امرا کے حقوق پامال ہو رہے تھے ان کا ناراض ہونا اور اس بندر بانٹ پر ناک منہ چڑھانا اپنی جگہ درست تھا۔

ایسا ہی ایک سلجوق امیر جس کا نام سید الرؤسا ابوالمحاسن بن کمال الملک اور جو سلطان کا منہ چڑھا ہونے کے علاوہ اس کا قریبی عزیز بھی تھا اس نے ایک دن تنہائی میں سلطان سے شکوہ کیا۔

"عالیجاہ! نظام الملک اور اس کے عزیز و اقارب حکومت کی ساری آمدنی کھائے جا رہے ہیں انہوں نے صوبوں کو اپنی جاگیر بنا لیا ہے اور اس کی آمدنی سے اپنے گھر بھر رہے ہیں اگر عالیجاہ اسے میرے حوالے کر دیں تو میں اس سے ایک لاکھ اشرفی وصول کر کے شاہی خزانے میں پہنچا دوں"۔

ملک شاہ اپنے منہ پھٹ دوست اور عزیز کی باتیں غور سے سنتا رہا اور جب وہ خاموش ہوا تو صرف مسکرا کے رہ گیا گو کہ یہ گفتگو ملک شاہ اور سلجوقی امیر کے درمیان بالکل تنہائی میں ہوئی تھی اور قریب کوئی لونڈی غلام موجود نہ تھا مگر مثل مشہور ہے کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں اور قصر شاہی کی دیواریں تو ہزاروں کان رکھتی ہیں پس سلجوقی امیر کی یہ بات نظام الملک کی ایک جاسوس کنیز نے سنی اور فوراً اپنے آقا تک پہنچا دی۔

نظام الملک بڑا دبنگ وزیر تھا اس نے اس کا فوراً حل سوچا اور حل بھی ایسا کہ سانپ مارا جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے پس اس نے سلجوقی سلطان ملک شاہ کی دعوت کی اور اس دعوت میں اپنی شان و شوکت کا ایسا کچھ مظاہرہ کیا کہ سلطان دیکھ کر دنگ رہ گیا چاندی سونے کے ظروف، حریر و دیبا کے زرنگار پردے، اس کے محل کی منقش چھتیں اور ایسے ایسے نوادرات جو شاہی محل کو بھی نصیب نہ تھے۔

نظام الملک کنکھیوں سے سلطان کا اضطراب اور حیرت دیکھ رہا تھا جس وقت سلطان دعوت سے فارغ ہوا تو نظام الملک نے نہایت ہی عاجزانہ لہجے میں عرض کیا۔

"عالیجاہ! جانتے ہیں کہ میں تین پشتوں سے اس دودمان عالی کی خدمت کرتا چلا آرہا ہوں اس لئے اس شان و شوکت اور اس اسباب دولت پر میرا حق ہے مگر مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضور کو سلطنت عالی کی آمدنی میں میرے تصرفات بیجا کی خبر پہنچائی گئی ہے یہ خبر درست ہے لیکن یہ مال و دولت میری ذات پر نہیں بلکہ ان غلاموں اور خدام پر جو حضور کی خدمت کے لئے جمع کئے گئے ہیں اور انعام و اکرام پر صدقات اور اوقات پر خرچ ہوتا ہے جس سے آپ کا نام بلند ہوتا ہے اور دنیا آپ کی شکر گزار ہوتی ہے اس سب کا اجر آپ ہی کو ملے گا جہاں تک میرا تعلق ہے تو میری ساری املاک آپ کی ہے اور آپ کے لئے ہے میرے واسطے روٹی کا ایک ٹکڑا اور صرف ایک گوشہ عافیت چاہئے"۔

کہا جاتا ہے کہ جس وقت انسان کا اقبال بلند ہو رہا ہو تو اس پر کوئی حربہ بھی اثر نہیں کرتا وہ نظام الملک کے اقبال کا زمانہ تھا اس لئے نظام الملک کی یہ تدبیر کارگر ہوئی سلجوق امیر کی شکایت نظام الملک کا بال بھی بیکا نہ کر سکی بلکہ ملک شاہ نے الٹے شکایت کرنے والے امیرابولمحاسن کو نظام الملک کے حوالے کر دیا اور اس امیر کو آخر نظام الملک ہی کے دامن میں پناہ حاصل کرنا پڑی۔

یہ حقیقت تھی کہ نظام الملک کے تمام عزیز و اقارب سلجوق سلطنت پر چھائے ہوئے تھے اس کے بارہ بیٹوں نے ایران اور توران کی حکومت کو آپس میں بانٹ لیا تھا نظام الملک نے اپنے ایک پوتے عثمان بن جمال کو مرو کا والی (گورنر) بنایا تھا۔ عثمان کم عمر تھا اور ناتجربہ کار بھی اس نے گورنر ہوتے ہی وہاں کے کوتوال قودن سے بگاڑ لی قودن ملک شاہ کا خاص غلام تھا اور منہ چڑھا بھی تھا گورنر نے اپنی ناتجربکاری کی بناء پر کوتوال قودن کو اپنے دربار میں بلا کے سب کے سامنے ذلیل کرنا شروع کیا تو قودن اکڑ گیا۔

اس نے سخت لہجے میں گورنر عثمان کو جواب دیا۔

"گورنر بہادر! شاید آپ کو یہ نہیں معلوم کہ میں نے کوتوال کا عہدہ اپنے دست بازو کے زور پر حاصل کیا ہے پھر میں آپ سے عمر میں بہت بڑا ہوں آپ کو چاہئے کہ آپ میری عزت کریں اور مجھ سے تہذیب سے گفتگو فرمائیں"۔

ناتجربہ کار گورنر عثمان غصہ سے بھڑک اٹھا۔

"تم --- تم میرے غلام ہو کے مجھے تہذیب سکھاتے ہو میں جس قدر تمہارا لحاظ کر رہا ہوں اتنے ہی تم اکڑے چلے جا رہے ہو اپنی غلطی تسلیم کرو اور واپس چلے جاؤ؟"۔

قودن نے صبر سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"گورنر بہادر! میں غلام ضرور ہوں مگر آپ کا نہیں میں تاجدار سلجوق ملک شاہ کا غلام ہوں ان کی میں نے بڑی خدمت کی ہے اور اسی خدمت کے صلہ میں نے یہ مقام حاصل کیا ہے آپ میرے ساتھ پیار و محبت کا رویہ اختیار کیجئے میں آپ کا بھی غلام ہو جاؤں گا"۔

گورنر عثمان بلا وجہ غصہ میں آگیا۔

"فضول باتیں مت کرو اور جو میں نے کہا ہے اس پر عمل کرو ورنہ میں تمہیں معزول کر دوں گا"۔

تجربہ کار کوتوال نے اسے سمجھایا۔

"گورنر بہادر! ابھی آپ بچے ہیں نظام الملک پر مت پھولئے یاد کیجئے کہ گھوڑے کی پچھاڑی اور بادشاہ کی اگاڑی کا کوئی پتہ نہیں ہوتا گھوڑا پیچھے سے کسی وقت بھی دولتی مار سکتا ہے اسی طرح بادشاہ کے ساتھ رہنے والا عہدیدار کسی وقت بھی معزول کیا جا سکتا ہے"۔

جس وقت گورنر کے دربار میں کوتوال اور گورنر میں سوال جواب ہو رہے تھے اس وقت نظام الملک کا ایک بااعتماد غلام قیس بھی وہاں موجود تھا دل قیس کو نظام الملک نے اپنے پوتے کے ساتھ اس وقت ہی کر دیا تھا جب اس نے عثمان بن جمال کو مرو کا گورنر بنایا تھا اس نے قیس کو تاکید کی تھی کہ وہ عثمان کی حفاظت

کرتا رہے اور اسے ضرورت کے وقت صحیح مشورہ دیا کرے قیس اگرچہ گورنر سے عمر میں کچھ ہی سال بڑا تھا مگر وہ نظام الملک کی صحبت میں رہا تھا اور اس نے کافی تجربہ حاصل کر لیا تھا۔

اس وقت قیس ہی نے گورنر اور کوتوال قودن کا جھگڑا بڑی عمدگی سے ختم کرا دیا وہ اپنی جگہ سے اٹھ کے قودن کے پاس گیا اور اس کی پشت پر ہاتھ رکھ کر دبایا پھر سرگوشی کی۔

"تمہاری طرح میں بھی غلام ہوں مصلحت سے کام لو پھر کسی وقت دیکھ لیں گے"۔

قودن کو ایک حمایتی ملا تو اس نے بڑی خوشی سے اس کی بات مان لی اور خاموشی سے دربار سے باہر چلا گیا۔

دربار کے بعد قیس نے عثمان خان کو سمجھایا۔

"آپ شہزادے ہیں گورنر بہادر آپ خاندانی آدمی ہو کے اس ٹکے کے آدمی کے منہ کیوں لگتے ہیں قودن سلطان کا غلام رہ چکا ہے اس لئے اکڑتا ہے اسے ٹھکانے لگانا یا معزول کرانا کوئی بڑی بات نہیں آپ وزیراعظم کو ایک چھٹی بھیج دیجئے کہ قودن خان آپ سے سردربار گستاخی سے بات کرتا ہے اُسے کہیں اور تبدیل کر دیا جائے بس اس کا دماغ ٹھکانے لگ جائے گا"۔

"تمہارا مشورہ درست ہے قیس" عثمان بن جمال نے بھی قیس کی بات مان لی۔

"میں آج ہی نظام دادا کو خط بھیجتا ہوں اس جیسا کوئی آدمی تو دربار میں رہنے کے قابل ہی نہیں"۔

قیس نے دو چار باتیں اور کر کے عثمان بن جمال کو بالکل پکا کر دیا اس نادان نے بھی بغیر سوچے سمجھے نظام الملک کو ایک لمبا چوڑا خط لکھا جس میں عثمان بن جمال ہزاروں کی برائیاں کر ڈالیں تیسرے یا چوتھے دن عثمان بن جمال نے خط قیس کو دیتے ہوئے کہا۔

"قیس اس خط کو اچھی طرح پڑھ لو اگر کوئی کمی بیشی ہو تو مجھے بتاؤ میں ٹھیک کر دوں گا"۔

قیس نے جان چھڑانے کے لئے کہا۔

"گورنر بہادر آپ نے جو کچھ لکھا ہو گا وہ درست ہی ہو گا میں کوئی آپ سے زیادہ پڑھا لکھا یا قابل تو نہیں ہوں مجھے اپنی اوقات معلوم ہے"۔

"نہیں قیس" عثمان بن جمال نے زور دے کر کہا تم دادا جان کی صحبت میں رہ چکے ہو اور ان کے ساتھ رہنے والا اگر ان پڑھ جاہل بھی ہو تو وہ عالم فاضل بن جاتا ہے جب تک تم اسے پڑھ کے اپنی رائے نہیں دو گے میں اسے نظام دادا کو نہیں بھیجوں گا"۔

قیس کو مجبورا" عثمان کے ہاتھ سے لفافہ لینا پڑا۔

"میں اسے آج پڑھ کے شام کو واپس کر دوں گا"۔

"ایسی بھی کیا جلدی ہے قیس" عثمان نے کہا " یہ ایک معاملہ ہے۔ نظام دادا کے پاس ایسی تحریر جانا چاہئے کہ وہ قودن کا پتہ صاف کر دیں تم آج رات بڑے غور و فکر کے ساتھ پڑھنا پھر کل صبح مجھے مشورہ دینا"۔

قیس نے لفافہ لے لیا قیس خط لینے اور پڑھنے سے اس وجہ سے گریز کر رہا تھا کہ اس کی پندرہ دن کے بعد شادی ہونے والی تھی قیس کی عمر پچیس سال کے اوپر ہو گئی تھی مگر اس نے اب تک شادی نہ کی تھی جب وہ نظام الملک طوسی کی چاکری میں تھا تو وزیراعظم نے بڑی کوشش کی تھی کہ قیس اپنا گھر بسا لے مگر قیس دراصل کچھ رنگین طبیعت کا جوان تھا اس نے وزیراعظم نظام الملک سے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا۔

"آقا میں شادی ضرور کروں گا مگر اپنی پسند کی لڑکی سے"۔

نظام الملک نے ہنس کے پوچھا۔

"اچھا تو اپنی پسند بتا ہم تیری شادی وہیں کرا دیں گے؟"۔

اور قیس نے یہ کہہ کر نظام الملک کو لاجواب کر دیا تھا۔

"آقا حضور! ابھی تک تو مجھے کوئی لڑکی پسند ہی نہیں آئی پھر آپ کو کیا بتاؤں؟"۔

اس بات کو پانچ چھ سال گزر چکے تھے پھر جب نظام الملک نے اپنے پوتے عثمان بن جمال کو مرو کا گورنر مقرر کیا تو قیس کو اس کے ساتھ بحیثیت مشیر و محافظ بھیج دیا اس وقت سے اب تک قیس کنوارے کے کنوارے ہی تھے۔

ادھر کچھ دنوں سے قیس کا شراری سے معاشقہ چل نکلا تھا شراری بڑی شوخ شنگ اور خوبصورت لڑکی تھی اس کا باپ گورنر بہادر کے اصطبل کا داروغہ تھا قیس کو گھڑ سواری کا بہت شوق تھا جہاں کوئی اچھا گھوڑا دیکھا اور قیس کی رال ٹپکی عثمان بن جمال کے اصطبل کے لئے جتنے گھوڑے خریدے جاتے اس میں قیس کی رائے کو اولیت حاصل تھی ہر نئے گھوڑے پر گورنر سے پہلے قیس ہی سوار ہوتا تھا۔

شراری کے باپ کو معلوم تھا کہ قیس‘گورنر بہادر کا غلام کم اور مشیر اور مصاحب زیادہ ہے یوں وہ قیس کو عزت بھی دیتا اور شراری کو بھی ڈھیل دے رکھی تھی کہ اگر دونوں ایک دوسرے کو پسند کرنے لگیں تو شراری کے لئے قیس سے بہتر اور کون شوہر ہو سکتا تھا قیس اور شراری کی آزادانہ ملاقاتوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ دونوں نے ایک دوسرے کو پسند کر لیا اور قیس نے گورنر کے ایک دوسرے غلام کی ماں کے ذریعہ شراری کے واسطے اپنا پیغام بھیجا جو شراری کے باپ نے بلا حیل و حجت منظور کر لیا۔

قیس نے خود ہی پیغام بھیجا اور خود ہی شادی کی تاریخ بھی مقرر کر لی اس نے اپنی شادی کی تاریخ سے گورنر بہادر کو دبے الفاظ میں مطلع بھی کر دیا تھا مگر گورنر ان دنوں کوتوال قودن کے جھگڑے میں الجھا ہوا تھا اس لئے اس نے اس خبر پر زیادہ توجہ نہ دی تھی قیس کو یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں گورنر بہادر یہ خط اس کے ذریعہ ہی نظام الملک کو نہ بھیجنے کا حکم دے کوئی اور وقت ہوتا تو قیس دارالسلطنت اصفہان جانے کے لئے فورا" تیار ہو جاتا مگر شادی کی تاریخ سر پر تھی

اس لئے وہ پریشان ہو رہا تھا۔

قیس کا خیال درست نکلا دوسرے دن جب قیسؓ نے عثمان بن جمال کو لفافہ واپس کرتے ہو کہا۔

"آقائے محترم! مضمون بالکل درست ہے وزیراعظم آپ کا خط پڑھتے ہی قودن کو ایسی سزا دیں گے کہ وہ عمر بھر یاد رکھے گا"۔

گورنر عثمان بن جمال مسکرایا۔

"قیس تم آج زیادہ مہذب ہو گئے یا تم آج بہت خوش ہو؟"۔

قیس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔

"میں سمجھ نہیں سکا آپ کی بات گورنر بہادر؟"۔

"بات بالکل معمولی ہے گورنر عثمان پھر مسکرایا" پہلے تم نے مجھے آقائے محترم سے مخاطب کیا اور اب گورنر کہہ رہے ہو بات بس یہی ہے کہ میں آقائے محترم ہوں یا گورنر بہادر؟"۔

"آپ دونوں خطابات کے لائق ہیں میری سرکار" قیس نے بھی مسکرانے کی کوشش کی "میں وزیراعظم کا خانہ راز تھا تو انہیں آقائے محترم کہتا تھا آپ ان کے پوتے ہیں اس لئے آپ بھی میرے لئے آقائے محترم ہوئے پھر جب آپ کے ساتھ یہاں آیا تو سب نے آپ کو گورنر بہادر کہا تو میں بھی یہی کہنے لگا"۔

"اور یہ تیسرا خطاب میری سرکار کہاں سے ٹپک پڑا؟" گورنر عثمان نے ناگوار انداز میں کہا۔

"میری سرکار سب سے بڑا خطاب ہے میری سرکار" قیس نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"مگر یہ خطاب ایک ملازم اُس وقت منہ سے نکالتا ہے جب وہ اپنے آقا کو دل سے چاہنے لگتا ہے۔ اس وقت یہ خطاب اس لئے منہ سے نکل گیا کہ آپ نے جو خط وزیراعظم کو لکھا ہے اس کا جواب نہیں وہ آپ کا خط پڑھ کر جھوم اٹھیں گے"۔

"تو پھر تم تیاری کرو" گورنر نے کہا "یہ خط لے کر تمہیں خود دادا حضور کے پاس جانا ہو گا"۔

قیس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی وہ جواب دینے کی بجائے حیرانی سے عثمان بن جمال کا منہ تکنے لگا"۔

گورنر نے کہا۔

"اس میں حیرانی کی کیا بات ہے قیس۔ تم تو دارالسلطنت جاتے ہوئے بہت خوش ہوتے ہو۔"

"مگر سرکار! ایک ہفتے بعد میری شادی ہونے والی ہے میں آپ کو پہلے ہی اطلاع دے چکا ہوں" قیس نے مردہ آواز میں کہا۔

"اوہ - مجھے تو یاد ہی نہیں رہا" عثمان نے کہا "خیر کوئی بات نہیں تم شادی کے بعد چلے جانا"۔

قیس خوش ہو گیا۔ بولا۔

"اسی لئے تو میں آپ کو آقائے محترم، گورنر بہادر اور میری سرکار کہتا ہوں آپ واقعی تینوں خطابوں کے لائق ہیں"۔

گورنر نے دنیا داری کے انداز میں پوچھا۔

"شادی کے سلسلے میں کسی اور چیز کی ضرورت تو نہیں ہے؟"۔

قیس نے جب گورنر کو اپنی شادی کی اطلاع دی تھی تو گورنر نے اسے شادی کے لئے ایک معقول رقم خزانچی سے دلوا دی تھی اس وقت گورنر نے جو کچھ کہا وہ سولہ آنے دنیا داری تھی۔

قیس نے انکار کر دیا۔

"فی الحال تو کسی چیز کی ضرورت نہیں آقا! وہ حکام کی تلون مزاجی سے واقف تھا کیونکہ ایسے موقع پر وہ خواہ مخواہ ناراض ہو جایا کرتے ہیں اس لئے اس نے انکار کرنے ہی میں اپنی خیر دیکھی۔

قیس کی شادی کے جوں جوں دن قریب آتے جا رہے تھے اتنا ہی اس کی

مسرتوں میں اضافہ ہو رہا تھا شراری کسی رئیس گھرانے کی لڑکی نہ تھی کہ قیس کو اس سے کوئی مالی فائدہ پہنچتا مگر قیس کو شراری دل سے پسند تھی شراری کی ہنستی ہوئی آنکھیں ہر دم قیس کی نظروں میں گھومتی رہتی تھیں اب تو اس کی شادی کو صرف دو دن رہ گئے تھے۔

شادی کے ایک دن پہلے قیس، شراری کے گھر گیا وہ شراری کے باپ کو یہ بتانے گیا تھا کہ گورنر بہادر اپنی مصروفیت کی وجہ سے شادی میں شریک نہ ہو سکیں گے اس لئے اسے کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہیں وہ شراری کے گھر پہنچا تو اس کا باپ موجود نہ تھا اور ماں پڑوس میں گئی ہوئی تھی گھر میں صرف شراری تھی اور اس کا چھوٹا بھائی دروازے پر اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

قیس کو دیکھ کر کھیل چھوڑ کر اس کے پاس آ گیا۔

"بابا جی گھر نہیں ہیں قیس بھائی"۔

"ماں جی تو ہوں گی؟ قیس نے پوچھا۔"

"وہ پڑوس میں گئی ہیں آپ کہیں تو بلا لاؤں؟ شراری کے بھائی نے معصومیت سے پوچھا۔"

اسی وقت شراری ڈیوڑھی میں آ گئی۔

"بھائی جان کو اندر لے آؤ" شراری نے بھائی کو حکم دیا۔

بھائی نے قیس کو دیکھا اور قیس اس کے ساتھ ڈیوڑھی میں داخل ہو گیا اندر کی طرف ڈیوڑھی کے برابر ایک کوٹھری سی تھی جسے شراری کا باپ بیٹھک کے طور پر استعمال کرتا تھا قیس جب بھی اس سے ملنے آتا تو اسی کوٹھری میں بیٹھایا جاتا تھا۔

دونوں اس کوٹھری میں آ گئے ان کے پیچھے شراری بھی پہنچ گئی مگر دروازے پر رک کے کھڑی ہو گئی قیس نے نظر اٹھائی شراری اسے دیکھ رہی تھی دونوں نظریں ٹکرائیں شراری کی نظریں حیا سے جھک گئیں مگر قیس اسے نظریں جمائے دیکھتا رہا۔

"باجی میں جاؤں کھیلنے؟"۔

شراری کے بھائی کی آواز نے دونوں کو چونکا دیا شراری نے نظر اٹھائی اور قیس کی نظریں جھک گئیں۔

"جاؤ مگر کہیں دور نہ جانا" شراری نے بھائی کو مشروط اجازت دی۔

بھائی چلا گیا تو شراری نے شرماتے ہوئے پوچھا۔

"شربت بنا لاؤں؟ کتنا رس تھا شراری کی آواز میں۔

"کوئی ضرورت نہیں" اور قیس نے شراری کی نظروں میں نظریں ڈال دیں۔

"پھر آئے کیوں تھے؟ کیسا بے تکا سوال تھا۔

"بابا کو ایک پیغام دینا تھا" جواب اس سے زیادہ بے تکا تھا۔

"وہ تو گھر میں نہیں ہیں"۔

"ہاں ––"۔

"ماں بھی گھر میں نہیں ہے"۔

"ہوں –––"۔

"پھر ––؟"۔

"پھر کیا میں جا رہا ہوں" قیس اٹھ کے کھڑا ہو گیا۔

"میں تو گھر میں ہوں" اور شراری مسکرا دی۔

قیس کا دل کھل اٹھا اسے ہر چیز مسکراتی نظر آئی ان نے کچھ کہنا چاہا مگر زبان جیسے بند ہو گئی۔

"کچھ کہو نا قیس؟" شراری نے اسے چھیڑا۔

"ہاں –– قیس چونکا " کچھ کہنا تھا ہاں۔ کیا کہنا تھا یہ کہنا تھا گورنر بہادر شادی میں نہیں آ رہے اس لئے زیادہ انتظام کی ضرورت نہیں"۔

"تم تو آؤ گے نا؟"۔

"میں –– میں کیوں نہیں آؤں گا" قیس پھر چپ ہو گیا۔

"کچھ اور کہو نا پہلے تو بہت بولتے تھے اب کیا ہو گیا تمہیں"۔

"مجھے کیا ہو گیا قیس جیسے خود سے بولا- پھر جیسے اسے اک دم خیال آیا جلدی سے بولا اب دو دن بعد خوب جی بھر کے باتیں کریں گے شراری"۔

"شراری شرما گئی لجا گئی دہری ہو گئی-

اتنے میں ماں آ گئی اور باتوں کا رخ بدل گیا کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جذبے' روایت کے خاندان سے ہوتے ہیں اور وقت کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں ممکن ہے کہ یہ درست ہو مگر دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ محبت کے جو انداز پانچ سو سال پہلے تھے وہی انداز آج بھی ہیں جس طرح قیس اور شراری ایک دوسرے کو دیکھ کے خاموش ہو جاتے اور ان کی زبانیں بند ہو جاتی تھیں وہی انداز آج بھی ہیں مسلمانوں میں اذان کا بڑا احترام ہے اذان کی آواز پر گفتگو کرنے والے چپ ہوتے ہیں خواتین فوراً" پلو سر پر کھینچ لیتی ہیں یہ عورتیں خواہ پاکستان کی ہوں یا دوسری دنیا(امریکہ) میں جا کے آباد ہونے والی ہوں اگر وہ مسلمان ہیں تو امریکہ میں بھی اذان کی آواز پر پلو سر پر ڈال لیتی ہیں یہ بات راقم الحروف کو نیو یارک سے آنے والے ایک مسلمان نے بتائی تھی-

خیر آمدم برسر مطلب دو دن بعد قیس کی بارات چڑھی اس کا اپنا تو کوئی نہ تھا دور کے کچھ عزیز تھے وہ اصفہان میں رہتے تھے اس زمانہ میں سفر کی اتنی آسانیاں نہ تھیں پر کوئی قیس کی بارات میں شامل ہونے کیوں آتا پس اس کے یار دوست تھے انہوں نے اور ان کی بیویوں نے تمام انتظامات کئے تھے اس مردانی بارات کے ساتھ بارات کا تمام ضروری سامان تھا جوڑے' زیورات' ہار پھول' سہرے' ہولے' یہاں تک کہ بارات کی خاص نشانی "سہاگ پڑا" بھی بھیجا گیا تھا مردوں کے ساتھ دو سن رسیدہ خواتین بھی بارات میں شامل تھیں بارات میں کوئی دھڑکا نہیں ہوا ہاں شراری کی سہیلیوں نے خوب خوب جانجھر بجائیں اور ڈھول پیٹے یہ تو پتہ نہیں اس زمانہ میں کس طرح کے گانے اور بنـ[illegible]ـائے جاتے تھے لڑکیاں ناچتی تھیں کہ نہیں صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ باراتیں دھوم سے چڑھتی تھیں

ار گانے بھی خوب خوب ہوتے تھے شراری کی طرف سے عورتیں کافی تھیں جن میں زیادہ تعداد شراری کی سہیلیوں کی تھی شراری کا باپ داروغہ اصطبل تھا اس کے مہمان بھی اسی درجے تک کے لوگ تھے مگر وہ جو کہا ہے کسی نے کہ حسن و جوانی کسی کی میراث نہیں جہاں تک جوانی کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں یہاں تک کہا گیا ہے-

مہترانی ہو کہ رانی گنگناتی ہے ضرور-
یہ جوانی ہے جوانی سب پہ آتی ہے ضرور-

یہی حال حسن کا ہے شراری اس کی جیتی جاگتی مثال تھی کہنے کو تو وہ داروغہ اصطبل کی بیٹی تھی مگر قسمت سے صورت ایسی پائی تھی کہ بڑے گھرانوں کی دوشیزاؤں میں بیٹھا دی جائے تو بھی اس کا نمبر پہلا یا دوسرا ہو گا شراری نے اپنی سہیلیاں بھی چھانٹ چھانٹ کے خوبصورت ہی بنائی تھیں ہر سہیلی نک سک سے درست یہ لڑکیاں جس برات میں شریک ہوتیں تو محفل جیسے جاگ اٹھتی ہر طرف چاندی سی بکھر جاتی اور خوشبو پھیل جاتی او جوانی کی اپنی الگ ایک خوشبو ہوتی ہے تمام خوشبوؤں سے تیز-

نکاح تک باتیں آہستہ آہستہ ہوتی رہیں پھر نکاح کے بعد تو جیسے باتوں اور قہقہوں کا دفتر کھل گئے مردانہ توانا قہقہے زنانہ باریک سریلے اور سنہرے روپلے قہقہے' ہر طرف قہقہے ہی قہقہے تھے انہی قہقہوں اور اونچی سچی باتوں میں کھانا ختم ہوا اب جانے کی جلدی ہوئی دولہا کو اندر بلایا گیا ابھی دو ایک ہی رسمیں ہوئی تھیں لڑکیاں مسکراتے اور شگوفے کھلائے گھر پر جیسے قیامت ٹوٹ پڑی-

پچاس ساٹھ نقاب پوش ڈاکوؤں نے بارات بھری گھر میں قیامت برپا کر دی حملہ اس قدر اچانک تھا کہ سب بدحواس ہو گئے ڈاکوؤں نے زیورات چھینے' نقدی لوٹی پھر عورتوں کی طرف رخ کیا انہیں جو خوبصورت عورت یا لڑکی نظر آئی اسے گھسیٹ کے گھوڑے پر سوار کیا پھر یہ جا' وہ جا ہوا کے جھونکے کی طرح ایک طرف سے آئے اور دوسری طرف نکل گئے-

یہ نہیں کہ مردوں نے مقابلہ نہیں کیا۔ قیس نے سہرا ایک طرف کیا اور تلوار کھینچ کے ڈاکوؤں کے سامنے ڈٹ گیا مگر باراتی پیدل اور ڈاکو گھوڑوں پر سوار نتیجہ یہ ہوا کہ کئی باراتی زخمی ہوئے قیس دو سواروں کے درمیان کچلا گیا ڈاکوؤں کے جانے کے بعد جب دیکھا گیا تو روپیہ پیسہ تو ایک طرف آٹھ باراتی لڑکیاں غائب تھیں بعد میں ان میں سے دو لاشیں کچھ دور راستے میں پڑی ملیں سب سے زیادہ نقصان قیس کا ہوا اس میں شراری بھی غائب تھی قیس تمام رات گھوڑا بھگا کے دور دور ڈھونڈتا رہا مگر شراری کی لاش نہیں مل سکی یہ صدمہ اس کے لئے سوہان روح بن گیا شراری کے والدین کی آہ و زاری سے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔

قسمت پر کس کا زور چلتا ہے دم کے دم میں ہنستی مسکراتی محفل اجڑ گئی دو عورتیں اور چار مرد مارے گئے زخمی ان کے علاوہ تھے مگر سب سے بڑا نقصان تو لڑکیوں کا تھا جو قتل ہوئیں اور انہیں ڈاکو اٹھا کے لئے گئے شراری جو عروسی لباس میں تھی وہ بھی ان اغواء ہونے والی لڑکیوں میں سے ایک تھی۔

رات کے ڈاکہ کی بازگشت صبح کو گورنر مرو عثمان بن جمال کے دربار میں سنائی دی۔

قیس نے روتے ہوئے بتایا۔

"گورنر بہادر! میں لٹ گیا برباد ہو گیا میری قسمت مجھ سے روٹھ گئی شراری مجھ سے چھین لی گئی؟"۔

گورنر عثمان بن جمال کو صبح سورج نکلنے سے پہلے معلوم ہو گیا تھا کہ رات شہر میں ڈاکہ پڑا ڈاکو گورنر کے مشیر قیس کی بارات پر پڑے کئی مرد اور عورتیں قتل ہوئیں ڈاکو تمام سامان لوٹ لے گئے سامان کے ساتھ وہ جوان عورتیں بھی پکڑ لے گئے ہیں ان عورتوں میں قیس کی دلہن شراری بھی تھی۔

گورنر نے قیس کے درد بھرے جملے بڑے تحمل سے سنے پھر نرم آواز میں بولا۔

"ہمیں اس ڈاکہ کی صبح ہی اطلاع مل گئی تھی ہمیں تمہاری تباہی اور دل

زاری کا پورا پورا احساس ہے اور تمہارے ساتھ پوری پوری ہمدردی بھی ہے ہم شہر کوتوال قودن کو طلب کیا ہے دیکھیں وہ کیا بیان دیتا ہے؟"۔

اسی وقت شہر کوتوال قودن پہنچ گیا گورنر غصہ میں بھرا بیٹھا تھا اس نے ڈپٹ کے کہا۔

"کل رات شہر میں کیا ہوا کوتوال؟"۔

گورنر نے اتنے سخت لہجہ میں کہا کہ پورا دربار گونج اٹھا قودن سے گورنر کی پہلے ہی لاگ ڈانٹ تھی گورنر کی ڈانٹ پر قودن خون کے گھونٹ پی کے رہ گیا اور سر جھکا کے نرم لہجے میں بولا۔

"ایک بارات پر ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا دو مرد اور عورتیں ماری گئیں دس ہزار کا سامان لوٹ لے گئے کھوجی، کھرا تلاش کر رہے ہیں ڈاکو جلد گرفتار کر لئے جائیں گے"۔

"جانتے ہو کس کی بارات پر ڈاکہ پڑا؟" گورنر کا لہجہ اب بھی اتنا ہی سخت تھا۔

"جی گورنر بہادر" کوتوال کا لہجہ اور زیادہ دھیما ہو گیا "مجھے افسوس ہے کہ یہ گورنر بہادر کے مشیر کی بارات پر پڑا تھا"۔

"اور کیا یہ بھی جانتے ہو کہ ڈاکو مال کے ساتھ چھ عورتیں بھی پکڑ لے گئے ان میں قیس کی دلہن بھی شامل ہے"۔

گورنر کے اس سوال نے شہر کوتوال کو گھبرا دیا حالانکہ وہ تحقیقات کے لئے گیا تھا مگر اسے صرف ڈاکہ اور چار جانوں کے ضائع ہونے کے بارے میں بتایا گیا اس نئے انکشاف پر کوتوال نے قیس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

قیس نے تقریباً" روتے ہوئے بتایا۔

"ہاں کوتوال بارات رخصت ہونے والی تھی کہ ڈاکو آ گئے اور میرا تو سب کچھ لٹ گیا پتہ نہیں میری شراری زندہ ہے یا ظالموں نے اسے مار ڈالا"۔

قودن نے اسے تسلی دی۔

"بھائی قیس۔ اگر تمہاری دلہن زندہ ہے تو میں اسے پاتال سے بھی نکال لاؤں گا مگر تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جب تک تمہاری دلہن نہیں ملتی میں چین سے نہیں بیٹھوں گا"۔

گورنر عثمان بن جمال نے دخل دیا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ ڈاکوؤں کو اتنی جرات کیسے ہوئی کہ انہوں نے شہر میں ڈاکہ ڈالا اور گورنر کے مشیر کی دلہن کو اغواء کر کے لے گئے"۔

"گورنر بہادر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں"۔

"ہمیں یقین دلانے کی ضرورت نہیں کوتوال!" عثمان بن جمال نے قودن کی بات کاٹ دی اس ڈاکہ کی اطلاع سلطان کو ضرور بھیجی جائے گی"۔

"گورنر بہادر"۔

"غلط یا بے تکا جواب دینے سے خاموش رہنا زیادہ بہتر ہے" گورنر عثمان نے کوتوال کی بات پھر کاٹی "آپ جا سکتے ہیں کوتوال"۔

کوتوال نے بھی بحث کرنا بہتر نہ خیال کیا اور چپ چاپ گورنر کے دربار سے چلا گیا۔

اسی رات گورنر نے قیس کو اپنے قصر میں بلایا اور نیا لفافہ اس کے ہاتھ میں دیا۔

"قیس پہلے اس خط کو پڑھو پھر بتاؤ کہ کیا تم یہ خط لے کر دارالسلطنت جا سکتے ہو"۔

قیس صدمہ کی وجہ سے افسردہ اور پژمردہ ہو رہا تھا اس نے بے دلی سے لفافہ سے خط نکالا اور پڑھنا شروع کیا لکھا تھا۔

دادا حضور خواجہ نظام الملک طوسی۔

یہ خط اپنے مشیر اور آپ کے غلام خاص قیس کی معرفت اس وجہ سے روانہ کر رہا ہوں کہ اس کی تمام باتیں پوشیدہ رہیں۔

دادا حضور جس دن میں نے مرو کے عامل کا عہدہ سنبھالا اس دن سے کوتوال شہر قودن نے میری مخالفت شروع کر دی ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ قودن کسی زمانہ میں سلطان والا تبار ملک شاہ کی چاکری میں رہ چکا ہے اس لئے زمین پر قدم نہیں رکھتا اور نہ کسی کو خاطر ہی میں لاتا ہے۔

اب تک جیسے تیسے ہوا اس کے نخرے برداشت کرتا رہا ہوں مگر وہ اپنی اصلاح کرنے پر کسی صورت راضی نہیں شہر کی حالت یہ ہے کہ راہ چلتے لوگوں کو لوٹ لیا جاتا ہے دن دیہاڑے ڈاکے پڑتے ہیں اور خواتین کا اغواء تو ایک عام بات ہو گئی۔

نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ اراکین سلطنت اور وابستگان حکومت کی جان و مال کی کوئی ضمانت باقی نہیں رہ گئی میرے مشیر قیس آپ کو بتائیں گے کہ خود ان کی شادی میں کس طرح ڈاکہ پڑا اور ڈاکوؤں نے کس طرح مردوں اور عورتوں کو قتل اور بعض کو اغواء کر کے لے گئے ان اغواء ہونے والی عورتوں میں قیس کی دلہن بھی شامل ہے۔

شہر کوتوال چونکہ سلطان معظم کا ملازم رہ چکا ہے اور اس کا یہ عہدہ بھی انہی کا بخشا ہوا ہے اس لئے میں اس کے خلاف قدم کرنے کی پہلے آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔

فرمانبردار۔

عثمان بن جمال۔

اگر دل کے زخموں کی تسلی تحریر سے ہو سکتی تو یہ تحریر قیس کے زخموں پر مرہم کا کام کرتی مگر تحریر کی تسلی تشفی زخموں کا مداوا نہیں ہو سکتیں خط پڑھنے کے بعد قیس نے خط دوبارہ لفافہ میں بند کر دیا۔

"میرے لئے کیا حکم ہے میرے آقا" قیس نے پوچھا۔

"پہلے یہ بتاؤ کیا تم اس خط سے مطمئن ہو؟" گورنر نے سوال پر سوال کر دیا۔

"جی ہاں۔ میں مطمئن" اس کے علاوہ قیس اور کیا کہہ سکتا تھا۔

گورنر نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ خط لے کے تم خود دارالسلطنت جاؤ اور اس کا جواب بھی لاؤ تاکہ میں اس موذی قودن کا سر کچل سکوں میرا ذاتی خیال ہے کہ تمہاری بارات پر حملہ ڈکیتی کی واردات نہیں بلکہ قودن نے یہ ڈرامہ مجھے اور تمہیں پریشان کرنے کے لئے رچایا ہے"۔

"نہیں گورنر بہادر" ایسا نہ کہئے "مظلوم قیس نے دکھ بھرے لہجے میں کہا" کوتوال کو میں خود بھی پسند نہیں کرتا مگر ڈاکہ کے وقت میں خود وہاں موجود تھا میں نے ان سے مقابلہ کیا ہے وہ کوتوال کے آدمی نہیں تھے بلکہ اصلی ڈاکو تھے"۔

"خیر یہ تمہارا خیال ہے" گورنر نے ناگوار انداز میں کہا "اب اس خط لے جانے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"۔

"میرے آقا" قیس نے جواب دیا" میں آپ کا نوکر ہوں آپ کے حکم کی بجا آواری میرا فرض ہے اس میں رائے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہاں اگر دو تین دن بعد جانے کی اجازت دی جائے، تو آپ کی بہت مہربانی ہو گی"۔

"ٹھیک ہے" گورنر نے فوراً" کہا" تمہارا زخم تازہ ہے دو تین دن نہیں تم ایک ہفتہ آرام کر کے چلے جانا"۔

قیس کی بارات پر حملہ سے دو گھر تباہ ہوئے ایک گھر خود قیس کا جو آباد ہونے سے پہلے ہی برباد ہو گیا اور دوسرا گھر شراری کے باپ داروغہ اصطبل کا شراری ہی اس گھر کا چراغ تھی وہ چراغ بجھا تو وہاں اندھیرا ہی اندھیرا پھیل گیا قیس اپنے سسر کے پاس جاتا تو سسر اسے دکھے دل کے ساتھ تسلیاں دیتا پھر سسر اپنے داماد کے ڈیرے آتا تو قیس اس کے آنسو پونچھتا اس طرح وہ دونوں ایک دوسرے کو تسلیاں دیتے اور گلے مل کے روتے بھی تھے۔

قیس کچھ ایسا تنہائی پسند نہ تھا اسے بھی دوستوں کی خواہش تھی اسے جاننے والے جوان بھی اس سے ملنا چاہتے تھے مگر قیس نے یہ محسوس کیا کہ اس کے پاس آنے والے جوانوں میں زیادہ تعداد ایسے جوانوں کی ہے جو اس کے سرکاری اثرورسوخ سے فائدہ اٹھانے کے خواہش مند ہیں اس لئے وہ دوستوں سے دور ہوتا گیا اب لے دے کے قیس کا صرف ایک دوست رہ گیا تھا جو ہفتہ عشرہ میں اس کے پاس آتا اور تھوڑی دیر گفتگو کے بعد رخصت ہو جاتا اس نے قیس سے کبھی کوئی خواہش نہ کی حالانکہ قیس چاہتا تھا کہ اس کی مدد کرے مگر ایسا وقت اب تک نہ آیا تھا۔

قیس کی شادی میں ضرور دوستوں کی بھرمار ہو گئی تھی یہ قیس کی خوش نصیبی تھی کہ اس کے دوستوں میں سے کسی کی بیوی کو کوئی نقصان نہ پہنچا تھا اس حادثہ کا قیس کے دوستوں کو بھی صدمہ تھا خاص کر اس کا وہ دوست جو اس سے گاہے بگاہے ملا کرتا تھا بارات میں وہ بھی شریک تھا اور قیس کے ساتھ ڈاکوؤں کے مقابلہ پر نکلا تھا اس حادثہ کے بعد اس دوست نے یہ وطیرہ بنا لیا تھا کہ قیس سے ملنے روز شام کو آتا اور تھوڑی دیر بیٹھ کے چلا جاتا۔

قیس کو اپنے اس دوست سے کچھ انسیت سی ہو گئی تھی جس شام اس کے آنے میں دیر ہوتی تو قیس بے چین ہو جاتا اور اسکے آنے پر تاخیر کا سبب پوچھتا تھا ایک رات قیس کا دوست بہت دیر سے آیا قیس تقریباً" ناامید ہو چکا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

قیس نے دروازہ کھولا تو شابو اسکے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"آج اتنی دیر کر دی! قیس نے شمع ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"آج ایک عجیب ہستی سے مل کے آیا ہوں قیس" شابو نے بڑی مسرت سے بتایا۔

"عجیب ہستی سے تمہاری کیا مراد ہے؟" دونوں آمنے سامنے بیٹھے تو قیس

نے کہا۔

"عجیب سے میرا مطلب ہے۔ عجیب' بالکل عجیب" شابو بتانے لگا"ایسی بزرگ ہستی میں نے آج تک نہیں دیکھی لوگ ان کے گرد خاموش سرجھکائے بیٹھے رہتے ہیں ان سے سوال کرنے کی کسی کو اجازت نہیں مگر وہ سب کے دل کا حال معلوم کر لیتے ہیں اور بغیر سوال کئے اس طرح جواب دیتے ہیں کہ اسے صرف وہی سمجھ لیتا ہے جس کے دل میں اسطرح کا سوال ہوتا ہے"۔

قیس نے منہ بنایا"میں تمہاری بات بالکل نہیں سمجھ سکا شابو" قیس نے الجھتے ہوئے کہا" ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی اللہ والے بزرگ ہوں یا پھر کوئی مکار اور بہروپیا ہو جو لوگوں کو الو بنا کر اپنی جیب بھرتا ہو؟"۔

"یہ بات نہیں ہے قیس شابو نے جواب دیا"وہ کسی سے کچھ نہیں لیتے بلکہ ان کی جیبوں میں جو کچھ ہوتا ہے وہ پاس بیٹھنے والوں میں بانٹ دیتے ہیں"۔

قیس نے ٹھنڈی سانس لی "یہ دنیا اللہ والوں سے خالی نہیں مگر وہ ملتے کہاں ہیں آج یہاں کل وہاں لوگ ان کو ڈھونڈتے ہی رہ جاتے ہیں"۔

"تم نے ٹھیک کہا قیس وہ بالکل ایسے ہی ہیں شابو نے بڑے یقین سے کہا۔

"جانتے ہو آج کیا ہوا سنو گے تو حیران رہ جاؤ گے؟"۔

قیس بے دلی سے بولا۔

"اب اور کیا سنانا چاہتے ہو وہ بھی کہہ ڈالو مگر سمجھ لو کہ اللہ والے یوں گلیوں میں گھوما پھرا نہیں کرتے"۔

شابو نے اسے بتایا۔

"آج شاہ صاحب کچھ ایسی عجیب و غریب باتیں کر رہے تھے کہ میں گم سم بیٹھا سنتا رہا تمہارے پاس آنے کا خیال ہی میرے ذہن سے نکل گیا پھر وہ باتیں کرتے کرتے اک دم رک کے مجھے گھور کے دیکھا اور فرمایا جاجا تو کیوں بیٹھا ہے تیرا دوست انتظار کر رہا ہے تو ہی تو اسے سہارا دیتا ہے۔ میں گھبرا کے کھڑا ہو گیا اور باہر کی طرف چلا شاہ صاحب پھر وعظ دینے لگے کیوں ہے نا یہ تعجب کی بات انہیں یہ معلوم ہوا کہ مجھے تمہارے پاس جانا ہے اور تم میرا انتظار کر رہے ہو؟"۔

قیس کو ذرا سی حیرانی تو ہوئی پھر بولا۔

"میں کشف و کرامات کا منکر نہیں ہوں شابو مگر پھر یہی کہوں گا کہ اللہ والے ویرانوں میں بستے ہیں وہ بستیوں میں نہیں آتے"۔

"مگر میں نے تو یہ سنا ہے کہ پیر اپنے مریدوں کی ان کی مشکلات میں مدد کرنے پہنچ جاتے ہیں شابو نے ایک نیا نکتہ بیان کیا۔"

"اس سے بھی انکار نہیں" قیس نے جواب دیا"مگر یہ اسی صورت میں ہوتا ہے جب پیر اور مرید میں مضبوط رشتہ قائم ہوجاتا ہے"۔

"یہ بات تم نے سولہ آنے صحیح کہی شابو خوش ہو گیا بالکل یہی بات آج شاہ صاحب نے بھی کہی تھی۔

قیس نے حیران نظروں سے شابو کو دیکھا۔

"شاہ صاحب نے کہی تھی آخر کیا کہا تھا انہوں نے؟"۔

شابو سوچتے ہوئے بولا۔

"شاہ صاحب کہہ رہے تھے کہ اگر پیر و مرید کا رشتہ مضبوط ہو جائے تو پیر اپنے مرید کو زمین سے اٹھا کر آسمان پر لے جا سکتا ہے امام میں وہ قدرت ہے کہ وہ اپنے پیروکار کو جنت و دوزخ اور تمام آسمانوں کی سیر کرا سکتا ہے"۔

قیس اٹھ کھڑا ہو گیا۔

"شابو چل! مجھے لے چل ان پیر کے پاس کہاں رہتے ہیں وہ شاہ صاحب میں کسی ایسے ہی امام کی تو تلاش میں ہوں"۔

شابو ہنس پڑا۔

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے قیس کیا شاہ صاحب رات کے وقت تیرے انتظار میں بیٹھے ہوں گے میں نے کہا نہیں کہ انکا کوئی ٹھکانہ نہیں کبھی یہاں کبھی وہاں"۔

قیس بڑا بے چین تھا اس نے کہا۔

"اچھا مجھ سے وعدہ کرو کہ کل تم مجھے شاہ صاحب کے پاس لے کے چلو گے؟

"۔

"ٹھیک ہے وعدہ" شابو نے اپنی جان چھڑائی۔

شابو دوسرے دن حسب وعدہ قیس کو لے کے اس چھوٹے سے قہوہ خانے میں پہنچا جہاں کل اس نے شاہ صاحب کا وعظ سنا تھا مگر وہاں مطلع صاف تھا قہوہ خانے کے مالک سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب۔ تو کل نصف شب کو ایک بجے اٹھ کے کھڑے ہوئے اور اپنے دو مریدوں کے ساتھ۔

"تجلی طور۔ تجلی طور"۔

قہوہ خانے سے چل پڑے۔

شابو نے قہوہ خانہ کے مالک سے جو اس کا دوست بن گیا تھا دریافت کیا۔

"یار تو نے پوچھا تو ہوتا کہ شاہ صاحب کدھر جا رہے ہیں؟"۔

"لو۔ میں شاہ سے پوچھتا" قہوہ خانہ کا مالک ہنسا"بھلا ان سے کوئی سوال کر سکتا ہے ہاں میں نے ان کے ایک مرید سے پوچھا کے شاہ صاحب یہاں رہیں گے یا کسی اور شہر کا ارادہ ہے تو اس نے بتایا کہ "امام" کو حکم ہوا ہے کہ دارالسلطنت اصفہان جاؤ بس یہی معلوم ہو سکا"۔

قیس سے نہ رہا گیا قہوہ خانہ کا مالک اس کے لئے اجنبی تھا پھر بھی اس نے سوال کر ہی لیا۔

"شاید امام سے تمہارا مطلب شاہ صاحب ہیں؟"۔

"ہاں ہاں" قہوہ خانہ کے مالک نے خوشدلی سے جواب دیا ہم لوگ انہیں شاہ صاحب کہتے ہیں لیکن ان کے مرید انہیں "امام" کے لفظ سے مخاطب کرتے ہیں"۔

قیس کے دل میں ایک سوال اور ابھرا آخر اس نے جی کڑا کر کے پوچھ ہی لیا۔

"بھائی برا نہ ماننا میں شابو کا دوست ہوں ایک بات اگر یہ معلوم ہو جائے کہ امام کو دارالسلطنت جانے کا حکم کس نے دیا تو۔۔؟"۔

قہوہ خانہ کا مالک بڑا خوش مزاج تھا اس نے کہا۔

"تم شابو کے دوست اور شابو میرا دوست تو پھر ہم تم بھی تو آپس میں دوست ہوئے اب برا ماننے کی کیا بات تم نے پوچھا کہ امام کو کس نے حکم دیا ہے تو اس کا جواب تو میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں میں نے کہا تھا کہ وہ یہاں سے روانہ ہوئے تو ان کے منہ پر تھا!۔

"تجلی طور، تجلی طور"۔

یہ تجلی طور یہ امام صاحب کو حکم دیتی ہے بغیر تجلی طور کے حکم کے بغیر شاہ صاحب میرے قہوہ خانہ سے قدم نہیں نکالتے پچھلے تین سال سے میں انہیں ایسے ہی دیکھ رہا ہوں"

قیس نے ایک سوال اور داغ دیا۔

"یوں بھائی تمہارا کیا خیال ہے یہ امام صاحب کیسے آدمی ہیں؟"۔

"بڑے کھرے آدمی ہیں کبھی دھیلے کا ادھار نہیں کرتے پیشگی دیتے ہیں اور چلتے وقت حساب بھی نہیں کرتے بعد میں ان کے چیلے آکے پوچھتے ہیں کہ امام کچھ باقی لگا گئے ہوں تو ہم سے لے لو میں بھلا اپنا ایمان کیوں خراب کروں میں ان سے کہہ دیتا ہوں کہ امام کے ذمے کوئی بقایا نہیں"۔

شابو اور قیس قہوہ خانے سے واپس آگئے دوسرے دن صبح کو قیس گورنر کے دربار میں پہنچا گورنر اس وقت تک دربار میں نہیں آیا تھا قیس بہت مضطرب تھا جیسے ہی گورنر آیا قیس اس کے پاس پہنچ گیا۔

گورنر نے اسے دیکھ کے خوشی کا اظہار کیا پوچھا۔

"کیا حال ہے تمہارا قیس؟"۔

"گورنر بہادر مجھے خط عنایت کیجئے میں درالسلطنت جا رہا ہوں"۔

گورنر عثمان بن جمال نے اسے تعجب سے دیکھا۔

"قیس تمہاری طبیعت ابھی ٹھیک نہیں معلوم ہوتی کچھ دن اور آرام کر لو"

"میں بالکل ٹھیک ہوں گورنر بہادر" قیس کو سنبھل کے کہا آپ مجھے خط دیجئے میں آج ہی روانہ ہو جاؤں گا"۔

گورنر کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا اس نے کہا۔

"اگر تم ٹھیک ہو تو ضرور جاؤ شام کو آکے محل سے خط لے لینا"۔

قیس شام کو گورنر کے محل پر گیا اس نے خط حاصل کیا پھر دوست کے پاس پہنچا۔

"شابو میں دارالسلطنت جارہا ہوں" قیس نے بڑے جوش سے کہا"تم میرے ساتھ چلنا چاہو تو سفر کے تمام اخراجات میں دوں گا فوراً" تیار ہو جاؤ"۔

"مگر قیس تم دارالسلطنت کیوں جارہے ہو وہاں تمہارا کون ہے؟" شابو کو معلوم تھا کہ قیس کے آگے پیچھے کوئی نہیں اس کی پرورش نظام الملک طوسی نے کی تھی اور اپنے پوتے کے ساتھ مشیر بنا کے مرو بھیجا تھا۔

قیس نے مسرت سے بتایا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں وزیراعظم کا خانہ زاد ہوں مجھے وہاں کوئی تکلیف نہیں ہو گی"۔

شابو کو ایک دم خیال آیا۔

"میرے یار! کہیں تم ان شاہ صاحب کے پیچھے تو نہیں جارہے ہو؟"۔

"نہیں نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں " قیس صاف انکار کر گیا حالانکہ یہ حقیقت تھی اس نے جب قہوہ خانہ میں سنا کہ امام (شاہ صاحب) دارالسلطنت گئے ہیں تو اس نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ بھی دارالسلطنت ضرور جائے گا اور شاہ صاحب سے مل کے اپنے دل کی لگی کا علاج ڈھونڈے گا۔

شابو کے ساتھ تھوڑی دیر ادھر ادھر کی گفتگو کرنے کے بعد قیس ڈیرے پر واپس آیا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر کارواں سرائے پہنچا مرو کی کارواں سرائے سے اسے ایک ایسے قافلہ کی روانگی کی اطلاع ملی جو مرو سے نیشاپور' جرجان اور کاشان ہوتا ہوا اصفہان جارہا تھا یہ راستہ کچھ طویل تھا مگر قافلہ چونکہ فوراً روانہ

ہونے والا تھا اس لئے قیس نے سالار قافلہ سے مل کر جانے والوں میں اپنا نام شامل کرا دیا۔

صبح کاذب کے وقت اونٹوں اور گھوڑوں پر تجارتی سامان لادے ہوئے تقریباً" دو سو مسافروں کا یہ قافلہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا قیس کو درالسلطنت پہنچنے کی بہت جلدی تھی وہ گھوڑے پر سوار تھا مگر اسے پیدل چلنے والوں کے ساتھ چلنا پڑ رہا تھا قافلے کے بیشتر لوگ پیدل سفر کر رہے تھے بہت کم لوگ گھوڑوں یا اپنے سامان کے ساتھ اونٹوں پر سوار تھے تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ صبح صادق نمودار ہوئی پھر سورج نے اپنی شعاعیں بکھیرنا شروع کر دیں قارئین کرام صبح کاذب اور صبح صادق کا فرق ضرور جانتے ہوں گے کاذب کے معنی جھوٹے کے ہوتے ہیں پس صبح کاذب کے معنی جھوٹی صبح کے ہوتے ہیں صبح تڑکے اٹھنے والے نمازی جانتے ہیں کہ رات گزرنے کے بعد افق پر ہلکی ہلکی سی روشنی نمودار ہوتی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بس اب صبح ہونے والی ہے مگر یہ روشنی چند ہی لمحوں بعد غائب ہو جاتی ہے اور افق پر اندھیرا چھا جاتا ہے ایسی دھوکہ دینے والی روشنی کو جھوٹی صبح یعنی صبح کاذب کہا جاتا ہے کیونکہ یہ صبح کی اصلی روشنی نہیں ہوتی بلکہ اس کے فوراً" بعد اندھیرا اور پھر سچی صبح کی روشنی نمودار ہوتی ہے جسے ہم صبح صادق یعنی سچی صبح کہتے ہیں دراصل صبح کاذب کے وقت روشنی کا یہ انعکاس ایک قدرتی امر ہے جس کا مشاہدہ ہر صبح کو کیا جا سکتا ہے۔

اس زمانہ میں دھوپ اور لو کی تپش سے بچنے کے لئے قافلے رات بھر سفر کرتے اور دھوپ پھیلتے ہی منزل کرتے مگر اچھے موسم میں قافلوں کا سفر دن میں اس وقت تک جاری رہتا جب تک دھوپ اور گرمی ناگوار نہ معلوم ہونے لگے قیس کا قافلہ بھی دن چڑھے تک سفر کرتا رہا اور جب دھوپ ناقابل برداشت ہو گئی تو پڑاؤ کیا گیا۔ پڑاؤ یا منزل کرنے کے مقامات مقرر تھے ان مقامات پر پانی کا وافر مقدار میں ذخیرہ ہوتا تھا مسافروں کے لئے کمرے اور خیمے مل جاتے تھے اگر راستے میں بڑے شہر ملتے تو وہاں قافلے کارواں سرائے میں ٹھہرتے تھے جہاں قیام طعام کی تمام آسانیاں میسر آتی تھیں۔

قیس کو سفر کرتے ہوئے دس دن ہو چکے تھے ایک صبح اسے ایک اونٹ پر ایک شخص بیٹھا ہوا نظر آیا قیس کو کچھ شبہ ہوا تو وہ اپنا گھوڑا بڑھا کر اونٹ کے برابر پہنچا اس وقت قیس کو محسوس ہوا کہ اونٹ پر بیٹھا ہوا آدمی بھی اسے دیکھ رہا ہے قیس نے اپنا گھوڑا اور آگے بڑھا کے اونٹ کے بالکل برابر کر لیا اور چاہتا تھا کہ اوپر والے کو سلام کرے مگر اسی وقت اوپر بیٹھے ہوئے آدمی نے ہونٹوں پر انگلیاں رکھ کے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور قیس نے سلام کرنے کا ارادہ بدل دیا۔

اسی وقت قیس کی نظر اونٹ کی مہار پکڑنے والے آدمی پر پڑی اس کے ساتھ ایک آدمی چل رہا تھا قیس کو شناخت میں کوئی غلطی نہ ہوئی تھی اونٹ پر بیٹھا ہوا بزرگ صورت درویش وہی امام تھا جس کے پاس قیس، شابو کے ساتھ گیا تھا اور دوسرے ہی دن اسے بتایا گیا تھا کہ وہ درویش جسے شابو شاہ کہتا تھا دارالسلطنت روانہ ہو چکے ہیں اونٹ کی مہار پکڑنے والا اور اس کے ساتھ چلنے والا دوسرا شخص وہ دونوں امام کے وہی مرید تھے جو اس کے سامنے سر جھکائے خاموش بیٹھے رہتے تھے۔

قیس کی نظریں بار بار اوپر کی طرف اٹھ جاتی تھیں پھر امام نے قیس کو اشارہ کیا جس کا مطلب تھا کہ وہ آہستہ ہو جائے اور ذرا قافلے سے پیچھے پیچھے چلتا رہے قیس نے اس اشارے کو صحیح سمجھا اور گھوڑے کی لگامیں کھینچ کے اونٹ کے پیچھے ہو گیا امام کو دیکھ کے قیس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی انہی امام سے ملنے کے لئے تو قیس نے گورنر کا خط دارالسلطنت پہنچانے کا بہانہ بنایا تھا مگر ابھی اس کے دماغ پر شراری کے مرنے کا صدمہ اس قدر شدید تھا کہ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اب ملازمت چھوڑ کر کسی اور طرف نکل جائے گا۔

اگلی منزل پر قیس امام سے ملنے کے لئے بیتاب ہو گیا پڑاؤ ہوتے ہی وہ امام کی تلاش میں نکلا انہیں ڈھونڈنے میں قیس کو کوئی پریشانی نہ ہوئی امام موصوف دس بارہ آدمیوں میں گھرے بیٹھے تھے تمام لوگ خاموش تھے امام کا سر بھی جھکا ہوا تھا جیسے وہ کسی گہرے سوچ میں ہوں قیس ان کے قریب پہنچ گیا مگر اس کی یہ ہمت نہ پڑتی تھی کہ وہ حلقہ بنائے بیٹھے ہوئے آدمیوں میں خود بھی شامل ہو جائے امام نے اسے طلب نہیں کیا تھا اور امام سے بلائے ہوئے لوگوں سے کوئی کلام نہ کرتے تھے دوسرے یہ کہ انہیں جلال بھی بہت آتا تھا۔

امام کے دونوں چیلے ان کے دائیں بائیں بیٹھے تھے قیس ابھی کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ امام کے مریدوں میں سے ایک نے نظریں اوپر اٹھائیں قیس بالکل اس کے سامنے کھڑا تھا دونوں کی نظریں ملیں قیس نے محسوس کیا کہ مرید کے چہرے پر اسے دیکھ کے کچھ ناگوار سے آثار پیدا ہو گئے ہیں پھر مرید نے ہاتھ اوپر اٹھا کر اس زور سے جھٹکا دیا جس سے قیس کو اندازہ ہوا کہ اسے قیس کا آنا ناگوار گذرا ہے اور وہ اسے واپس جانے کا اشارہ کر رہا ہے قیس الٹے پیروں واپس آ گیا۔

قیس کا دل بیٹھنے لگا اور ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہونے لگے جس امام کے لئے وہ اتنا طویل اور تکلیف دہ سفر اختیار کئے ہوئے تھا اس کے پاس پہنچ کے بھی اسے ان کے حضور پیش ہونے کی اجازت نہ مل رہی تھی وہ ایسا دل برداشتہ ہوا کہ چادر تان کے لیٹ گیا پتہ نہیں وہ کتنی دیر لیٹا یا سویا رہا کہ اچانک کسی کے قدموں کی چاپ سن کر اس نے منہ سے چادر ہٹائی۔

قیس نے دیکھا کہ وہی مرید جس نے اسے دیکھ کے ہاتھ ... اور ناگ... رن ہ

مظاہرہ کیا تھا وہ قیس کے پاس آرہا ہے مگر اس وقت اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار نہ تھے وہ قریب پہنچا تو قیس اٹھ کے بیٹھ گیا مرید کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی قیس اس سے بیٹھنے کو کہنے والا تھا کہ مرید خود ہی بولا پڑا۔

"قیس۔ تمہیں امام نے یاد کیا ہے؟"۔

مرید کی زبان سے اپنا نام سن کے قیس چونک پڑا۔

"میرا نام تمہیں کس نے بتایا؟" قیس نے مرید سے پوچھا۔

"مجھے امام نے بتایا ہے"۔

"مگر امام۔۔ قیس کہتے کہتے رک گیا۔

"امام تمہارے بارے میں اتنا کچھ جانتے ہیں کہ جتنا خود تم بھی نہیں جانتے"۔

قیس کا حیرانی کی وجہ سے منہ کھل گیا۔

مرید نے کہا۔

"چلنے میں کیوں دیر کر رہے ہو کیا تمہیں امام کے پاس جانا نہیں ہے؟"۔

"میں تو سر کے بل جاؤں گا ان کے پاس" قیس اٹھ کے کھڑا ہو گیا۔

دونوں آگے پیچھے چلنے لگے قیس نے پوچھا۔

"اے فرشتہ رحمت۔ مجھے امام کے بارے میں کچھ اور بتا؟"۔

"اے ناقص انسان" مرید نے رک کے قیس کو گھورا" بے میں کیا بتاؤں جبکہ تو امام کا نام ہی اس قدر بے ادبی سے لے رہا ہے"۔

قیس گھبرا گیا اس نے کہا۔

"اے فرشتہ رحمت مجھے نادانستگی میں غلطی ہوئی ہے تو مجھے

"۔

مرید نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تو پھر گستاخی کر رہا ہے" اے نادان"تو مجھے فرشتہ رحمت کہہ رہا ہے حالانکہ میں فرشتہ تجلی طور ہوں"۔

"تجلی طور!" قیس اور زیادہ پریشان ہوا "مگر تجلی طور تو اس خلاق عالم کی ستر ہزار پیروں میں ایک جھلک تھی جسے دیکھ کر جناب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر بے ہوش ہو گئے تھے۔"۔

"بے شک وہی تجلی طور"مرید نے کہا"اسی لئے تو کہتا ہوں کہ میں فرشتہ رحمت نہیں بلکہ تجلی طور کا ہرکارہ ہوں"۔

"تو کیا ہمارے امام تجلی طور" قیس کہتے کہتے رک گیا۔

"بس خاموش رہ" مرید نے بڑے رعب سے کہا"شیطان تیرے دل میں وسوسے پیدا کر رہا ہے اس لئے کہ تو ابھی ناقص اور نجس انسان ہے ملائے اعلیٰ اور لم یزل کی باتیں تیری سمجھ میں ابھی نہیں آسکتیں شاید کہ "تجلی طور" کی صحبت اور نظر کرم تجھ میں ادراک پیدا کر دے"۔

"بے شک بے شک میں امام"۔

مرید نے ڈانٹا اور بات پھر کاٹی۔

"تو پھر وہی امام امام رٹ رہا ہے ہوش میں آ"۔

"میری یہ غلطی بھی معاف فرمائی جائے بے شک تجلی طور ہیں" آخر قیس ل عقیدے کے فریب میں آ ہی گیا جسے اسماعیلیوں نے سب سے پہلے اپنایا پھر یہ قیدہ قرامطہ' معتزلہ' اور ملاحدہ سے ہوتا ہوا حسن بن صباح تک پہنچا اور اس مکا۔ دانشور نے حشیش کے سہارے اس عقیدے میں ایسی پختگی پیدا کر دی کہ مسلمان' سلمان نہ رہا بلکہ حسن بن صباح کا سچا پرستار اور آلہ کار بن کے رہ گیا۔

مرید اور قیس سوال و جواب کرتے ہوئے آخر امام وقت کے حضور پہنچے قیس کا قلب اس وقت تک پلٹ چکا تھا وہ اس بات پر دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ جس معرفت اور قربت خداوندی کو حاصل کرنے کے لئے صوفیائے کرام اور عابد' زاہد برسوں عبادت و ریاضت میں صرف کرتے ہیں اسے قیس نے بغیر کسی تکلیف اور پریشانی کے حاصل کر لیا تھا اسے صرف ایک بات پریشان کر رہی تھی اور وہ بات یہ تھی کہ تجلی طور امام کے انسانی پیر میں کیسے منتقل ہو گئی اور تجلی طور کو آخر کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ اس طرح زمانہ کے سردوگرم سے دو چار ہو رہے۔

امام جسے ان کا مرید تجلی طور کے نام سے پکارتا تھا اور قیس بھی جس پر تقریباً" ایمان لے آیا تھا حسب معمول سائلوں کے درمیان سرجھکائے بیٹھے تھے قیس جیسے ہی امام کے سامنے پہنچا کہ اس وقت امام نے سر اٹھا کر ایک نظر قیس پر ڈالی پھر اپنے سائلوں یعنی حاضرین سے مخاطب ہوئے۔

"دنیا میں ہر شخص پریشان اور فکر مند ہے اس جوان کو دیکھو یہ اپنی محبوبہ بیوی کے فراق میں سرگرداں ہے اس کو یہ علم ہی نہیں کہ اس کی شراری بہشت کے شاداب اور سرسبز قطعات اور باغات میں کلیلیں کرتی پھر رہی ہے اور یہ زمین پر اسے ڈھونڈ رہا ہے اسے یہ معلوم ہی نہیں بہشت کی مخلوق سے اس عالم ارضی کا کوئی شخص نہیں مل سکتا اس لئے کہ بہشتی پیکر نور ہوتے ہیں اور دنیا کا انسان کثیف روح میں لپٹا ہوتا ہے پھر اس خاکی اور اس نوری کا ملاپ کیسے ہو سکتا ہے نہیں ہو سکتا ہے ہرگز نہیں ہو سکتا ہاں اگر ملائے اعلیٰ اور تجلی نور کی مرضی ہو ان دونوں کا ملاپ ممکن ہے مگر ملائے اعلیٰ اور تجلی طور کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ زمانہ کے سردوگرم سے دو چار ہوتا رہے"۔

قیس کے کان میں جب یہ الفاظ پڑے کہ تجلی طور کو کیا پڑی ہے کہ وہ اس طرح زمانہ کے سردوگرم سے دو چار ہوتا رہے تو اسے فوراً" یاد آیا کہ یہ الفاظ خود اس کے دل کی آواز ہیں امام ان الفاظ سے کیسے واقف ہوئے پھر یہ کہ امام نے معلوم ہوا کہ میری بیوی کا نام شراری ہے اور وہ قتل ہونے کے بعد بہشت کے سرسبز قطعات میں کلیلیں کر رہی ہے۔

قیس ایسا بے خود ہوا کہ بڑھ کر فوراً" امام کے آگے سر بسجود ہو گیا اور اس کی آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو گیا مرید نے فوراً" قیس کو سنبھالا اور اسے سجدے سے اٹھا کے بٹھا دیا۔

قیس کے منہ سے اسی عالم میں یہ الفاظ نکلے۔

"اے دلوں کے حال جاننے والے میرے شک و شبہات دور ہو گئے وسوسوں نے دم توڑ دیا مجھے معلوم ہو گیا کہ ملاء اعلیٰ اور تجلی طور کون ہے اور کہاں ہے مجھے اپنے قدموں میں جگہ دیدے اے امام وقت"۔

امام نے اس وقت حاضرین کو مخاطب کیا۔

"یہ دراصل عشق کی معراج جس میں یہ شخص مبتلا ہے اور ایسے ہی آدمی اپنے مقصد کو پہنچتے ہیں ہم اس وقت اور کچھ نہیں کہہ سکتے تم لوگ جا سکتے ہو"۔

تمام لوگ اٹھ اٹھ کے چلے گئے صرف مرید اور قیس' امام کے پاس رہ گئے۔

تنہائی ہونے پر امام نے کہا۔

"ہوا کے پیچھے کیوں بھاگ رہا ہے پگلے تیری شراری کو بہشت کے لئے منتخب کر لیا گیا ہے اب وہ لطیف ہواؤں کی باسی ہے اور تو ٹھہرا کثیف انسان تیرا اس کا اب کوئی جوڑ نہیں"۔

قیس ہاتھ جوڑ کے گڑگڑایا۔

"اے تجلی طور اے ملاء اعلیٰ آپ نے فرمایا ہے کہ لطیف اور کثیف کا ملاپ ہو سکتا ہے"۔

امام کو طیش آ گیا۔

"تو نے غلط سنا ہے ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ تو ناقص انسان ہے میری ہر بات ناقص ہے تیرے گوش ہوش بھی ناقص ہیں ہم نے کب کہا کہ لطیف اور

کثیف کا میل ہو سکتا ہے ہاں اگر ملاء اعلیٰ چاہے مگر ملاء اعلیٰ کیوں چاہے تیرے جیسے ناقص انسان میں کوئی خوبی نہیں جو ملاء اعلیٰ اور تجلی طور کو متاثر کر سکے؟۔"

"اے تجلی طور" قیس نے بڑے وثوق سے کہا "شراری کے لئے میرا عشق صادق ہے مگر اس کے حصول کے لئے تجلی طور کی غلامی قبول کروں گا اس کی ہر خدمت بجا لاؤں گا"۔

"تو جھوٹ بول رہا ہے قیس" امام نے تند لہجے میں کہا "انسان اپنی کثافت دور نہیں کر سکتا اور تو اپنی خواہش اپنے امام کے تابع نہیں کر سکتا تو ظاہر سے منہ موڑ کے باطن پر ایمان نہیں لا سکتا؟"۔

"میں اپنی شراری کے لئے جان سے بھی گزر سکتا ہوں اے تجلی طور" قیس نے اتنے اعتماد سے کہا کہ شاید امام بھی نرم پڑ گیا۔

امام نے کہا۔

"انسان اپنے قول پر قائم نہیں رہتا ہم تجھے"۔

مرید نے دخل دیا وہ شروع سے اب تک بالکل خاموش تھا۔

"اے تجلی طور انسان واقعی کمزور ارادوں کا مالک ہے مگر ملاء اعلیٰ کی نظر کرم ان ارادوں میں استحکام پیدا کر دیں گے اسے اپنی طاقت اور حوصلے کے اظہار کا موقع دیا جائے۔"۔

"اے قاصد ملاء اعلیٰ۔ امام نے کہا "ہم نے تیری سفارش قبول کی" پھر امام قیس کی طرف مخاطب ہوا "اے ناقص انسان یاد رکھ ہر بات اور ہر کام کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک پہلو ظاہر اور دوسرا پہلو باطن' پوشیدہ اور نامعلوم تیرے جیسے کثیف انسانوں کی نظریں ظاہر تک محدود رہتی ہیں وہ ہر ظاہر کو دیکھ کر فیصلہ کرتے ہیں اگر اس سے کہا جائے کہ اپنا ہاتھ کاٹ دے تو وہ جھجکتے ہیں سوچتے ہیں کہ ہاتھ کے کاٹنے سے ان کی طاقت آدھی رہ جائے گی مگر وہ نہیں جانتے کہ ان کے اس عمل باطن کیا ہے اور ان کے امام نے کیا سمجھ کے اسے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے" وہ ان پوشیدہ برکتوں اور ثمرات سے واقف نہیں ہوتے جو انہیں اس عمل کے صلہ

ہیں ملنے والے ہیں"۔

"درست ہے اے تجلی طور" قیس عالم سرمستی میں بولا "انسان واقعی کچھ نہیں جانتا اور اس کا امام ہی سب کچھ جانتا ہے"۔

"بس بس قیس" امام نے اسے روکا "آج یہ تیرا پہلا سبق ہے یاد رکھ ظاہر ہل اعتبار نہیں کیونکہ اصل نتیجہ تو باطن میں ہوتا ہے اور باطن صرف امام جانتا ہے تجلی طور اور ملاء اعلی ہی باطن اوراصلیت سے واقف ہے"۔

قیس نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"امام کا اشارہ درست ہے حق ہے اور میرا خیال فاسد اور باطل ہے میں امام کے سامنے سر جھکاتا ہوں اور اپنے آپ کو ان کے احکامات کے تابع کرتا ہوں"۔

"ہم تجھ سے خوش ہوئے قیس اپنے ارادے میں مستقل مزاج رہ ظاہر سے آنکھیں پھیر لے اس لئے کہ تو اپنے کسی فعل کا ذمہ دار نہیں تو اپنے امام کے ہاتھ میں ایک خنجر ایک چھری کے مانند ہے امام چھری چلاتا ہے اس لئے چھری کے ہر عمل کا ذمہ دار امام ہے کیونکہ باطن کا حال وہی جانتا ہے اور باطنیہ کا مذہب صل اسلام کا وارث اور امانت دار ہے"۔

"میرے لئے کیا حکم ہے اے تجلی طور اے ملاء اعلی قیس نے سر جھکا کر ڑی فرمانبرداری سے کہا"۔

"اس وقت تیرے لئے کوئی حکم نہیں" امام نے کہا "تو جس کام سے ارالسلطنت جارہا ہے وہاں جا اور اپنے دوست نما دشمن سے مل مگر خبردار اپنے پ کو کسی پر ظاہر نہ کرنا ہم نے تجھے اپنے مذہب میں داخل کرلیا ہے یاد رکھ کہ شت کے سبزہ زاروں تک بلکہ مرکز تجلی طور تک کی سیر کرنا ہمارے لئے کوئی بڑی ت نہیں یہ بھی یاد رکھ کہ تیرے امام کے اختیار میں یہ بھی ہے کہ اگر وہ چاہے ے"

"امام بولتے بولتے رک گیا قیس بڑی بے چینی سے اس کا منہ تک رہا تھا

جب امام دیر تک خاموش رہا تو قیس نے پریشان ہو کے کہا۔

"میں امام کی عظمت اور مرتبہ سے واقف ہو گیا ہوں آپ مجھ پر اعتبار فرمایئے اور ملاء اعلیٰ اور تجلی طور کے تمام رازوں کا مجھ پر انکشاف کیجئے میں آپ کا بندہ اور غلام ہوں اور آپ کے حکم سے کسی وقت بھی باہر نہیں ہو سکتا"۔

"ابھی تجھے کچھ دن انتظار کرنا پڑے گا قیس" امام نے فرمایا۔

"ابھی تیرا جسم کثیف ہے اور دماغ میں شیطانی وسوسوں کی گرد جمی ہوئی ہے گرد آہستہ آہستہ ہی اترے گی"۔

"مگر اے تجلی طور مجھے یہ تو بتایا جائے کہ میرا دوست نما دشمن کون ہے"۔

"قیس نے الجھتے ہوئے کہا"میں تو اپنے ولی نعمت خواجہ نظام الملک طوسی وزیراعظم سلطنت سلجوق کے پاس ایک ضروری خط پہنچانے جارہا ہوں وہ میرے دشمن تو نہیں ہو سکتے ان ہی کا تو میں پروردہ ہوں پھر وہاں میرا اور کون دوست نما دشمن وہاں موجود ہے مجھے اس سے آگاہ کیجئے تاکہ میں اس کے شر سے بچنے کی کوشش کروں"۔

"بے چین مت ہو قیس" امام نے جواب میں کہا"وقت آنے پر تجھے سب کچھ بتا دیا جائے گا جہاں تک تیرے دشمن کی دشمنی اور اس کے شر کا تعلق ہے اس کے لئے ہم ذمہ دار ہیں اب تیری حفاظت ہمارے سپرد ہے"۔

قیس کو اپنے تمام سوالوں کا جواب مل گیا تھا اس کے لئے وہ خاموش رہا تھوڑی دیر خاموشی کے بعد امام نے خود ہی کہا۔

"قیس تو اپنے دل سے تمام وسوسے نکال کے اپنے فرائض منصبی انجام دیتا رہ جس وقت ہمیں ضرورت ہو گی ہم خود تجھے بلوا لیں گے تیرے لئے صرف یہ ضروری ہے کہ تو اپنی زبان پر تالے لگا لے اور خبردار ہمارے معاملات اور ہماری ان تمام باتوں کا ایک لفظ بھی تیرے منہ سے نہ نکلنا چاہئے ورنہ ملاء اعلیٰ اور تجلی طور تجھے جلا کے راکھ بنا دیں گے"۔

"اے تجلی طور آپ اطمینان رکھئے اگر قیس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر

جائیں تو بھی اس کے منہ سے اس سلسلہ میں ایک لفظ بھی نہیں نکلے گا"

نے پورے تحمل اور عزم کے ساتھ جواب دیا"مگر اے امام اے تجلی طور اوپر جلد کرم کی نظریں ڈال کہ میں اپنی شراری سے ملنے کے لئے بہت بے ہوں میں تو اب اپنی جان دے کر بھی اس سے ملنے کے لئے تیار ہوں"۔

"صبر صبر کچھ دن اور صبر۔ امام نے کہا پھر اپنے خادموں کو حکم دیا۔

"قیس کا دماغ اور ذہن بہت منتشرہو رہا ہے اس لئے ایک گلاس شربت لا اسے سکون مل سکے"۔

خادم شربت کا گلاس لے آیا قیس نے اس کے ہاتھ سے شربت کا گلاس کے منہ سے لگایا یہ شربت نہایت فرحت بخش اور ٹھنڈا تھا قیس کو یہ شربت اچھا لگا۔

امام نے کہا۔

"قیس تو ذرا دیر آرام کر لے تیرا سفر بہت لمبا ہے"۔

قیس کو بھی کچھ تھکن سی محسوس ہو رہی تھی چنانچہ وہ جس چٹائی پر بیٹھا اسی پر لیٹ گیا اور چند ہی لمحوں میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا پھر وہ جب ر اٹھا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ سرائے میں اپنی کوٹھری میں موجود ہے وہ کر باہر نکلا کہ امام کے بارے میں معلوم کرے تو اسے بتایا گیا کہ وہ بزرگ خادم کے ساتھ قافلہ چھوڑ کر کہیں چلے گئے ہیں اور سالار قافلہ سے کہہ گئے کہ ان کا انتظار نہ کیا جائے کیونکہ وہ کسی ضروری کام کی وجہ سے آگے نہیں گے۔

قیس ان کی طرف بے فکر ہو گیا اس کے دماغ میں تو یہ بات بیٹھ گئی تھی امام اور ان کا خادم دراصل وہ عظیم ہستیاں ہیں جن کے لئے زمین و آسمان فاصلے کوئی وقعت نہیں رکھتے قیس کو فوراً خیال آیا کہ اسے امام نے سفر رکھنے کا حکم دیا ہے اس لئے اسے اور اطمینان ہو گیا اور اس نے قافلہ کے سفر جاری رکھا اس زمانہ میں سفر آسان نہ تھا راستے کی تکلیفیں اٹھانے کے

علاوہ رہزنوں کا بھی ہردم خطرہ رہتا تھا کہ وہ کسی وقت حملہ آور ہو سکتے ہیں۔

قیس قافلہ کے ساتھ سفر کرتا آخر دارالسلطنت اصفہان پہنچ گیا یہ سفر بہت طویل اور کئی ماہ پر مشتمل تھا مرو سے جب قافلہ روانہ ہوا تو کہ قافلہ نیشاپور اور کاشان ہوتا ہوا اصفہان پہنچے گا مگر راستے میں بہت سے مسافر قافلے میں ایسے شامل ہو گئے جنہیں جرجان اور رے جانا تھا چنانچہ سالار قافلہ نے قافلے کا راستہ تبدیل کر دیا اور یہ قافلہ مرو سے نیشاپور وہاں سے جرجان' رے' قم اور کاشان ہوتا ہوا اصفہان پہنچا۔

قیس کو نئے نئے شہر دیکھنے کا بہت شوق تھا مگر اب اسے اصفہان پہنچنے کی جلدی ہو رہی تھی اس لئے وہ ان شہروں کی سیر سے بھی کچھ زیادہ لطف نہ اٹھا سکا اسے اصفہان پہنچنے کی اس لئے بھی جلدی تھی کہ اگر وہ جلد اصفہان پہنچ کے وزیراعظم کو مرو کے حالات سے آگاہ نہ کر سکا تو کہیں صوبیدار (گورنر) عثمان بن جمال اور کوتوال قودن میں اور زیادہ جھگڑا نہ بڑھ جائے جس کے خطرناک نتائج برآمد ہوسکتے تھے۔

قیس وزیراعظم نظام الملک طوسی کا غلام رہ چکا تھا بلکہ نظام الملک ہی نے اس کی پرورش کی تھی چنانچہ جب قیس وزیراعظم کے محل پر پہنچا اور اس نے اپنے آنے کی اطلاع وزیراعظم کو بھجوائی تو نظام الملک نے اسے فوراً" بلوا لیا قیس اس کے سامنے تعظیم کے لئے جھکا تو نظام الملک نے اسے پکڑ کے اپنے سینے سے لگا لیا۔

"قیس تم میرے بیٹے کے برابر ہو" وزیراعظم نے بڑی محبت سے کہا۔

"میں نے اسی لئے تمہیں عثمان کا مصاحب اور محافظ مقرر کیا تھا میں جانتا تھا کہ عثمان تیز طبیعت کا جوان ہے اور قودن سے اس کا اختلاف کا امکان بھی تھا مگر شاید عثمان تمہارے مشورہ پر نہ چل سکا اور وہ قودن سے لڑ پڑا"۔

قیس حیرانی کے عالم میں وزیراعظم کا منہ تک رہا تھا اس کے خاموش ہوتے ہی قیس نے پوچھا۔

"آقائے محترم! آپ کو یہ حالات کیسے معلوم ہوئے ہیں یہ باتیں بتانے کے لئے ہی تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں؟"۔

نظام الملک مسکرایا۔

"قیس کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم دور دراز صوبوں کے حالات سے واقف نہیں ہماری اطلاعات کا ذریعہ تو وہ ہے جس پر تم نے عمل کیا سمجھ میں نہیں آتا کہ عثمان نے تم کو قافلہ کے ساتھ کیوں روانہ کیا اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ اس سفر میں کئی ماہ لگ جائیں گے جبکہ مرو کے حالات کا یہ تقاضا تھا کہ وہاں کے حالات سے مجھے فوراً" مطلع کیا جاتا؟"۔

قیس نے ادب سے عرض کیا۔

"آقائے عالی مقام میں نے گورنر بہادر سے عرض کیا تھا کہ قافلہ سے تو صرف تاجر سفر کرتے ہیں جنہیں وقت کی کوئی فکر نہیں ہوتی میں نے یہ بھی درخواست کی تھی کہ یا تو یہ خط ڈاک کے ہرکارے کے ذریعہ بھجوا دیا جائے یا پھر میں خود ڈاک کے ہرکارے کے ساتھ سفر کر کے جلد از جلد دارالسلطنت پہنچ جاؤں مگر گورنر بہادر نے یہ کہہ کر میری درخواست نا منظور کر دی کہ ایک ہرکارہ راستہ میں گم ہو گیا ہے اس کا پتہ اب تک نہیں لگ سکا اس لئے وہ مجھے ڈاک کے راستے سے بھیجنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے"۔

اس کے ساتھ ہی قیس نے گورنر مرو کا وہ لفافہ جسے وہ سینے سے لگائے لئے یہاں تک پہنچا تھا نظام الملک کو پیش کیا۔

نظام الملک لفافہ لے کر ایک طرف رکھ دیا اور بولا۔

"اب اس خط کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی تمہارے وہاں سے روانہ ہوتے ہی حالات بگڑ گئے قودن اور عثمان میں سخت جھگڑا ہوا اور تو تو میں میں بھی عثمان نے یہ نادانی کی کہ قودن کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا اور مجھے ڈاک کے راستے کے ذریعہ اطلاع بھجوائی میں نے فوراً" یہاں سے اپنے تیز رفتار قاصد کے ذریعہ عثمان کو حکم دیا کہ قودن کو فوراً" چھوڑ دیا جائے کیونکہ قودن' سلطان معظم کو

اسی طرح عزیز ہے جس طرح تم میرے لئے عزیز ہو"۔

نظام الملک نے پانی کا گلاس اٹھا کر پانی پیا اور بتایا۔

"بات یہیں پر ختم ہو جاتی تو پھر بہتر تھا مگر قودن انتقام لینے پر تل گیا اور مرو سے چپکے سے نکل کر اصفہان پہنچ گیا اس وقت وہ شاہی مہمان خانہ میں ہے اور سلطان کے کان بھرتا رہتا ہے اب تو وہ ملکہ ترکان خاتون تک بھی پہنچنے لگا ہے اور تم جانتے ہو کہ ملکہ میری کس قدر مخالف ہیں"۔

"یہ تو بہت برا ہوا آقائے محترم" قیس نے کہا "گورنر بہادر کو اتنا سخت قدم نہیں اٹھانا چاہئے تھا اگر میں وہاں ہوتا تو حالات اس قدر نہ خراب ہونے دیتا"۔

نظام الملک نے بڑے اطمینان سے کہا۔

"خیر جو ہونا تھا وہ ہو چکا میں نے سلطان کو سمجھا لیا ہے رہا ملکہ کا معاملہ ہے تو اس کے لئے کوئی صورت پیدا ہو جائے گی"۔

"اب میرے لئے کیا حکم ہے آقائے محترم" قیس نے ادب سے دریافت کیا وہ اب اصفہان میں ایک لمحہ نہیں ٹھہرنا چاہتا تھا۔

نظام الملک طوسی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"قیس اب تمہیں مرو واپس جانے کی ضرورت نہیں میں نے تمہارے لئے ایک اور کام اٹھا رکھا ہے اور وہ کام صرف تم ہی کر سکتے ہو اگر یہ حالات پیدا نہ ہوتے اور تم مرو میں ہوتے تو بھی میں تمہیں اس خاص کام کے لئے تمہیں وہاں سے بلوا لیتا؟"۔

قیس گھبرا گیا وہ تو جلد از جلد واپس جانا چاہتا تھا امام وقت نے کہا تھا کہ اصفہان سے واپسی پر وہ مجھ سے کوئی خاص کام لیں گے اس خیال کے تحت اس نے مرو واپس جانے کا ایک بہانہ تراشا اس نے کہا۔

"آقائے محترم! میں آپ کے حکم کا پابند ہوں آپ جہاں کہیں گے وہاں رہوں گا اور جو کام میرے سپرد کریں گے اس بجا لاؤں گا مگر میں یہ بھی عرض کروں گا کہ گورنر بہادر عثمان بن جمال کے پاس بھی کسی سمجھدار انسان کا رہنا بہت ضروری ہے ورنہ وہاں کل کو کوئی اور جھگڑا کھڑا ہو جائے گا"۔

"تم مرو کی فکر چھوڑ دو قیس" نظام الملک نے اس کے خیال ہی کو ختم کر دیا۔

"میں بتاتا ہوں کہ مجھے تم سے کیا کام لینا ہے"۔

قیس دل مسوس کے رہ گیا اس نے سوچا تھا کہ وہ امام وقت کی خدمت کرے گا اور اس خدمت کے صلہ میں ممکن ہے اسے اپنی محبوبہ تک پہنچنے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے مگر وزیراعظم نے تو مرو جانے کا خیال ہی ختم کر دیا۔

وہ انہی خیالوں میں گم تھا کہ خواجہ نظام الملک کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"سلطان معظم کے پاس متواتر شکایات پہنچ رہی ہیں کہ حسن بن صباح کے پیروکاروں نے مرو سے نیشا پور، مشہد اور ہرات تک اور مغرب میں جرجان اور رے تک لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا ہے تم جانتے ہو کہ حسن بن صباح میرا ہم مکتب اور گہرا دوست تھا پھر جب وہ پھٹے حالوں میرے پاس آیا تو میں سلطان سے سفارش کر کے اسے ایک نہایت معقول ملازمت دلا دی مگر وہ ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ حد درجہ کا ملتون مزاج انسان تھا اس نے احسان فراموشی کا ثبوت دیتے ہوئے میری جڑیں کاٹنا شروع کر دیں مگر وہ جلدی سلطان کی نظروں میں ذلیل ہو گیا اور سلطان نے اس کے قتل کا حکم دیا میں نے پھر بھی اپنی دوستی کے ناطے اسے قتل سے بچا لیا۔

"سنا ہے کہ اس نے قلعہ الموت پر قبضہ کر کے وہاں اپنی عملداری شروع کر دی اور اس کے فوجی دستے قرب و جوار بلکہ دور دور تک قتل و غارت گری کرتے ہیں پھر لطف کی بات یہ ہے کہ وہ خود کو مسلمان کہتا ہے اور مسلمانوں ہی کو قتل کراتا ہے سلطان نے مجھے حکم دیا کہ حسن بن صباح اور قلعہ الموت کے مکمل حالات معلوم کرنے کے لئے حسن بن صباح کے پاس ایک وفد بھیجا جائے جو وہاں کے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھے اور حسن بن صباح سے اس کے عقائد معلوم

کرے۔ پس اس وفد کی سربراہی کے لئے میں نے تمہارا انتخاب کیا ہے اور مجھے امید ہے کہ تم اس اہم ذمہ داری کو پوری دیانت داری سے انجام دو گے"۔

قیس کا مردہ دل اس حکم کو سن کر باغ باغ ہوگیا پہلے اسے شبہ ہوا تھا کہ وزیراعظم اسے اصفہان میں روک کے کوئی اور ذمہ داری اس کے سپرد کرنا چاہتا ہے مگر جب اس نے سنا کہ اسے حسن بن صباح کے پاس "امن وفد" لے کر جانا ہے تو وہ بہت خوش ہوا۔

" اے میرے آقا نامدار۔ میں اس عزت افزائی کے لئے آپ کا بہت بہت شکر گزار ہوں آپ نے مجھ پر اعتماد کرتے ہوئے جو ذمہ داری مجھے سونپی ہے اسے میں پوری دیانت داری سے انجام دوں گا تاکہ آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچے"۔

قیس نے اپنے آقا خواجہ نظام الملک طوسی سے پوری ہدایات حاصل کیں پانچ سواروں کے ساتھ قزوین کی طرف روانہ ہوا قزوین ہی وہ علاقہ ہے جہاں حسن بن صباح کا مرکز یعنی قلعہ الموت واقع تھا قیس کو یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ جس امام سے ملا ہے ان کا تعلق فرقہ باطینیہ سے ہے مگر اسے یہ نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ باطینیہ اور حسن بن صباح میں کیا تعلق ہے اور وہ ایک دوسرے کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔

اب جبکہ ہم دربار حسن بن صباح کی طرف روانہ ہو رہے ہیں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے اس فرقہ یا مذہب اور ان کا تعلق اسی قسم کے فرقوں یا مذہبوں سے کیا تھا اور ان کے عقائد میں کہاں تک یکسانیت اور کس قدر اختلاف ہے۔

ان دنوں بے دینوں کا یہ گروہ چار ناموں سے پکارا جاتا تھا اسماعلیہ' قرامطہ' باطینیہ' اور حشیشن اسماعلیہ وہ عام اور اصلی نام ہے جو مصر سے لے کر ہندوستان تم تمام طرفداران خلفائے بنی فاطمہ مصر کے لئے مخصوص کیا گیا تھا ایک اختلافی مسئلہ ہے کیونکہ مصر کے خلفاء فاطمی کہلاتے تھے اور اپنا رشتہ شیعان علی سے جوڑتے تھے چنانچہ مصر کی فاطمی خلافت فاطمیین اور طلیین کہا جاتا ہے وہ اپنا امام مہدی سوڈانی کو مانتے تھے جس نے سوڈان میں امام مہدی کا دعوی کیا تھا پھر اس نے مصر پر قبضہ

کیا جو ہر صقلی جس نے جامعہ ازہر قائم کیا تھا وہ فاطمیوں کا ایک زبردست سالار تھا۔

اسماعیلی دراصل فاطمیوں سے ہٹ کے ایک الگ فرقہ ہے جن کا دعوی ہے کہ امامت' امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد ان کے صاحبزادے اسماعیل پر منتقل ہوئی تھی جن کی نسل میں کئی مخفی (پوشیدہ) اماموں کے بعد مہدی سوڈانی کو امامت ملی جو اس خاندان خلافت کا بانی تھا اس کے بعد اس کی نسل میں امامت رہی۔

حالانکہ ان کا فاطمین مصر سے صرف بلا واسطہ تعلق تھا کیونکہ اسماعیلیوں کے داعیوں اور نقیبوں نے مشرق میں جو نئے نئے شگوفے کھلائے وہ ہمیشہ ایک نئی وضع میں نمودار ہوتے رہے اور نئے ناموں سے نامزد کئے گئے

قرامطہ وہ فرقہ تھا جس نے سب سے پہلے فاطمین مصر کی طرفداری کر کے خلافت عباسیہ سے بغاوت کی تھی قرامطہ اس شخص کا نام تھا جو اس فرقہ کا بانی تھا اس خوفناک فرقہ سے تعلق رکھنے والوں نے عالم اسلام میں نصف صدی سے زیادہ مدت تک خوف و ہراس قتل و غارت اور ظلم و تشدد کا بازار گرم رکھا یہ فتنہ 278 ہجری 891 عیسوی کے دوران وجود میں آیا۔

قرامطہ کا بانی ٹھنگنے قد کا تھا اس کی ٹانگیں خمیدہ اور آنکھیں سرخ تھیں اس بنا پر اسے قرمطہ یا قرامطہ کہا جاتا ہے لوگ اس کے ظاہری زاہدانہ انداز' سادہ لباس اور پرہیز گاری سے بہت متاثر تھے قرامطہ خود کو حضرت علی کرم کی اولاد بتاتا تھا اور حضرت علی کو رسول کہتا تھا اس نے اذان میں ترمیم کی تھی اور بیت المقدس کو قبلہ قرار دے کر اس رخ نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا قرامطہ نے دن میں صرف دو نمازیں مقرر کی تھیں یعنی دو رکعت فجر اور دو رکعت مغرب' اس نے قرآن کریم میں بھی ترمیم کی تھی جمعہ کے بجائے دو شنبہ (پیر) کو افضل دن قرار دیا تھا اور ہفتہ میں دو دن کام نہ کرنے کا حکم دیا تھا۔

اس نے سال میں تیس روزوں کی بجائے صرف دو روزے فرض کئے تھے شراب کو حلال اور کھجور کے رس (نبسذ) کو حرام کہتا تھا علی خباثت یعنی صحبت

کرنے کے بعد نہانے اور پاکیزہ ہونے کو غیر ضروری کہتا اور اس کے بجائے صرف وضو کو جائز قرار دیتا تھا اس نے حج کا فریضہ بیت المقدس میں ادا کرنے کا حکم دیا تھا۔

قرامطہ فرقے میں سادہ لوح لوگوں کے علاوہ بدقماش، فوجی بھگوڑے، اور اوباش قسم کے لوگ زیادہ تعداد میں شامل تھے قرامطہ نے کوفہ میں اپنے فرقہ کی دعوت دینا شروع کی حاکم کوفہ نے اسے پکڑ کر جیل بھیج دیا اور دوسرے دن صبح کو اس کے قتل کرنے کا حکم دیا ہم حسن بن صباح کے حالات میں بیان کر چکے ہیں کہ جب اسے مصر والوں نے اپنے یہاں سے نکال باہر کیا اور ایک فرنگی جہاز پر روانہ کر دیا تو اس کی تقدیر نے زور مارا اور لوگوں کو فریب دے کر ان کا پیر بن گیا۔

بالکل اسی قسم کا واقعہ قرامطہ کے ساتھ بھی پیش آیا حاکم کوفہ نے قرامطہ کو دوسرے دن قتل کئے جانے کا حکم دیا اور شراب پی کر سو گیا قید خانہ کی چابی اس کے سرہانے رکھی تھی حاکم کوفہ کی لونڈی قرامطہ کی عقیدت مند تھی اس نے حاکم کے سرہانے سے چابی نکالی اور قرامطہ کو قید سے آزاد کر دیا پھر چابی واپس لا کر حاکم کے سرہانے رکھ دی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی حاکم کوفہ نشہ میں دھت صبح تک سوتا رہا جب حاکم سو کر اٹھا تو اسے بتایا گیا کہ قرامطہ رات کو قید خانہ سے فرار ہو گیا ہے حاکم نے اپنے سرہانے دیکھا تو چابی اسی طرح رکھی تھی اسے بڑا تعجب ہوا جب لوگوں میں قرامطہ کے جیل سے فرار ہونے کی خبر پھیلی تو انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ قرامطہ پیر ہے امام ہے وہ اپنی کرامت سے قید خانہ سے نکل گیا اب تو لوگ جوق در جوق قرامطہ کے مرید ہونے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ فرقہ زبردست طاقت پکڑ گیا۔

قرامطہ فرقہ نے یہ دستور بنایا تھا کہ وہ ہر بیعت کرنے والے سے ایک دینار وصول کرتے تھے تھوڑے ہی عرصہ میں انہوں نے بہت سی دولت اکٹھی کر لی قرامطہ کا عقیدہ لوگوں نہایت آسان معلوم ہوتا تھا انہیں لوٹ مار کا حصہ بھی ملتا تھا عیاشی کی بھی اجازت تھی کچھ لوگ کسی دوسرے کے خوف اور ڈر کی وجہ سے بھی

ان کے مرید بن گئے تھے۔

قرامطہ علمائے دین کو مروا دیتا تھا تاکہ وہ لوگوں کو اس کے خلاف جہاد کا فتویٰ نہ دے سکیں آہستہ آہستہ قرامطہ نے اپنی فوج بنالی اور کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا عباسی خلیفہ نے ان کے خلاف قدم اٹھایا اور پھر چالیس سال تک عباسی خلیفہ ان کے خلاف لڑتے رہے اور ہر بار انہیں شکست ہوئی تھی یہ لوگ حاجیوں کو بھی لوٹتے تھے اور قتل کر دیتے تھے قرامطہ کے خوف سے کئی بڑے بڑے امراء اور حاکم ان کے مطیع ہو گئے تھے۔

قرامطہ کے خوف سے لوگ حج پر بہت کم جاتے ان لوگوں نے عوام سے خراج وصول کرنا شروع کر دیا تھا حکومتیں، سپہ سالار، علماء دین اور خلفاء تک ان کے سامنے بے بس نظر آتے تھے عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کے زمانہ میں قرامطہ بحرین پر قابض ہو گئے اس وقت ان کا سردار ابو طاہر تھا اس نے حاجیوں کو باقاعدگی کے ساتھ لوٹنا شروع کر دیا ابوطاہر 18-317 ہجری مطابق 929ء میں ایک بڑی فوج کے ساتھ مکہ معظمہ پہنچا اور وہاں اس نے حاجیوں کو قتل اور ان کے سامان کو لوٹنا شروع کر دیا۔

مشہور ہے کہ ابوطاہر نے دو ہزار حجاج کو حرم شریف میں قتل کر دیا اور ان کی لاشیں چاہ زمزم میں پھینک دیں پورے حرم شریف میں خون ہی خون نظر آتا تھا حجاج کا قتل عام کرنے کے بعد اس بے دین نے گرز مار کر حجر اسود کو دیوار کعبہ سے الگ کر دیا خانہ کعبہ کا دروازہ بھی توڑ دیا حجر اسود گیارہ روز تک یونہی پڑا رہا اور حجاج کرام کا قتل عام ہوتا رہا۔ غلاف کعبہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے بکھیر دیا۔

اس قتل عام میں بیس ہزار حجاج کرام قتل ہوئے پھر ابو طاہر حجر اسود اپنے ساتھ بحرین لے گیا حجر اسود کو اونٹوں گدھوں پر بحرین لے جایا گیا راستے میں چالیس اونٹ یکے بعد دیگرے حجر اسود کو اٹھانے میں مر گئے ایک بیان کے مطابق [illegible] سال اور دوسرے بیان کے مطابق بیس سال تک حجر اسود قرامطہ کے قبضہ میں

رہا ابو طاہر اسے کسی قیمت پر واپس نہیں کرنے پر تیار تھا آخر مصر کے فاطمی خلیفہ نے جن سے قرامطہ اپنا رشتہ جوڑتے تھے اعلان کیا کہ ابوطاہر حجراسود واپس نہیں کرے گا تو وہ اعلان کر دیں گے کہ قرامطیوں کا فاطمی خلیفہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اس دوران 333 ہجری میں ابوطاہر واصل جہنم ہوا تب مصر کے فاطمی خلیفہ نے قرامطیوں سے واپس لیا اور دوبارہ خانہ کعبہ میں نصب کرایا یہ واقعہ 339 ہجری یعنی 950ء کا ہے یہ تو بحرین کے علاقوں کی حالت تھی مگر خود ہمارے ملک پاکستان (اس زمانہ کا بھارت) میں بھی قرامطی پہنچ گئے تھے اور ملتان میں حاکم ملتان ابوداؤد قراطی تھا اس زمانہ میں کہنے کو تو ملتان اسلامی ریاست تھی مگر وہاں تو صرف اسلام کا نام تھا کیوں ابوداؤد صرف نام کا مسلمان تھا پوری ریاست عیش و عشرت میں مبتلا تھی شراب کا بڑی کثرت سے استعمال ہوتا تھا ابوداؤد نے علماء دین کو اپنی ریاست سے خارج کر دیا تھا اور قرب و جوار تمام ہندو راجاؤں سے تعلقات استوار کر لئے تھے۔

ابو داؤد کے حرم میں سینکڑوں حسین و جمیل عورتیں تھیں اس کے یہاں ناچ گانے کی محفلیں سجتی تھیں باہر سے جو مسلمان ملتان جاتے انہیں ابوداؤد گھیر کے اپنی محفلوں میں لے آتا پھر شراب پلا کر انہیں ختم کر دیتا تھا یہ حوالے بھی ملتے ہیں ابوداؤد نے بھی اپنے محل کو ایک جنت کا روپ دیا تھا یا پھر اس نے اپنے علاقے میں ایک جنت بنائی تھی جہاں وہ نوواردوں کو سیر کرانے کے لئے لے جاتا اور انہیں بے ہوش کر کے ان کا خاتمہ کر دیا کرتا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب بت شکن سلطان محمود غزنوی کے طوفانی حملے ہندوستان پر شروع ہو چکے تھے سلطان محمود کو ابوداؤد کی عشرت کوشیوں اور غیر اسلامی حرکتوں کی اطلاع ملی تو اس مجاہد نے ابوداؤد کو سزاء دینے کا فیصلہ کیا ابوداؤد نے سلطان محمود غزنوی کے خلاف بجا رائے بھاٹیہ کی فوجی مدد کی تھی اور بہت سے بھگوڑے فوجیوں کو بھی ابوداؤد نے اپنے پاس پناہ دے رکھی تھی یہاں تک کہ اس نے ملتان کی پرانی جامعہ مسجد کو بند کرا دیا تھا اور وہاں کسی کو نماز پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔

چنانچہ سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر چوتھے حملہ کے دوران پہلے انندپال کو شکست دے کر کشمیر کی طرف بھگا دیا پھر سوہدرہ ، پنڈی بھٹیاں اور چیوٹ ہوتا ہوا ملتان پہنچا ایک بیان کے مطابق حاکم ملتان ابوداؤد سلطان کی آمد کی خبر سن کے پنج ند کی طرف بھاگ گیا اور دوسری روایت کے مطابق ابوداؤد سلطان سے شکست کھا کر پنج ند بھاگ گیا سلطان نے قرامطیوں کی عبادت گاہوں کو برباد کر دیا اور مسلمانوں کی پرانی مسجد کھلوا دی وہ کچھ علماء دین کو ملتان میں چھوڑ کر واپس ہو گیا۔

قرامطہ کے بعد فرقہ باطنیہ اور حشیش آتے ہیں باطنیہ کے عروج و زوال کے بارے میں پچھلے صفحات میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے باطنیہ نے شکست کھانے کے بعد حسن بن صباح کے پاس جانے کی درخواست کی تھی چنانچہ انہیں قلعہ الموت جانے کی اجازت دی گئی اور جب یہ لوگ حسن بن صباح کے حلیف بن گئے تو حسن بن صباح کی طاقت میں بہت اضافہ ہوا یہاں تک کہ اس نے بڑی سلطنتوں سے خراج لینا شروع کر دیا اور سلجوق سلطان ملک شاہ نے اپنے وزیراعظم خواجہ نظام الملک طوسی کو حکم دیا کہ حسن بن صباح کے پاس ایک سفارت بھیج کے اس کے مذہبی خیالات معلوم کرو اور نظام الملک نے سلطان کے اس حکم کے تحت قیس کو پانچ سواروں کے ساتھ حسن بن صباح کے پاس روانہ کیا۔

قیس بڑی تیزی سے اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھا قزدین کے علاقہ میں پہنچ کے قیس کو محسوس ہوا جیسے اس کا تعاقب کیا جارہا ہے اسے چور ڈاکوؤں کی تو کوئی فکر نہ تھی کہ اس وقت اس کی اور اس کے ساتھیوں کے ران کے نیچے سلطانی لشکر کے صبا رفتار گھوڑے تھے اس کے ساتھ ان گھوڑوں کے گلے میں چاندی کی دو دو گھنٹیاں بندھی تھیں جو گھوڑوں کے چلنے کے وقت بجنے لگتی تھیں گھنٹی کی آوازوں سے لوگوں کو معلوم ہو جاتا تھا کہ یا تو یہ لوگ شاہی لشکر کے سوار ہیں یا یہ لوگ شاہی قاصد ہیں پس ایسے سواروں کو روکنے لوٹنے کی کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی۔

مگر قیس کا تعاقب جاری تھا قزدین کے علاقہ میں پہنچ کر اسے یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ علاقے حسن بن صباح کے جاسوسوں اور فوجیوں سے بھرے پڑے ہیں مگر وہ شاہی سوار تھے اور حسن بن صباح ہی کے پاس جا رہے تھے اس لئے انہیں کسی قسم کا خطرہ نہ تھا مگر ان کا تعاقب کیا جارہا تھا ایسا کیوں ہو رہا ہے یہ سمجھنے سے قیس کا دماغ قاصر تھا۔

آخر جب وہ ایک راستے پر آگے بڑھ رہے تھے جس کے دونوں طرف اونچے مگر سایہ دار درخت تھے تو تعاقب کرنے والے سوار گھوڑے بڑھا کے ان کے قریب آگئے۔ قیس نے گھوم کر آنے والوں کو دیکھا پھر لگامیں کھینچ کر گھوڑا روکا اس کے ساتھیوں نے بھی گھوڑے روک لئے چند ہی لمحوں میں پیچھا کرنے والے سوار ان کے قریب پہنچ گئے یہ تعداد میں بیس تھے اور ان کے منہ کپڑے سے ڈھکے تھے صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔

قیس نے تلخ لہجے میں کہا۔

"تم لوگ کون ہو اور کس کے حکم سے ہمارا تعاقب کر رہے ہو؟"۔

وہ سوار جو سب سے آگے تھا اس نے چہرے سے کپڑا ہٹاتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم سلجوق لشکری ہو مگر یہ علاقہ نہ تو تمہارا ہے اور نہ اس پر تمہارا حکم چلتا ہے ہم تمہارا تعاقب اس لئے کر رہے ہیں کہ تمہارے ارادے معلوم کریں پھر تمہیں اپنے حاکم کے پاس لے چلیں"۔

"کیا تمہارا حاکم سلجوق سلطان ملک شاہ سے بھی بڑا ہے جو تم شاہی سواروں کو اپنے حاکم کے پاس لے جانا چاہتے ہو" قیس کا لہجہ اور زیادہ تلخ ہو گیا تھا۔

سردار نے کہا۔

تمہارے سوال کا تو ہمارے پاس جواب نہیں مگر تم اب ہمارے علاقے میں ہو اور ہم تمہیں اپنے حاکم کے پاس پیش کرنے پر مجبور ہیں"۔

"اور اگر ہم تمہارا حکم ماننے سے انکار کریں تو؟" اس کے ساتھ ہی قیس نے اور اس کے ساتھ کے سواروں نے ایک بار پھر تلواریں کھینچ لیں

قیس کی تلخ بات کا بھی سردار نے نرمی سے جواب دیا۔

"ہمیں شاہی لشکر کے سواروں سے لڑنے کا حکم نہیں ہے اس لئے میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ تم لوگ میرے ساتھ میرے حاکم کے پاس چلو"۔

"آخر تمہارا حاکم ہے کون جس کا بار بار ذکر کر کے تم ہمیں اس کے پاس لے جانا چاہتے ہو"

مخالف سردار کا رویہ اب بھی نرم رہا اس نے بتایا۔

"شاہی سواروں کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ علاقہ سیدنا شیخ الجلیل حسن بن صباح کا ہے اور ہم تمہیں ان کے ہی حضور پیش کریں گے"۔

قیس مسکرایا اور اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"دیکھا تم نے ہم جس سے گفتگو کرنے آئے ہیں یہ ہمیں اسی کے پاس لے جانا چاہتے ہیں پھر اس نے پلٹ کر سردار سے کہا "ہم سلطان شرق و غرب ملک شاہ سلجوق کے حکم سے حسن بن صباح کے پاس گفتگو کے لے آئے ہیں اور اس سے کچھ وضاحتیں چاہتے ہیں"۔

مخالف سردار بھی مسکرایا۔

"پھر تو ٹھیک ہے ہم تمہیں ان کے پاس لے چلتے ہیں"۔

"اور اب ہم تمہارے ساتھ چلنے پر تیار ہیں" قیس نے جواب دیا"۔ پھر مخالف سردار اور اس کے ساتھی آگے آگے اور قیس اپنے سواروں کے ساتھ ان کے پیچھے چلنے لگا۔

یہ پورا علاقہ پہاڑی تھا اور جگہ جگہ نوکدار جھاڑیاں راستہ روکے کھڑی تھیں یہ لوگ آہستہ آہستہ چل رہے تھے ایک گھنٹہ گزر جانے کے بعد بھی انہیں کوئی آبادی کا قلعہ نہ دیکھائی دیا۔

قیس نے الجھتے ہوئے کہا۔

"ابھی کتنی دُور چلنا ہے اور یہ خار دار راستہ کب ختم ہو گا؟"۔

مخالف سردار نے گھوڑا روکے بغیر جواب دیا۔

"شاہی سوار فکر مند نہ ہوں ہم اپنی منزل کے بہت قریب آ گئے ہیں"۔

قیس نے کوئی جواب نہیں دیا اور چڑھائی چڑھنے لگا اب راستہ بتدریج بلند ہوتا جا رہا تھا ذرا اور چلنے کے بعد یوں محسوس ہوا جیسے سامنے ایک بلند چٹان دیوار کی طرح کھڑی ہے اور کوئی راستہ نہیں ہے مگر مخالف سردار نے چٹان کے قریب پہنچ بائیں جانب گھوڑا موڑ دیا اور نشیب میں اترنے لگا ابھی نشیب ختم نہ ہوا تھا کہ دوسری چٹان نے ان کا راستہ روک لیا۔

یہاں پہنچ کے مخالف سردار نے اپنا رخ دائیں جانب کر دیا او قدرے بلند راستے پر چڑھنے لگا قیس بڑی احتیاط سے اس راستہ کو اپنے ذہن میں رکھ رہا تھا اور ہر موڑ پر اپنی کوئی چیز نشانی کے طور پر گرا دیتا تھا اس راستہ پر بھی انہیں تقریباً" ایک گھنٹہ تک اپنا سفر جاری رکھنا پڑا پھر تیسری چٹان نے ان کا راستہ روک لیا۔

قیس نے قدرے تمسخر سے کہا۔

"یہ ہر چٹان کے دائیں بائیں کے راستے کب ختم ہوں گے؟"۔

"فکر نہ کیجئے۔ اب ہمیں کسی طرف نہیں گھومنا مخالف سردار نے ہنس کر کہا ہم قلعہ کے دروازے پر پہنچ چکے ہیں"۔

قیس نے سامنے دیوار کی چٹان کو غور سے دیکھا مگر اسے کوئی دروازہ نظر نہیں آیا مگر اس نے خاموشی اختیار کر لی اور یہ سب دیوار کے پاس پہنچ گئے مخالف سردار دزدیدہ دیدہ نظروں سے قیس کو دیکھ رہا تھا شاید وہ اس انتظار میں تھا کہ قیس اس سے پھر سوال کرے گا قیس نے کوئی سوال نہیں کیا۔

اب مخالف سردار کی باری تھی اس نے تمسخر سے کہا۔

"معزز مہمان۔ کیا اب آپ نہ پوچھیں گے کہ ہمیں کس طرف مڑنا ہے"۔

قیس جل کے بولا۔

"تمہارا علاقہ ہے تم ہی کو معلوم ہو گا کہ کدھر گھومنا ہے"۔

مخالف سردار اپنا گھوڑا بالکل چٹان کے پاس لے گیا اور اس نے شاید چٹان کو مخاطب کر کے کہا۔

"سیدنا شیخ الجبل حسن بن صباح کے حکم سے قلعہ الموت کا دروازہ کھل جائے"۔

اس کی آواز ختم ہوتے ہی یوں محسوس ہوا جیسے چٹان کے پیچھے پہاڑیاں ایک دوسرے سے ٹکرا رہی ہیں جس سے ایک خوفناک قسم کی آواز اور شور پیدا ہو رہا ہے پھر قیس اور اس کے سواروں کے منہ حیرت سے کھل گئے جب ان کی نظروں کے سامنے والی چٹان بیچ سے شق ہوئی اور دونوں طرف آہستہ آہستہ اس طرح ہٹنا شروع ہوئی جیسے دروازے کے دونوں پٹ کھلتے ہیں یا ہٹ جاتے۔

قیس اور اس کے سواروں نے دیکھا کہ چٹان کے اس طرح پھٹ جانے سے سامنے کی طرف ایک راستہ دکھائی دیا اور مخالف سردار اور اس کے ساتھی اپنے گھوڑے بڑھا کر آگے بڑھنے لگے قیس اور اس کے سواروں نے ان کی تقلید کی اور ان کے پیچھے اپنے گھوڑے ڈال دیئے یہ لوگ مسلسل حیرت اور اضطراب کے گرداب میں غوطے کھا رہے تھے کہ انہیں اپنی پشت پر پھر زور دار گڑگڑاہٹ محسوس ہوئی گڑگڑاہٹ اس قدر خوفناک تھی کہ انہیں گھوڑے موڑ کے دیکھنا پڑا۔

حیرت اور اضطراب کا ایک نیا حملہ ان پر ہوا وہی چٹان جس نے پھٹ کر انہیں راستہ دیا تھا اب وہ دوبارہ سمٹ کر ایک دوسرے کے قریب آ رہی تھی اور ان کے دیکھتے ہی دیکھتے چٹان کے دونوں حصے آکر اس طرح ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے جیسے دروازے کے دونوں پٹ بند ہو جاتے ہیں۔

مخالف سردار نے انہیں حیران دیکھا تو مسکرا کر کہا۔

"شاہی سوار پریشان نہ ہوں سیدنا شیخ الجبل حسن بن صباح ہمارے دنیاوی سردار اور بادشاہ ہیں مگر اس کے ساتھ وہ ہمارے دینی پیشوا بھی ہیں یہ ان کی ایک ادنیٰ کرامت ہے"۔

کرامت واقعی یہ کرامت ہی ہو سکتی ہے" قیس نے دل ہی دل میں سوچا

ورنہ کہیں چٹانیں اس طرح پھٹ کر پھر جڑ سکتی ہیں اس پر سحر سا طاری ہونے لگا تھا جب اس نے اپنے ساتھیوں پر نظر ڈالی تو وہ اسے اپنے سے زیادہ مبہوت اور بدحواس دکھائی دیئے قیس نے فوراً خود کو سنبھالا اور ساتھیوں کو اس طرح مسکرا کے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کہ کوئی فکر کی بات نہیں ہے پتہ نہیں وہ قیس کی مسکراہٹ کا مطلب سمجھ سکے کہ نہیں مگر یہ ضرور ہوا کہ ان کے چہروں پر بھی کچھ بحالی کے آثار پیدا ہو گئے۔

"ارے یہ تو وہی ہیں" قیس کے منہ سے نکلا اور اس نے گھوڑے کی راسیں کھینچ لیں اس کا گھوڑا رکا تو اس کے تمام ساتھی بھی رک گئے مخالف سردار نے انہیں رکتے دیکھا تو بولا۔

"کیوں آپ رک کیوں گئے، شاہی مہمان؟"۔

قیس نے فوراً خود کو سنبھالا اور فوراً گھوڑا بڑھایا دراصل قیس نے تھوڑی دور پر اس امام کو کھڑے ہوئے دیکھا جس کا خادم اسے تجلی طور اور ملاء اعلیٰ کے خطاب سے مخاطب کرتا تھا اس نے سر کو جھٹکا دے جب اس طرف دیکھا جہاں اسے امام نظر آیا تھا تو اب وہاں کچھ بھی نہ تھا۔

"لاحول ولا قوۃ" قیس کے منہ سے اتنی زور سے نکلا کہ مخالف سردار نے اس کی آواز سن لی۔

"کیا فرمایا آپ نے اے شاہی مہمان؟"۔

"کچھ بھی نہیں مجھے کچھ وہم سا ہوا تھا قیس نے ٹالنے کی کوشش کی۔

مخالف سردار مسکرایا۔

"ابھی تو آپ بہت سے وہموں میں مبتلا ہوں گے یہ جگہ ہی ایسی ہے یہاں صرف ایسے لوگ پہنچتے ہیں جن کے سامنے زندگی اور موت کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی اس لئے تو اسے قلعہ الموت کہا جاتا ہے"۔

قیس نے اس سے الجھنا یا بحث کرنا مناسب نہ خیال کیا اور سر جھکائے آگے بڑھتا رہا کچھ ہی فاصلہ پر قیس کو ایک بہت بڑا دروازہ نظر آیا یہ دروازہ

دارالسلطنت کے شاہی قلعہ سے تقریباً دوگنا بلند اور اسی قدر مضبوط نظر آرہا تھا۔

جب یہ تمام لوگ دروازے کے پاس پہنچے تو دروازہ خود بخود کھل گیا اور یہ لوگ بے تکلف اس میں داخل ہو گئے مخالف سردار اس کے آگے چل رہا تھا اس نے گھوڑے روکتے ہوئے قیس سے کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے اب تک آپ کا نام نہیں معلوم کیا"۔

"مجھے قیس کہتے ہیں" قیس نے ہنس کے کہا" اگر کوئی حرج نہ ہو تو تم بھی اپنا نام بتا دو؟"۔

"مجھے اسرافیل کے نام سے پکارا جاتا ہے" مخالف سردار نے اپنا نام بتا کر قیس کو کچھ اور حیران کر دیا۔

قیس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بڑا عجیب نام ہے ہمارے مذہب میں اسرافیل وہ فرشتہ ہے جو روز قیامت اپنا "صور" پھونک کر قیامت کا فتنہ جگائے گا"۔

"تم ٹھیک ہی سمجھے" اسرافیل نے بھی ہنس کے جواب دیا"ہمارے مذہب میں بھی اسرافیل اسی فرشتہ کو کہا جاتا ہے جو قیامت میں صور پھونکے گا اور اگر تمہیں تعجب نہ ہو تو میں یہ بھی بتا دوں کہ میں ہی روز قیامت "صور" پھونکنے والا اسرافیل ہوں۔

"تم - تم - تم وہ اسرافیل ہو" قیس کو بہت حیرانی ہوئی مگر قیامت آنے میں تو ابھی پتہ نہیں کتنا زمانہ ہے تم اس وقت تک زندہ کیسے رہو گے"

"میں زندہ رہوں گا اسرافیل نے بڑے اطمینان سے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ فرشتوں کو موت نہیں آتی؟"۔

"ہاں میں جانتا ہوں مگر کیا تم فرشتہ ہو؟ قیس نے گھبراتے ہوئے دریافت کیا۔

"ہاں میں فرشتہ ہوں تمہیں یقین کیوں نہیں آرہا"۔

"اس لئے یقین نہیں آتا کہ فرشتے تو آسمان پر ہوتے ہیں"۔

اسرافیل زور سے ہنسا۔

"اے نادان قیس"۔ ہوش میں آؤ کیا تم نہیں جانتے کہ اس وقت تم تیسرے آسمان پر ہو؟"۔

"تیسرا آسمان قیس نے زیر لب کہا پھر اس کا دماغ تیزی سے گھومنے لگا پھر اسے یاد آیا کہ معراج نبوی کے سلسلہ میں اس نے یہ پڑھا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قیام تیسرے آسمان پر ہے یہ خیال آتے ہی قیس نے فوراً" سوال کیا۔

"اے اسرافیل اگر یہ تیسرا آسمان ہے تو کیا یہاں پر حضرت یوسف علیہ السلام بن یعقوب علیہ السلام موجود ہیں؟"۔

"ہاں موجود ہیں مگر تجھے ان سے کیا کام ہے؟" اسرافیل نے جواب دیا۔

"کیا میں ان کا دیدار نہیں کر سکتا" قیس نے درخواست کی۔

اسرافیل نے انکار کیا۔

"نہیں تم انہیں نہیں دیکھ سکتے"۔

"آخر کیوں؟"۔

"اس لئے کہ تمہارا بدن کثیف ہے۔ کثیف ہستی کسی پیغمبر کا کھلی آنکھوں سے دیدار نہیں کر سکتی۔

"مگر میں تو انہیں دیکھے بغیر آگے نہیں جاؤں گا" قیس نے اپنا گھوڑا روک لیا اگر یہ واقعی تیسرا آسمان ہے تو میں حضرت یوسف علیہ السلام کا دیدار ضرور کروں گا"۔

اسی وقت کسی طرف سے آواز آئی۔

"قیس ایک سچا پرستار ہے اس کی خواہش ضرور پوری کی جائے گی مگر اسے اپنا یہ کثیف بدن یہیں چھوڑنا پڑے گا"۔

"میں بدن چھوڑنے پر تیار ہوں" قیس نے بڑے جوش سے کہا۔

آواز پھر بلند ہوئی۔

"اے اسرافیل اسے اس کے ساتھیوں سے الگ کر کے پاک کرو"۔

اسرافیل نے قیس سے کہا۔

"اے شاہی مہمان قیس آپ اپنے ساتھیوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اسی مقام پر قیام کریں انہیں اس وقت تک یہاں ٹھہرنا ہو گا جس تک آپ یوسف علیہ السلام کے دیدار اور ہمارے ملاء اعلیٰ سے ملاقات کر کے واپس نہیں آجاتے"۔

قیس نے اپنے ساتھیوں کو وہیں قیام کا حکم دیا۔

اس کے ایک ساتھی نے اعتراض کیا۔

"مگر یہ جگہ تو ویران ہے ہم لوگ یہاں قیام و طعام کا کس طرح بندوبست کریں گے؟"۔

"یہ ہماری ذمہ داری ہے مہمانو! اسرافیل نے جواب دیا۔

پھر اسرافیل نے ایک خاص انداز سے اپنے دائیں ہاتھ کو بلند کر کے ہلایا اسی وقت چٹانوں کے پیچھے سے چار آدمی بھاگتے ہوئے آئے اور اسرافیل کے قریب آکر دست بستہ کھڑے ہو گئے۔

اسرافیل نے انہیں حکم دیا۔

"یہ لوگ ہمارے مہمان ہیں ان کے لئے انتظام کرو ان کی واپسی تک انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونی چاہئے"۔

اسرافیل اور قیس تھوڑی دور اور چلے تھے کہ انہیں سنگ مرمر کی بنی ایک خوبصورت بارہ دری نظر آئی بارہ دری کے گیٹ پر دو پہریدار سیاہ کپڑوں میں ملبوس کھڑے تھے ان کے تلواریں یا تیر کمان قسم کا کوئی اسلحہ نہ تھا صرف کمر میں خنجر لگے ہوئے تھے۔

اسرافیل نے انہیں ہاتھ سے کوئی اشارہ کیا اور انہوں نے فوراً" بارہ دری کا دروازہ کھول دیا عمارت اندر سے بہت آراستہ پیراستہ تھی اس میں صرف چار کمرے تھے اور چاروں ایک سے ایک بڑھ کے سامان اور نوادرات سے آراستہ تھے قیس اور اسرافیل ایک کمرے میں داخل ہوئے تو قیس کو اس ویرانے میں پہلی مرتبہ دو عورتیں نظر آئیں وہ کنیزیں معلوم ہوتی تھیں کیونکہ انہوں نے اسرافیل کو جھک کے بڑے ادب سے تعظیم پیش کی تھی۔

اسرافیل نے ایک لڑکی کو اشارہ سے بلا کر کہا۔

"مہمان کے لئے دوسرے آسمان کا شربت لاو"۔

"کنیز نے سر کو ذرا خم کیا پھر کمرے سے نکل گئی۔

اسرافیل نے قیس سے کہا۔

"تم بہت زیادہ تھک گئے ہو ذرا آرام کر لو پھر آگے چلیں گے"۔

قیس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا تھا کہ کنیز دونوں ہاتھوں میں دو تھالیاں لئے ہوئے آگئی ان تھالیوں میں ایک ایک گلاس رکھا تھا کنیز نے ایک تھالی اسرافیل کو پکڑا دی اور دوسری تھالی قیس کو پیش کی۔

قیس کو تھکن کے علاوہ سخت پیاس لگ رہی تھی اس نے گلاس منہ سے لگایا اور ایک ہی سانس میں پورا گلاس خالی کر دیا شربت سے اسے بڑا سکون ملا اور جس آرام دہ کوچ پر وہ بیٹھا تھا اس سے پیٹھ لگا لی اس کے ساتھ ہی قیس کے اعصاب ڈھیلے ہو گئے اور وہ بے خبر سوگیا۔

پھر جب پرندوں کے چہچہانے سے اس کی آنکھ کھلی تو وہ اپنے گردو پیش کا منظر دیکھ کے بوکھلا گیا قیس نے اپنے ذہن پر زور دیا تو سے یاد آیا کہ وہ بارہ دری میں ایک کوچ پر بیٹھا تھا اور اس کے ہاتھ میں شربت کا گلاس تھا شربت اس قدر خوش ذائقہ تھا کہ قیس نے اسے ایک ہی گھونٹ میں ختم کر دیا تھا پھر۔ پھر اس کے بعد کیا ہوا اس کا اسے کچھ پتہ نہ تھا۔

قیس سوچنے لگا کہ کہاں وہ سنگ مرمر کی آراستہ بارہ دری اور کہاں یہاں کی چمکتی اور جھلملاتی عمارتیں بارہ دری تو سنگ مرمر کی تھی لیکن یہ عمارتیں یوں جگمگ جگمگ کر رہی تھیں جیسے ہیرے اور جواہرلات کی بنی ہوں جواہرات کا خیال آتے ہی اس نے چونک کے اس تکیہ کو دیکھا جس کے سہارے وہ بیٹھا تھا تکیہ کا رنگ نیلا تھا اس نے تکیہ کو اٹھانے کی کوشش کی مگر وہ کافی وزنی تھا اور زمردی رنگ کی زمین پر گڑا ہوا تھا۔

کیا یہ تکیہ پورا کا پورا ایک ترشا ہوا نیلم ہے اتنا بڑا نیلم اور یہ زمردی

فرش کیا یہ سارا فرش زمرد کا بنا ہے اس کا دماغ اس کے کسی سوال کا جواب دینے سے قاصر تھا قیس گھبرا کے کھڑا ہو گیا تھوڑی دور پر اسے نہر بہتی دکھائی دی وہ بھاری قدم اٹھاتا نہر پر پہنچا تو یہ دیکھ کر اور زیادہ حیران ہوا کہ نہر میں پانی کے بجائے سفید رنگ کا پارہ بہہ رہا تھا یااللہ یہ کیا طلسم ہے یہ نہر یہ فرش اور یہ تکیہ یہاں کی ہر چیز ہیرے جواہرات سے تراش کے بنائی گئی ہے۔

اچانک قیس کو خیال آیا کہ جنت میں دودھ کی نہریں بہتی ہیں وہاں کی خوشگوار ہوائیں عطر و عنبر میں بسی ہوتی ہیں وہاں سورج کی گرم کرنیں آگ نہیں برساتیں بلکہ آسمان سے رنگ برنگ کی روشنیاں درختوں کے پتوں اور شاخوں سے چھن چھن کے آتی اور خنکی بکھیرتی ہیں۔

قیس نے منہ اٹھا کے آسمان کی طرف دیکھا تو اسے سورج کہیں نظر نہ آیا مگر رنگین روشنیاں شاخوں اور پتوں سے گزرتی نظر آئیں قیس نے نہر میں بہتے پارے میں ہاتھ ڈال کے باہر نکالا تو اس کے ہاتھ پر سفید سفید دودھ کی بندکیاں دکھائی دیں۔

یہ پارہ نہیں بلکہ دودھ ہے قیس نے سوچا پھر چلو بھر دودھ اٹھا کر اسے چکھا تو وہ نہایت شیریں اور فرحت افزا تھا اچانک قیس کے دماغ میں ایک خوش گوار خیال چمکا وہ ضرور اس وقت جنت میں ہے اور یہ جنت تیسرے آسمان پر ہے جہاں حضرت یوسف علیہ السلام کا قیام ہے مگر حضرت یوسف علیہ اسلام کہاں ہیں۔

اسی وقت ایک ٹھنڈا شعلہ اسے کچھ دور نظر آیا اور قیس تیز قدموں سے اس شعلہ کی طرف چلا یہ شعلہ متحرک تھا جیسے دائیں بائیں حرکت کر رہا ہو قیس شعلہ کے بالکل قریب پہنچ کے رک گیا اس نے اپنے قدم روکے تھے بلکہ کسی غیبی طاقت نے اس کے قدم روک دئے تھے۔

قیس نے شعلہ پر نظریں جمائیں تو اسے وہاں ایک نورانی چہرہ نظر آیا اس چہرے پر ایسا نور تھا جسے قیس نے اس سے پہلے نہ دیکھا تھا کتنا خوبصورت ہے یہ انسان یا پری زاد مگر مگر ہاں یہ تو حضرت یوسف ہیں ان کا مقام تیسرے آسمان پر

ہے اور مجھے ان کے دیدار کی بشارت دی گئی تھی۔

کیا میں حضرت یوسف علیہ اسلام سے باتیں کر سکتا ہوں کیا میں ان سے اپنی شراری کے بارے میں معلوم کرسکتا ہوں شاید وہ بھی اسی جنت میں ہو یقیناً" شراری بھی جنت میں ہے مجھے امام نے یہ ہی بتایا تھا کہ شراری جنت میں ہے اور اس سے ملا جا سکتا ہے لیکن مرنے کے بعد یا پھر امام کے حکم سے امام مجھے شراری سے ملا سکتے ہیں مگر امام کہاں ہیں۔

"امام ۔ امام تم کہاں ہو تم امام برحق ہو میں تجلی طور اور ملاء اعلیٰ پر بھی ایمان لاتا ہوں خدا کے لئے مجھے میری شراری سے ملا دو مجھے اس کی ایک جھلک دکھا دو"۔

قیس چلاتا اور دہائی دیتا ہوا شعلہ کی طرف بھاگ رہا ہے یہ جس قدر شعلہ کے پاس پہنچنے کی کوشش کرتا شعلہ اس سے اتنا ہی دور ہوتا جارہا تھا آخر قیس نے کسی سخت چیز سے ٹھوکر کھائی اور زمردی زمین پر گرا قیس کا سر زور سے زمین سے ٹکرایا اور اسے چکر سا آگیا۔

قیس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا پھیل گیا تھا اس نے سر کو کئی بار جھٹکا دیا تو اس کی آنکھوں کے سامنے روشنی آئی اب اس کے سامنے ایک ایسا منظر تھا جسے دیکھ کر اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا اس نے کئی بار آنکھوں کو ملا مگر وہ منظر اس کی نظروں سے دور نہ ہوا۔

قیس کو یقین کرنا پڑا کہ جو منظر اس کی نظروں کے سامنے ہے وہ کوئی خواب نہیں بلکہ ایک حقیقت اور کھلی ہوئی حقیقت ہے اس کی شراری جان سے پیاری شراری اس سے صرف بیس فٹ کے فاصلہ پر کھڑی مسکرا رہی تھی قیس نے احتیاط کے طور پر اپنے سر کو ایک بار پھر جھٹکا دیا اور آنکھیں ٹھہرا کے دیکھا شراری نہر کے دوسری طرف اب تک کھڑی مسکرا رہی تھی۔

قیس اور شراری کے درمیان صرف ایک نہر حائل تھی اور یہ نہر دہی میٹھے دودھ کی نہ تھی نہر کی چوڑائی قیس کے اندازے کے مطابق سولہ سترہ فٹ سے زیادہ نہ تھی قیس نے دائیں بائیں نظریں دوڑائیں کہ شاید کسی جانب نہر پر کوئی پل ہو مگر دور دور تک کسی پل کا پتہ نہ تھا۔

"شراری" قیس نے اسے زور سے آواز دی۔

"آہستہ بولو قیس" شراری نے جواب دیا"اس سرزمین پر زور سے بولنا گستاخی میں داخل ہے"۔

"یہ کون سی زمین ہے شراری" قیس نے بے چین ہو کے پوچھا۔

"یہ جنت ہے قیس تم اس وقت جنت میں ہو شراری نے تبسم بکھرتے ہوئے جواب دیا۔

قیس نے سوال کیا۔

"مگر جنت میں لوگ مرنے کے بعد جاتے ہیں کیا میں مرگیا ہوں؟"۔

"نہیں قیس تم زندہ ہو تم بہت دن زندہ رہو گے یہ شراری کا جواب تھا"۔

"مگر میں زندہ رہ کر جنت میں کیسے آگیا" قیس نے دوسرا سوال کیا۔

"ایسے فضول سوالات میں وقت ضائع نہ کرو قیس" شراری نے جواب دیا تم نے حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات کی خواہش کی تھی وہ پوری ہو گئی پھر تم نے میری ایک جھلک دیکھنے کی درخواست کی وہ بھی پوری کر دی گئی"۔

"تو کیا میں تم سے مل نہیں سکوں گا؟" قیس بے چین ہوگیا۔

"تم نے میری جھلک دیکھنے کی خواہش کی تھی وہ پوری کر دی گئی" اب اور کیا چاہتے ہو؟ شراری نے مضمحل لہجے میں کہا۔

"میں ہمیشہ کے لئے تمہارے پاس آنا چاہتاہوں شراری تمہیں دیکھنے کے بعد اب میں تم سے دور نہیں رہ سکتا" یہ کہتے ہوئے قیس نے نہر کے کنارے پر چڑھ کے بولا "میں ابھی تیر کے تمہارے پاس پہنچتا ہوں"۔

"یہ کیا حماقت کر رہے ہو قیس رک جاؤ" شراری نے **قیس کو تنبیہہ کی۔**

"قیس کے قدم رک گئے وہ افسردگی سے بولا۔ ہوں۔ اپنے پاس آنے سے شراری مجھے کیوں روک رہی ہو میں نہر کو تیر کے پار کر سکتا ہوں مجھے کیوں روک

رہی ہو؟"۔

شراری نے اسے سمجھایا۔

"پیارے قیس یہ جنت ہے اور جنت میں بغیر ملاء اعلیٰ کے حکم کے ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا اگر تم نے نہر میں کودنے کی غلطی کی تو نہر تمہیں پار لگانے کی بجائے تمہیں ہمیشہ کے لئے غرق کر دے گی پھر تم مجھے کبھی نہ پاسکو گے"۔

قیس نہر کے کنارے سے اتر گیا۔

"پھر میں کیا کروں شراری تم مجھے کیسے مل سکو گی؟"۔

"میں تمہیں مل سکتی ہوں مگر تمہاری کوششوں سے نہیں بلکہ ملاء اعلیٰ کی مرضی سے"۔

شراری نے اسے درس دینا شروع کیا" تم ملاء اعلیٰ کی خدمت کرو ان کے احکامات پر عمل کرو کیا عجب کہ وہ خوش ہو کر تمہیں ہمیشہ کے لئے میرے پاس بھیج دیں"۔

"مگر میں ملاء اعلیٰ سے کیسے مل سکتا ہوں" قیس نے الجھتے ہوئے کہا"میں نے ان کا نام سنا ہے ان کی آواز سنی ہے مگر مجھے نہیں معلوم کہ میں ان سے کس جگہ مل سکتا ہوں"۔

"قیس تمہارا دل شکوک و شبہات سے خالی نہیں" شراری نے کہا"کیا تم نے امام برحق کی صورت میں ملاء اعلیٰ کو نہیں دیکھا"۔

قیس نے شراری کو دیکھا۔

"کیا امام برحق' ملاء اعلیٰ ہیں؟"۔

"قیس ہوش میں آؤ" شراری نے غصہ سے کہا"تمہارا یہی شک و شبہ تو مجھے تم سے دور کئے ہوئے ہے کیا تم ملاء اعلیٰ کو اس قدر بے بس سمجھتے ہو کہ وہ انسان کے قالب میں بھی نہیں آسکتا تم کس قدر وہمی انسان ہو انسان خلوص دل سے ملاء علیٰ سے اپنی مدد کی درخواست کرتا ہے اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور وہ اپنے پیروکاروں کی مدد کو پہنچ جاتے ہیں وہ عرش بریں سے مدد کو ضرور آتا ہے مگر اپنے نورانی پیکر کے

ساتھ نہیں بلکہ کبھی وہ تجلی طور بن کر موسیٰ کے سامنے نمودار ہوتا ہے اور کبھی امام برحق بن کر تمہیں راستہ دکھاتا ہے"۔

قیس نے اپنا سر پکڑا پھر حیران نظروں سے شراری کو دیکھتے دیکھتے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ امام ہی ملاء اعلیٰ ہیں؟"۔

"قیس ان پر ایمان لاؤ اور اپنے مطلب کو پہنچو؟"۔

"ٹھیک ہے ایک بار امام نے کہا تھا کہ امام کا ایک قدم یہاں ہوتا ہے تو دوسرا پر انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ امام چاہے تو انسان کو اس کی کثیف بدن کے ساتھ بھی جنت کی سیر کرا سکتا ہے پھر اس نے مسکرا کر شراری کو دیکھا اور اعلان کیا "شراری تم گواہ رہنا میں امام برحق پر ایمان لایا اب ان کی خدمت کروں گا کبھی شک و شبہ کو دل میں جگہ نہ دوں گا"۔

"اچھا تو سنو قیس" شراری نے واضح الفاظ میں کہا "تم اس جگہ امام برحق کے حکم ہی سے بھیجے گئے ہو اور اس وقت بھی امام تمہارے برابر کھڑے تمہارے ایمان لانے پر مسکرا رہے ہیں تم واپس جاؤ ان کے احکامات کو بجا لاؤ وہ خوش ہو گئے تو تم پھر یہاں آسکو گے"۔

قیس نے سر گھما کے پیچھے کی طرف دیکھا کہ شاید امام اسے وہاں کھڑے دکھائی دیں مگر وہاں کوئی نہ تھا اس نے مایوسی کے عالم میں گردن گھما کے شراری کو دیکھا تو ایک دم چونک پڑا شراری نہر کے دوسری طرف موجود نہ تھی۔

"شراری۔ شراری" قیس زور سے چلایا مگر اس کا سر چکرایا اور وہ تیورا کر جنت کے زمردیں فرش پر گر پڑا شاید اسے چوٹ آئی تھی جس کے صدمے سے وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔

پھر جب قیس کو ہوش آیا تو اس کے گرد و پیش کا منظر بالکل تبدیل تھا اس وقت وہ ایک کوچ پر لڑھکا ہوا تھا اور اسرافیل اسے سہارا دے کر سیدھا کر رہا تھا۔

"ہوش میں آؤ قیس بہت دیر سو لئے اب سنبھلو ہمیں آگے چلنا ہے"۔

"مگر۔ مگر میں تو۔ میں تو" قیس آگے کچھ نہ کہہ سکا حالانکہ جنت کا پورا نقشہ

اس کے سامنے تھا وہ زمردیں فرش کے کناروں پر سرسبز گھاس کی روشیں اور وہ پتوں اور شاخوں سے چھن چھن کے آتی ہوئی رنگین روشنیاں یہ تمام چیزیں سوائے جنت کے اور کہاں ہو سکتی ہیں بہرحال قیس سر جھٹکا ہوا کھڑا ہو گیا اب اسے اس وہم نے گھیر لیا کہ شاید اس نے خواب دیکھا ہے نہر' باغات' شراری سے گفتگو یہ سب کچھ اس کا خواب ہی تھا کیونکہ جس کوچ پر بیٹھ کے اس نے شربت کا گلاس پیا تھا اسی کوچ پر وہ اس وقت بھی بیٹھا تھا جب اس کی آنکھ کھلی۔

قیس اور اسرافیل پا پیادہ آگے بڑھ رہے تھے اسرافیل خاموش تھا مگر قیس کے دماغ میں خیالات کا اس قدر ہجوم تھا کہ اسے بار بار سر کو جھٹکا دے کر خود کو سنبھالنا پڑتا تھا پھر قیس نے محسوس کیا کہ اس کے پیروں کے نیچے کی پتھریلی زمین نرم پڑ گئی ہے اور وہ سبزے پر چل رہا ہے قیس نے دائیں بائیں نظریں دوڑائیں تو وہ واقعی ایک شاداب قطعہ زمین سے گزر رہا تھا اور ہر طرف پھولوں اور پھلدار پودے لگے ہوئے باغ کے اختتام پر ایک خوبصورت عمارت نظر آ رہی تھی اگرچہ یہ عمارت خوبصورت تھی مگر اسے محل نہیں کہا جا سکتا تھا کیونکہ اس کی دیواروں پر جگہ جگہ برجیاں بنی تھیں جس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ محل نہیں بلکہ ایک خوبصورت قلعہ ہے۔

قیس نے وہاں بہت سی عجیب و غریب چیزیں دیکھیں مگر اسے جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ یہ تھی اس نے یہاں کسی شخص کے پاس تلوار یا تیر کمان نہیں دیکھا اس کی حقیقت یہ تھی کہ سامنے نظر آنے والے یہ تمام لوگ جو اپنی کمر میں ایک خوفناک قسم کا خنجر لگائے پھرتے تھے ان کا تعلق حسن بن صباح کے تیسرے اور آخری گروہ یا طبقہ سے تھا یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ دین حق سے ہٹنے والے اور دینداروں کو ختم کرنے کا عزم رکھنے والے یہ گروہ خواہ ان کا نام قرامطہ ہو' متزلہ ہو' **باطینیہ ہو یا فدائین ہو یہ سب کے سب بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے تھے** جو اور اپنے آپ کو اسماعیلی کہتے تھے ان گروہوں نے مختلف ناموں سے خود کو پہنچوایا اور اپنے آپ کو حق اور دوسروں کو باطل کہہ کر ان کا خون کرنا اپنے اوپر جائز قرار دیا چنانچہ ان کے خوفناک اور گھناؤنے کرتوتوں سے تاریخ اسلام بھری پڑی ہے ان بے دینوں کا

ہر گروہ اپنی جماعت کو کئی حصوں میں تقسیم کرتا انہیں الگ الگ فرائض سونپے جاتے تھے کبھی یہ چار حصوں میں تقسیم ہوتے تو کبھی گیارہ گیارہ اور بارہ حصوں میں بٹ جاتے تھے۔

ان کے افعال تقریباً" مشترک تھے ان کا کہنا تھا کہ ان کے علاوہ باقی تمام مسلمان بے دین ہیں اور ان کا قتل اور سامان لوٹنا ہر فرد پر لازم ہے دوسری مشترک بات یہ تھی کہ اسلامی فرائض اور امرونواہی میں ترمیم و تنسیخ کر کے سب کے لئے نہایت آسان اور پرکشش بنا دیتے تھے مثلاً" قرامطہ نے پانچ وقت کی نماز کے بجائے صرف دو وقت یعنی فجر اور مغرب کی نماز فرض قرار دی تھی وضو یا غسل کرنا ضروری نہ تھا شراب حلال کر دی تھی اور عیاشی کی عام اجازت تھی یہ باتیں تقریباً" ہر گروہ میں عام تھیں حسن بن صباح نے تمام سابق گروہوں اعمال و افعال اور آغاز و انجام کا بڑی دقیق نظروں سے مطالعہ کیا تھا چنانچہ جب تک اسے طاقت حاصل نہ ہوئی تھی تو وہ کبھی اسماعیلی بن جاتا تو کبھی خود کو اثنائے عشری ظاہر کرتا غرض یہ کہ اسے جس مذہب یا جماعت سے فائدہ کی زیادہ امید ہوتی حسن بن صباح اسی جماعت میں شامل ہو جاتا۔

پھر جب اسے قلعہ الموت جیسا محفوظ قلعہ اور جائے پناہ حاصل ہوئی اور اسے اپنی من مانی کا موقع ملا تو اس نے سب سے زیادہ زور عبادت و ریاضت پر دیا وہ خود کو تصنیف اور تالیف میں مشغول رکھنے کا بہانہ کرتا تھا اس نے اعلان کر دیا تھا کہ کسی شخص کا کوئی جرم یا مذہبی قصور معاف نہیں کیا جائے گا اس نے یہ اصول ہر شخص کے دل میں ایسا راسخ کر دیا تھا کہ لوگ گناہ کے قریب بھی نہ جاتے تھے۔

حسن بن صباح انسانی فطرت کا ماہر تھا اسے معلوم تھا کہ حاکم جب تک خود کسی قانون پر عمل نہ کرے اس کے ماتحت کے دل میں اس قانون کا کوئی احترام نہیں رہتا چنانچہ اس نے خود کو سچا ثابت کرنے کے لئے اپنے ایک بیٹے حسین کو اس وجہ سے قتل کرا دیا تھا کہ اس نے اپنے ہم مذہب ایک داعی کو مار ڈالا تھا اس کا اثر [illegible] لوگوں نے آپس میں مرتلخ کلامی تک چھوڑ دی۔

حسن بن صباح نے اپنے دوسرے بیٹے کو بھی اپنے آپ کو بااصول ثابت کرنے کے لئے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا حسن کے بیٹے نے شراب پی لی تھی جو شروع میں حسن بن سباح نے حرام قرار دی تھی اس بات کی اطلاع حسن بن صباح کو ہوئی تو اس نے فوراً" بیٹے کو قتل کا حکم دیدیا اور اس پر فوری طور پر عمل کیا۔

حسن بن صباح نے اپنے دونوں بیٹوں کی قربانی دے کر اپنے اس نئے مذہب کے ماننے والوں میں خوف و دہشت پیدا کر دی ہر شخص اپنی جگہ خائف رہنے لگا مگر مذہب کے معاملات میں اس کی یہ سختی محض ایک دکھاوا تھا کچھ ہی عرصہ بعد حسن بن صباح نے ایک ایک کر کے اپنے پیرو کاروں کو تمام فرائض سے آزاد کر دیا۔

قلعہ کے دروازے پر کھڑے ہونے والے پہریدار بھی خنجر بردار ہی تھے ان کے پاس بھی کوئی دوسرا اسلحہ نہ تھا پھر جب قیس قلعہ میں داخل ہوا تو اس نے وہاں پوری طرح مسلح فوج دیکھی مگر ان کی تلواریں چھوٹی اور کمانیں لانبی لانبی تھیں اس کا مطلب یہ تھا کہ حسن بن صباح کے پیروکار اپنے دشمن پر عام طور پر تیر برساتے تھے اور دست بہ دست شمشیرزنی کی بہت کم نوبت آتی تھی۔

ان روائتی اسلحہ کے سے قطع نظر حسن بن صباح کا سب سے کار آمد اور آزمودہ ہتھیار حشیش یعنی بھنگ کا استعمال تھا کہتے ہیں ایک بار حسن بن صباح کے گھوڑے کو تازی کٹی ہوئی گھاس کھلائی جا رہی تھی اتفاق سے اس وقت حسن بن صباح وہاں موجود تھا گھوڑے کے آگے گھاس ڈالی گئی اور اس نے گھاس کھانا شروع کی تو کچھ ہی دیر بعد گھوڑے کی ٹانگیں کپکپانے لگیں اس نے گھاس کھانا چھوڑ دیا اور کانپتے پیروں سے زمین پر بیٹھا اور اپنی گردن زمین پر اس طرح لانبی کر کے پھیلا دی تے .. آرام کرنے کے لئے کیا کرتا تھا۔

حسن بن صباح نے فوراً" آگے بڑھ کر زمین پر پڑے گھوڑے کا کان پکڑا اور اسے زور سے ہلایا مگر گھوڑے کو جنبش نہ ہوئی اس نے گھوڑے کے نتھنوں پر ہاتھ رکھا تو اس کی سانس چلتی ہوئی محسوس ہوئی حسن بن صباح نے اطمینان کا سانس لیا۔

گھوڑے کا سائیس بہت گھبرا گیا تھا اسے یہ خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں گھوڑا مر نہ جائے اس گھبراہٹ میں اس نے حسن بن صباح سے دریافت کیا۔

"آقا! میرا گھوڑا مر تو نہیں جائے گا"۔

حسن بن صباح نہ معلوم کن خیالوں میں کھویا ہوا تھا وہ سائیس کا سوال بالکل نہ سن سکا سائیس نے اور زیادہ گھبراہٹ سے پوچھا۔

"میرے آقا! کہیں میرا گھوڑا مر تو نہیں گیا؟"۔

حسن بن صباح خیالوں سے چونکا اس نے جواب دیا۔

گھبراؤ نہیں گھوڑا بیمار ہو گیا ہے مگر مرے گا نہیں"۔

سائیں خوش ہو گیا۔

"اب میں اس جگہ سے گھاس کاٹ کے نہیں لاؤں گا جسے کھا کے میرا گھوڑا بیمار ہو گیا ہے"۔

"ہونہہ۔ ٹھیک ہے' حسن بن صباح جیسے خوابوں میں بولا پھر اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا" مجھے وہاں لے چلو جہاں سے آج تم گھاس کاٹ کے لائے ہو"۔

"چلئے مالک میں آپ کو بتاتا ہوں"۔

یہ کہہ کر سائیس آگے اور حسن بن صباح اس کے پیچھے ایک طرف کو چلنے لگے تھوڑی دور چل کے سائیس ایک سرسبز قطعہ کے پاس رک گیا۔

"میں نے یہاں سے گھاس کاٹی تھی" سائیس نے حسن بن صباح کو بتایا۔

"کس طرح اور کس جگہ سے کاٹی تھی گھاس؟ حسن بن صباح ادھر دیکھتے ہوئے۔

سائیس آگے بڑھ کے ایک جگہ بیٹھ گیا اور اشارہ سے بتایا۔

"آج میں نے یہاں سے یہاں تک گھاس کاٹی تھی۔"

حسن بن صباح، سائیس کی بتائی ہوئی جگہ کو غور سے دیکھتا رہا پھر اس نے ادھر ادھر گھوم کے اس سرسبز جگہ کو خوب گھوم پھر کے دیکھا حسن بن صباح کو اس دیکھ بھال میں ایک گھنٹے سے زیادہ لگ گیا جب وہ دونوں واپس آئے تو سائیس زور سے چلایا۔

"آقا میرا گھوڑا ٹھیک ہو گیا"۔

حسن بن صباح نے گھوڑے کو دلچسپی سے دیکھا گھوڑا گردن سیدھی کئے بیٹھا تھا اور آہستہ آہستہ آنکھیں کھول اور بند کر رہا تھا جیسے وہ ابھی نیند میں ہو حسن بن صباح نے سائیس سے کہا۔

"آج سے اس جگہ سے گھاس نہ کاٹی جائے اور نہ کسی جانور کو ادھر جانے دیا جائے وہاں کی گھاس میں زہر ہے اس سے دوا تو تیار کی جا سکتی ہے مگر وہ جانوروں کو نہیں کھلائی جا سکتی؟"۔

پھر اس نے حکم دیا "اس بچی ہوئی گھاس کو ایک تھیلے میں ڈال کر ہمارے پاس لے کے آؤ""۔

حسن بن صباح وہاں سے چلا گیا گھاس اس کے پاس پہنچا دی گئی حسن بن صباح دو دن اور دو راتیں اس گھاس پر کیا کیا تجربات کرتا رہا اس دوران کسی کو اس کے پاس جانے کی اجازت نہ تھی پھر جب وہ تجربات کرنے کے بعد باہر آیا تو اس کے لبوں پر ایک خوفناک مسکراہٹ تھی دراصل حسن بن صباح نے گھوڑے کو کھلائی جانے والی گھاس سے ان پتوں کو الگ کیا جو اس کے خیال میں بالکل نئے قسم کی تھیں اور علم طب میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا تھا۔

حسن نے اپنے تجربات سے فوراً" معلوم کر لیا کہ اس نئی پتی میں زہر نہیں ہے بلکہ اس میں کوئی ایسی چیز شامل ہے جسے کھانے یا پینے سے آدمی کچھ دیر کے لئے بے حس اور غافل ہو جاتا ہے حسن بن صباح نے قلعہ الموت اور اس کے گرد کے علاقوں کا دورہ کیا اور جہاں جہاں وہ پتی پیدا ہو رہی تھی اس کے گرد پکی

دیواریں اٹھوا دیں حسن بن صباح کے مزید تجربات نے اس پتی (جس کا بعد میں حشیش یا بھنگ نام رکھا گیا) سے ایک ایسا مشروب تیار کیا جس سے انسان پر ایک فرحت بخش نشہ طاری ہو جاتا تھا۔

حشیش یا بھنگ کی پتی کو معلوم کرنے کا سہرا متفقہ طور پر حسن بن صباح کو جاتا ہے کاش حسن بن صباح اس پتی سے کوئی تعمیری کام لیتا مگر اس شیطان صفت انسان نے حشیش وہ شربت تیار کیا جسے پلا کر حسن بن صباح اپنے مریدین کو جنہیں فدائی کہا جاتا تھا اپنی بنائی ہوئی جنت میں لے جاتا تھا پھر انہیں وہاں دوبارہ بھیجنے کے صلہ میں اس فدائی کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ فلاں ہستی کو خنجر مار کر ختم کر دے۔

حسن بن صباح کے فدائی کا شکار کسی ملک کی کوئی عظیم ہستی ہوتی جسے حسن بن صباح اپنے لئے خطرہ سمجھتا یا پھر اس کے قتل کے لئے حسن بن صباح کو معقول معاوضہ پیش کیا جاتا ایسے قتل چھوٹے چھوٹے واعیاں ریاست کے درمیان دشمنی اور عداوت کی بناء پر فدائین کے ہاتھوں ہوتے تھے ایک ریاست کا والی اپنے دشمن دوسرے والی ریاست کے سر کی قیمت مقرر کرتا اور اس کا قاصد حسن بن صباح کی خدمت میں حاضر ہو کر مقرر کردہ قیمت کی پیش کرتا حسن بن صباح اس قیمت ردوبدل کر کے قتل کی ذمہ داری قبول کرتا اور پھر ہفتہ عشرے بعد اس کا کوئی فدائی اپنے خنجر سے اس والی ریاست کا سینہ چھلنی کر دیتا اور مقررہ قیمت حسن بن صباح کو پہنچا دی جاتی۔

اکثر ایسا ہی ہوتا کہ دونوں والیان ریاست کے نمائندے بیک وقت قلعہ الموت میں حسن بن صباح کی خدمات حاصل کرنے کے لئے پہنچ جاتے ایسی صورت میں والیان ریاست کے سر کی قیمت کو بولی لگتی دونوں نمائندے ایک دوسرے سے بڑھ کر دشمن والی ریاست کی قیمت لگاتے اور جو سب سے اونچی بولی دیتا حسن بن صباح اس کے نمائندے سے معاملہ طے کر لیتا۔

پس اگر حسن بن صباح کو کرائے کے قاتلوں کا ٹھیکیدار کہا جائے تو کچھ بے جا نہ ہو گا حسن بن صباح کی اس داداگیری نے چھوٹے تو چھوٹے بڑے بڑے

والیان ریاست کی نیندیں حرام کر دی تھیں وہ اپنے دشمن سے نہیں بلکہ حسن بن صباح کے فدائی سے اس قدر خوفزدہ رہتے کہ اکثر وہ خواب میں چیخ پڑتے۔

"پکڑو پکڑو اس فدائی کو پکڑو۔

یہ مجھے خنجر مار کر بھاگا ہے۔

یہی وہ وقت تھا جب ملک شاہ سلجوق کے دور حکومت میں تمام والیان ریاست کا ایک مشترکہ وفد پہنچا اور اس نے سلطان نے درخواست کی کہ حسن بن صباح کا فتنہ ختم کیا جائے ورنہ والیان ریاست کے علاوہ مسلمانوں کے تمام بڑے بڑے علماء' فقہا اور امیروزیر سے ہی دنیاخالی ہو جائے گی اسی وفد کی درخواست سے متاثر ہو کر سلطان ملک شاہ نے اپنے وزیر نظام الملک طوسی کو حکم دیا تھاکہ وہ حسن بن صباح کے پاس ایک سلطانی نمائندہ بھیج کر اس کے عقائد معلوم کرے اس آڑ میں سلطان' حسن بن صباح کی طاقت کا اندازہ کرنا چاہتا تھا اسی لئے نظام الملک نے اپنے خاص غلام قیس کو سلطانی نمائندہ بناکر قلعہ الموت بھیجا تھا۔

جن دنوں قیس قلعہ الموت آیا ہوا تھا اسی دوران دارالسلطنت اصفہان میں وزیراعظم نظام الملک طوسی اور سلطان ملک شاہ کی دوسری ملکہ ترکان خاتون میں اقتدار کا جھگڑا شروع ہو گیا یہ جھگڑا بہت پرانا تھا جب سلطان ملک شاہ نے ملکہ ترکان خاتون سے شادی کی تھی تو ترکان خاتون نے یہ شرط رکھی تھی کہ وہ وزیراعظم نظام الملک کی محتاج نہیں رہے گی اس کے معاملات کے لئے ایک الگ وزیر مقرر کیا جائے چنانچہ سلطان نے شادی کے فورا" بعد تاج الملک یا تاج الدولہ کو ملکہ کا وزیر مقرر کر دیا تھا۔

جس طرح ملکہ توران خاتون' وزیراعظم نظام الملک کے احکامات سے باہر تھی اسی طرح اس کا وزیر تاج الدولہ بھی نظام الملک کی پروا نہ کرتا تھا بلکہ اس کوشش میں لگا رہتا تھاکہ کسی طرح نظام الملک کو معزول کرا کے خود وزیراعظم کا عہدہ سنبھال لے اس کی پشت پر ملکہ ترکان خاتون تھی جو وقت بے وقت سلطان کے کان بھرتی رہتی تھی قارئین پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ کس طرح

یدالروسا ابوالمحاسن بن کمال الملک نے جو سلطان ملک شاہ کا ایک جلیل القدر امیر بھی تھا نظام الملک کی شکایت سلطان سے کی تھی کہ نظام الملک کے لواحقین حکومت کی ساری آمدنی کھائے جاتے ہیں مگر نظام الملک کے جاسوس نے یہ خبر فورا" اسے پہنچا دی اور نظام الملک نے سلطان کو ایک دعوت میں بلا کر کس انداز میں اپنی صفائی پیش کی تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ خود ابولمحاسن کو نظام الملک سے معافی مانگنا پڑی تھی۔

یہ واقعہ ایسا تھا کہ نظام الملک کو اس سے سبق لینا چاہئے تھا مگر نظام الملک یا اس کے لواحقین پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ وہ ابوالمحاسن کی ناکامی کے بعد اور زیادہ شیر ہو گئے مگر اب معاملہ کچھ زیادہ خطرناک صورت اختیار کر گیا تھا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وزیراعظم نظام ا لملک طوسی کے پوتے عثمان بن جلال اور مرو کے شہر کوتوال میں اختلاف اتنا بڑھا تھاکہ عثمان بن جلال نے اپنی ناتجرباکاری اور اقتدار کے زعم میں شہر کوتوال کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا تھا اس کی خبر جب نظام الملک کو ملی تو اس نے فورا" اس کی رہائی کے احکامات اپنے پوتے کو بھیجے شہر کوتوال رہا تو ہو گیا مگر اس کے دل میں عثمان بن جلال اور اس کے دادا نظام الملک کے خلاف ایسا کینہ بھرا کہ اس نے کوتوالی کو تو لات ماری اور سیدھا دارالسلطنت اصفہان کا رخ کیا قودن (شہر کوتوال) چونکہ ملک شاہ کا منہ چڑھا غلام تھا اس لئے اسے فورا" بازیابی حاصل ہوئی اور سلطان کے سامنے پہنچ کے قودن نے نظام الملک اور اس کے پوتے کے خلاف شکایتوں کے دفتر کھول دیئے۔

قودن نے سلطان کو بتایا۔

"عالیجاہ! آپ نے میری عزت افزائی فرماتے ہوئے مجھے مرو کا کوتوال بنایا تھا مگر جب سے نظام الملک کے پوتے عثمان بن جمال کو وہاں کی گورنری ملی ہے وہاں کے حالات ہی دگر گوں ہو گئے ہیں عثمان کو معلوم ہے کہ میں آپ کا غلام ہوں اس لئے وہ میرے پیچھے پڑ گیا ہے وہ چاہتا ہے کہ میں کوتوال کے عہدے سے ہٹ جاؤں تاکہ اسے صوبے کی دولت سمیٹنے کا موقع مل جائے"۔

سلطان ملک شاہ اپنے وزیراعظم نظام الملک طوسی کا بے حد خیال کرتا تھا ۔ اپنے غلام کے منہ سے اس کے خلاف باتیں سن کے افسوس ہوا پھر اس نے تحمل سے کہا۔

"قودن تو گفتگو میں احتیاط کر" میں جانتا ہوں کہ تو میرا وفادار ہے لیکن یہ بھی خیال رکھ کہ نظام الملک بھی مجھے اپنے رشتہ داروں کی طرح عزیز ہے اگر نظام الملک کے پوتے نے تیرے ساتھ کوئی زیادتی کی تھی تو تجھے چاہئے تھا کہ تو پہلے نظام الملک سے ملتا اگر وہ تیری شکایت دور نہ کرتے تو پھر تیرا ہمارے پاس آنا درست تھا یہ شکوئے شکائتیں بند کر اور نظام الملک کے پاس جاکر اپنے حالات بیان کر اگر وہ تیری داد رسی نہ کرے تو پھر ہمارے پاس آنا"۔

"مگر عالیجاہ! میں تو ـــــ"

سلطان نے اس کی بات کاٹ دی۔

"چپ ہو جا جو کہا ہے اس پر عمل کر"۔

غریب کوتوال سلطان کا منہ دیکھ کے رہ گیا۔

قودن نے' سلطان سے یہ شکایت ملکہ ترکان خاتون کے محل میں کی تھی اور اس گفتگو کے وقت ملکہ وہاں موجود تھی نظام الملک کے خلاف قودن کی شکایت تو خاموشی سے سنتی رہی مگر سلطان نے کوتوال کو ڈانٹ کر چپ کرا دیا تو اس سے نہ رہا گیا اور چیخ کے بولی۔

"ہاں چپ ہو جا قودن آج کل سلطان کسی کی بات نہیں سنتے ان کے کان پر کسی کی فریاد سے جوں تک نہیں رینگتی میں روز کہتی ہوں کہ آپ نے نظام الملک کو سلطنت کا مختار بنا دیا ہے خود آپ سیرو شکار میں رہتے ہیں اور نظام الملک اور اس کے عزیز و اقارب دونوں ہاتھوں سے سلطنت کی دولت لوٹ کر اپنے گھر بھر رہے ہیں نظام کے بیٹے اور پوتے سلطنت پر چھائے ہوئے ہیں اس کے بارہ بیٹوں نے ایران اور توران کی حکومت آپس میں تقسیم کر لی ہے مگر میری کون سنتا ہے میں تو معلوم ہوتا ہے کہ سلجوق سلطنت کی دشمن ہوں"۔

سلطان خاموشی سے ملکہ کی باتیں سنتا رہا جب وہ سانس لینے کے لئے رکی تو سلطان بولا۔

"ترکان دل ہلکا ہوا کہ ابھی اور کوئی شکایت باقی ہے؟"۔

"شکایتیں تو اتنی ہیں کہ آپ سنتے سنتے عاجز آجائیں گے ملکہ نے اور زیادہ بگڑ کے کہا روز شکایتیں آرہی ہیں کہ خود قلعہ دار حسن بن صباح کے لیٹروں نے رعایا کی زندگی اجیرن کر دی ہے مگر سلطان ہیں کہ کسی بات پر کان ہی نہیں دھرتے"۔

"تمہیں کیا پتہ ترکان خاتون" سلطان کا لہجہ بھی سخت ہو گیا ہم نے حسن بن صباح کا علاج کر دیا ہے"۔

"جی ہاں مجھے معلوم ہے" ملکہ نے فوراً جواب دیا "اپنے غلام کو حسن بن صباح کے دربار میں بھیج کے یہ پچھوایا ہے کہ اس کا مذہب کیا ہے واہ کیا خوب علاج کیا ہے آپ نے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بن صباح بھی کسی بادشاہت کا مالک ہے کہ آپ اس سے گفت و شنید فرما رہے ہیں یاد رکھیئے کہ وہاں سے جواب آنے میں دو مہینے لگ جائیں گے اور اس عرصہ میں معلوم نہیں اس کے ظالم لیٹرے کتنے گھروں کے اور چراغ بجھا دیں گے پھر اگر وہاں سے جواب آیا کہ میں بھی مسلمان ہوں تو آپ خاموش ہو کے بیٹھ جائیں گے کیونکہ مسلمان کے خلاف آپ جنگ کا حکم نہیں دے سکتے"۔

سلطان' ملکہ ترکان کی جلی کٹی باتوں سے جھلا اٹھا اور حکم دیا۔

"وزیراعظم کو ابھی طلب کیا جائے"۔

پھر پلٹ کر ملکہ سے بولا۔

"ملکہ ترکان' تم دیکھو گی کہ آج ہم حسن بن صباح کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں"۔

"میں جانتی ہوں آپ کیا حکم دیں گے" ملکہ نے زیر خند کہا۔

"ملکہ ۔ ترکان۔ ترکان خاتون تم جانتی ہو ہم کیا حکم دینے والے ہیں"۔

سلطان نے بگڑتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں میں جانتی ہوں اسی لئے تو کہہ رہی ہوں"۔

"اچھا بتاؤ ہم کیا حکم دیں گے؟"۔

"آپ نظام الملک کو حکم دیں گے کہ حسن بن صباح سے ضمانت مانگی جائے کہ وہ اب کسی کو پریشان نہیں کرے گا اور اگر اس کی خلاف ورزی کی تو اس کے خلاف فوج کشی کی جائے گی"۔

"بظاہر سلطان غصہ میں معلوم ہو رہا تھا مگر ملکہ ترکان خاتون کا جواب سن کر وہ ہنس پڑا۔

"ترکان تم بہت ذہین ہو"۔

"صرف ذہین نہیں بلکہ سلطان کی مزاج شناس بھی ہوں"۔

"اچھا بتاؤ اب ہم کیا قدم اٹھائیں؟"۔

ملکہ نے قودن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"پہلے اس غریب کا کچھ بندوبست فرمائیے"۔

سلطان نے قودن کو دیکھا ایک لمحہ کچھ سوچا پھر بولا۔

"تم مرو جا کے کوتوال کے فرائض انجام دو ہم عثمان کو ایک فرمان کے ذریعہ سخت تنبیہہ کرتے ہیں"۔

"عالیجاہ! قودن کے بجائے ملکہ نے جواب دیا" آپ کو علم ہی نہیں کہ آپ کے چہیتے وزیراعظم کے پوتے نے اس غریب کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟"۔

"کیا سلوک کیا ہے اس نے تو کچھ نہیں بتایا؟"۔

"بتاتا کیسے آپ نے تو اسے بولنے ہی نہیں دیا اور ڈانٹ کے خاموش کرا دیا!"۔

ملکہ نے نرمی سے کہا "میں آپ کو بتاتی ہوں وزیراعظم کے نمک حرام پوتے نے قودن کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا تھا وہاں سے رہائی ملی ہے تو آپ کے پاس فریاد لے کے آیا تھا مگر آپ نے سننے سے انکار کر دیا"۔

"مگر نظام الملک نے تو ہم سے کچھ نہیں بتایا" سلطان نے بات ٹالنے کی کوشش کی مگر شاید ترکان خاتون نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ آج کچھ کر ہی کے رہے گی۔

اس نے منہ بنا کے کہا۔

"جی ہاں وہ عالیجاہ کے سامنے بیان کرتے کہ ان کے پوتے عثمان نے مرو میں یہ گل کھلائے ہیں آپ تو سب کو اپنا ہی جیسا سمجھتے ہیں"۔

اتنے میں اطلاع آئی کہ نظام الملک تشریف لے آئے ہیں۔

سلطان نے کہا۔

"انہیں مہمان خانہ میں بیٹھایا جائے پھر پلٹ کے ملکہ سے بولے آپ نظام الملک کی خدمات کو نہیں جانتیں ورنہ اس کے لئے ایسے الفاظ استعمال نہ کرتیں"۔

سلطان بڑ بڑاتے ہوئے مہمان خانہ میں پہنچے تو نظام الملک گھبرا گیا اسے یہ تو اطلاع مل گئی تھی کہ ملکہ کے محل میں قودن موجود ہے اور سلطان اس سے گفتگو فرما رہے ہیں۔

نظام الملک نے کھڑے ہو کر سلطان کو تعظیم پیش کی تو سلطان نے بغیر جواب دیئے اکھڑے لہجے میں فرمایا۔

"نظام! حسن بن صباح کی شکایتیں سنتے سنتے ہمارے کان پک گئے ہیں تم اسے سزا کیوں نہیں دیتے آخر کس بات کا انتظار ہے تمہیں"۔

"عالیجاہ! کے حکم کے مطابق غلام نے حسن بن صباح کے پاس سفارت بھیجی ہے کہ اس کا مذہبی عقیدہ اور دیگر حالات معلوم کئے جائیں تاکہ عالیجاہ اس کے بارے میں کوئی فیصلہ صادر فرما سکیں"۔

"یہ کہہ رہے ہو نظام" سلطان نے کچھ تلخ لہجے میں کہا" حسن بن صباح کوئی حاکم یا بادشاہ تو نہیں ہے کہ اس کے پاس سفارت روانہ کی جائے وہ تو ایک لٹیرا اور فسادی انسان ہے اس کا خاتمہ فوراً" ہونا چاہئے"۔

"بہتر ہے عالیجاہ! میں اسی وقت لشکر روانہ کرتا ہوں نظام الملک نے سلطان

کا غصہ ختم کرنے کے لئے نہایت عاجزی سے عرض کیا۔

"ٹھیک ہے اس کا ہم فوری خاتمہ دیکھنا چاہتے ہیں" سلطان ملک شاہ اتنا کہہ کے واپس ہوا مگر دروازے کے پاس پہنچ کے رکا اور پلٹ کے بولا" یہ تمہارے پوتے عثمان کا کیا قصہ ہے اسے معلوم تھا کہ قودن ہمارا پروردہ ہے پھر بھی اسے قید میں ڈال دیا؟"۔

نظام الملک سمجھ گیا کہ سلطان کو قودن اور ملکہ ترکان خاتون نے خوب بھرا ہے پھر اس نے معاملہ سنبھالنے کی کوشش کی اس نے کہا۔

"عالیجاہ! میں بہت شرمندہ ہوں عثمان کو کوتوال قودن کے مرتبہ کا علم نہیں تھا میں نے اسے بہت سخت و ست کہا ہے اور کوتوال قودن کو ان کے عہدے پر بحال کر دیا گیا ہے۔

"نظام کیا کہہ رہے ہو؟" سلطان نے برا سا منہ بنایا"کیا قودن اتنی بے عزتی کے بعد مرو کا کوتوال رہ سکتا ہے؟"۔

نظام نے فوراً" کہا۔

"عالیجاہ کا حکم ہو تو میں قودن کا اصفہان کا کوتوال مقرر کر دوں؟"۔

"اس پر بعد میں بات کریں گے" سلطان نے پھر قدم بڑھائے "فی الحال تم حسن بن صباح کا علاج کرو مکمل علاج"۔

اور سلطان مہمان خانہ سے نکل گیا ملکہ کی جاسوس کنیزیں بھی مہمان خانہ کو پوشیدہ طور سے گھیرے ہوئے تھیں ادھر سلطان نے مہمان خانہ سے قدم نکالے اور ادھر کنیزوں نے بھاگ کر ملکہ ترکان خاتون کو مہمان خانے میں ہونے والی تمام گفتگو سے آگاہ کر دیا۔

سلطان نے حسن بن صباح کے خلاف فوج کشی کا حکم دیا تھا اور نظام الملک نے یہ سمجھ لیا کہ اگر اس نے اس حکم کی ذرا بھی غفلت برتی تو سلطان اسے کسی صورت میں معاف نہ کرے گا اس خیال کے پیش نظر نظام الملک نے ایک لشکر جرار حسن بن صباح کی سرکوبی کے لئے اس کی گرفتاری کے لئے فوری طور

روانہ کر دیا سلطانی لشکر نے قزوین پہنچ کے قلعہ الموت کا محاصرہ کر لیا اور اس دائرہ آہستہ آہستہ تنگ کرنا شروع کیا۔

یہاں کے حالات سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم آپ کو ایک بار پھر قلعہ الموت لئے چلتے ہیں۔

اسرافیل اور قیس قلعہ نما عمارت کے سامنے پہنچ چکے تھے قیس جب خوشنما روشوں سے گزر کر عمارت کی سفید سیڑھیاں چڑھنے لگا تو اسے اچانک خیال آیا کہ ایسی عمارتیں اس نے اس جنت میں بھی دیکھی تھیں جس میں سے کچھ گھومنے اور اپنی محبوبہ شراری سے گفتگو کا موقع ملا تھا۔

یہ خیال آتے ہی قیس نے اسرافیل سے دریافت کیا۔

"اے اسرافیل کیا اس عمارت کا تعلق اس جنت سے ہے جسے میں نے عالم خواب میں کچھ دیر سیر کی تھی؟"۔

اسرافیل مسکرایا اور بولا۔

"اے شاہی مہمان قیس تمہیں جس مقام کو دکھایا گیا تھا وہ واقعی جنت تھی اور تم نے عالم خواب میں نہیں بلکہ اپنی کھلی آنکھوں سے اس جنت کی سیر کی تھی"۔

"اے اسرافیل قیس کی دلچسپی بڑھ گئی اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے کل شراری کو وہاں دیکھا تھا وہ واقعی میری اصلی شراری تھی؟"۔

"اس میں شک و شبہ کی کیا بات ہے اسرافیل نے جواب دیا۔

"اے اسرافیل اور اے راز دان ملاء اعلی یہ تو بتاؤ کیا میں اس جنت میں دوبارہ داخل ہو سکوں گا؟" قیس نے کمال اشتیاق سے پوچھا۔

"ہاں تم جنت میں دوبارہ داخل ہو سکتے ہو" اسرافیل نے جواب دیا مگر شرط یہ ہے کہ تمہیں فدائیوں کے حلقہ میں داخل کر لیا جائے"۔

"مجھے فدائیوں میں کون داخل کر سکتا ہے"۔

تمیں فدائیوں میں وہی داخل کر سکتا ہے جس کے دربار میں تم اس وقت جارہے ہو"۔

"مگر میں تو اس وقت قلعہ الموت کے حاکم کے پاس سلطان سلجوق کا پیغام لے کر جارہا ہوں کیا وہاں وہ ہستی کبھی موجود ہوگی جو مجھے فدائیوں میں داخل کر سکتی ہے؟"۔

یہ دونوں سیڑھیاں چڑھ کر چبوترے اور چبوترہ پار کر کے عمارت کی راہداری میں پہنچ چکے تھے اسرافیل نے آہستہ سے کہا۔

"اب خاموش ہو جاؤ قیس یہ مقام ادب ہے تم ملاء اعلیٰ کے حضور میں پیش ہونے جا رہے ہو"۔

قیس گھبرا گیا اس نے کہا۔

"مگر مجھے تو قلعہ الموت کے حاکم حسن بن صباح حمیری سے ملنا ہے؟"۔

اسرافیل نے ذرا غصہ سے کہا۔

"قیس تیرے دل میں اب بھی کدورت اور شک و شبہ کا میل موجود ہے اگر اپنی بھلائی چاہتا ہے تو یہ یاد رکھ کہ اس قلعہ کا مالک حسن بن صباح سیدنا شیخ الجبل ہے اور اس کا نام ہی تجلی طور اور ملاء اعلیٰ ہے مگر وہ طور کی تجلی نہیں اس لئے کہ تجلی اس کا وصف نہیں بلکہ کوہ طور کو اس نے خود یہ وصف بخشا ہے ملاء اعلیٰ، تجلی طور، امام برحق یہ سب حسن بن صباح کے مختلف پر تو ہیں وہ جس پر تو میں چاہتا ہے خود کو ڈھال لیتا ہے اس لئے کہ اسے فنا نہیں وہ قائم و دائم ہے (نعوذ باللہ) یہ آسمان و زمین اور جنت اور دوزخ اس کے قبضہ اقتدار میں ہیں وہ جب چاہے جس کو چاہے جنت کی سیر کرا سکتا ہے"۔

قیس کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے سے حجاب ہٹ گیا (حالانکہ قیس کی آنکھوں پر باطل کا پردہ پڑ گیا تھا) اسے یقین ہو گیا کہ زمین و آسمان کا خالق اور مالک یہی (نعوذ باللہ) حسن بن صباح ہے اور باقی تمام مذاہب باطل اور جھوٹے ہیں"۔

"لاریب" قیس کے منہ سے نکلا "تم ٹھیک کہتے ہو اسرافیل میں اب تک اندھیروں میں بھٹک رہا تھا میں تمہارا شکرگزار ہوں تم نے مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا میرے تمام وسوسے اور شکوک ختم ہو گئے اور میں ملاء اعلیٰ تجلی طور سیدنا شیخ الجبل حسن بن صباح پر ایمان لاتا ہوں"۔

اسرافیل بہت خوش ہوا اور بولا۔

"میں تیرے ایمان لانے سے بہت خوش ہوا اور میں تجھے بشارت دیتا ہوں کہ تو ایک دن اپنی مراد کو ضرور پہنچے گا"۔

"اپنی مراد" قیس زیر لب بدبدایا "کیا تم میری مراد جانتے ہو اسرافیل"۔

"کیوں نہیں قیس میں سب جانتا ہوں اسرافیل نے جواب دیا تو نے جس حور کی ایک جھلک جنت میں دیکھی تھی کیا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسے اپنی آغوش میں لینا نہیں چاہتا؟"۔

"بے شک بے شک میری یہی آرزو ہے یہی مقصد زندگی قیس چلایا مگر ایسا کب ہو گا اسرافیل؟"۔

"جب شیخ الجبل کا حکم ہوگا" اسرافیل نے کہا۔

"کب حکم ہو گا شیخ الجبل کا؟"۔

"جب تو فدائی بنے گا"۔

"میں فدائی کب بنوں گا؟"۔

"جب تو خود کو شیخ الجبل کے حکم کے تابع کر دے گا"۔

"مگر وہ وقت کب آئے گا؟"۔

"وہ وقت تب آئے گا جب ہمارا امام سیدنا شیخ الجبل حسن بن صباح تیری کمر میں فدائی کا خنجر لگائے گا اور تو اس خنجر سے وہ کام انجام دے گا جس کا حکم سیدنا شیخ الجبل تجھے دیں گے"۔

"کاش وہ دن آج ہی آجائے" قیس نے آرزو کی۔

"قیس خبردار اسرافیل نے اسے سمجھایا آج کے دن تو سیدنا شیخ الجبل سے

اپنی کسی آرزو کا اظہار نہیں کرے گا آج تیری گفتگو ایک شاہی حدود کے دائرے میں رہے گی امام سوال کریں گے تو جواب دے گا تو سوال کرے گا امام جواب دیں گے یہ تمام گفتگو خالص سیاسی ہو گی اور بس۔

"میں سمجھ گیا اسرافیل" قیس نے سرہلایا جب تک صحیح وقت نہیں آئے گا میں امام سے اپنی آرزو بیان نہیں کروں گا؟"۔

اس وقت راہداری میں دوسری طرف سے دو آدمی آتے دکھائی دیئے۔

"امام کے ہرکارے تمہیں لینے کو آگئے اسرافیل نے قیس کو بتایا۔

"مگر انہیں ہمارے آنے کی خبر کس طرح ہو گئی؟" قیس نے تعجب کا اظہار کیا۔

"تیرا ایمان پھر ڈانواں ڈول ہوا" اسرافیل نے اسے ڈانٹا "میں تجھے بتا چکا ہوں کہ وہ لازوال' وہ قائم ہے (نعوذباللہ) بس جو لازوال اور قائم ہے وہ خبیر' بعید اور علیم بھی ہوتا ہے جو ہو رہا ہے جہاں بھی ہو رہا ہے اس پر اس کی نظر ہے جو ہونے والا ہے اس کی اسے خبر ہے اور جو دلوں میں ہے وہ اس سے واقف ہے جانتا ہے"۔

دونوں ہرکارے ان کے پاس پہنچے وہ خالی ہاتھ تھے صرف خنجر ان کی کمر میں لگے تھے وہ منہ سے کچھ نہ بولے بلکہ ان کے پاس آئے اور منہ گھما کر کھڑے ہو گئے۔

اسرافیل نے کہا۔

"ان کے پیچھے چلے جاؤ یہ تمہیں سیدنا کے دربار میں پہنچا دیں گے"۔

دونوں ہرکارے چلنے لگے اسرافیل کے اشارے پر قیس ان کے پیچھے روانہ ہو گیا۔

دونوں ہرکارے کئی راہداریاں دائیں بائیں گھومتے ہوئے ایک دروازے پر جا کھڑے ہوئے۔ پھر ان میں ایک ہرکارہ دائیں اور دوسرا بائیں طرف گھوم کے چلا گیا۔ قیس نے دروازے کو غور سے دیکھا۔ دروازہ اندر کی طرف کھلا ہوا تھا اور آگے کی طرف ایک حریری پردہ آویزاں تھا۔

قیس پریشان تھا کہ وہ کیا قدم اٹھائے کہ ایک پراسرار آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"قدم آگے بڑھاؤ۔ تمہارا آنا مبارک ہو قیس"۔

قیس چونکا مگر فوراً" سنبھلا اور حریری پردہ ایک طرف کھینچتے ہوئے اندر قدم رکھا۔ خوشبو کے ایک تیز جھونکے نے قیس پر بے خودی سی طاری کردی۔ وہ ایک بار سنبھلا۔ اس نے دیکھا کہ سامنے کی طرف ایک نیم تاریک یا خوابیدہ سا راستہ جارہا تھا اور راستے کے دونوں طرف زرق برق لباس میں دوشیزائیں گلدان اور عود دان لئے کھڑی تھیں جن سے خوشبو کے بھبکے نکل کر فضا کو عطر بیز کررہے تھے۔

"آگے قدم بڑھاؤ قیس"۔ دائیں طرف کھڑی ایک دوشیزہ نے سرگوشی کی۔

قیس جلدی سے چند قدم چل کے رک گیا۔

"اور آگے بڑھو قیس۔" دوسری طرف سے سرگوشی ہوئی۔

قیس کے سحرزدہ قدم نرم مخملی فرش پر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ وہ چند ہی قدم بڑھا تھا کہ دونوں طرف سے آوازیں بلند ہوئیں۔

"باادب با ملاحظہ ہوشیار"۔

"یہ دربار فرمانروائے قلوب عالم اسلام ہے۔

"رہبر ملت اسلامیہ ہے۔

"تاجدار اسلامیان عالم ہے۔

"مرکز تجلی طور ہے۔

"مقام ملاء اعلیٰ حضرت سیدنا شیخ الجبل حسن بن صباح الحمیری ہے۔

تجلی طور اور ملاء اعلیٰ کے نام پر قیس نے گھبرا کر آگے کی طرف دیکھا۔ اسے اپنے سامنے نور تجلی کا ایک ہالہ نظر آیا۔ یہ ہالہ ایک نورانی تخت پر جلوہ فگن تھا اور وہ تخت شفاف شیشے تراشے ہوئے پایوں پر رکھا تھا۔

قیس کچھ اور آگے بڑھا تو اسے اس نورانی ہالہ کے درمیان ایک نورانی چہرہ نظر ۔ سفید براق لانبی داڑھی' داڑھی کی طرح پلکیں اور بھویں بھی سفید تھیں۔ سر پر ید اوپر کو نوک نکلی ہوئی ٹوپی' سفید جبہ اور اس بزرگ کے ہاتھوں میں سفید ہی وتیوں کی تسبیح تھی جسے وہ آہستہ آہستہ پڑھ رہا تھا۔

قیس اتنا مرعوب ہوا' اتنا مرعوب ہوا کہ فوراً سجدہ ریز ہوگیا اور کہا۔

"اے تجلی طور۔ اے ملاء اعلیٰ مجھ پر رحم فرما"۔

اس نورانی چہرے نے تسبیح روکی اور فرمایا۔

"سر اٹھا اے ناقص انسان کہ ہمارے دربار میں سجدہ ممنوع ہے"۔

قیس نے سجدے سے سر اٹھایا اور سیدھا کھڑا ہوگیا۔

نورانی چہرے کے پھر لب ہلے۔

"اے سلطانی پیامبر۔ ان سوالوں کو دہرا جن کے جوابات حاصل کرنے کے لئے تیرے سلطان اور وزیر اعظم نے تجھے ہمارے حضور بھیجا ہے؟"

قیس کے ہاتھ پیر اس نورانی پیکر کے جمال و جلال کی تاب نہ لاکر کانپ رہے تھے۔ اس کپکپاتے ہونٹوں کو دبا کر اور آواز کو ٹھہرا کر کہا۔

"اے پیکر جمال اور تجلی طور۔ تو ہربات سے واقف ہے اور ہر سوال کا تجھے علم ہے۔ میں تیرے حضور سوال کرنے کی کیسے جرات کرسکتا ہوں"۔

"ہم تجھے حکم دیتے ہیں کہ تو اپنا فرض ادا کر اور ہر سوال مختصر طور پر پیش کر؟"

نورانی پیکر نے قیس کو حوصلہ دیا۔

"اے ظل سبحانی ---" قیس کی زبان سے اتنا ہی نکلا تھا کہ اس پر ڈانٹ پڑی۔

"او گستاخ قیس۔ تو ہمیں سایہ کہتا ہے جبکہ ہم مجسم نور ہیں"۔ پیکر نور نے

قیس کو اس زور سے ڈانٹا کہ اس کے پورے جسم میں لرزہ پیدا ہوگیا۔

واضح رہے کہ شاہی درباروں میں بادشاہ کو ظل سبحانی کہہ کر مخاطب کیا جاتا تھا۔

ظل سبحانی کے معنی خدا کا سائیہ۔

قیس خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔

"اے نور مجسم۔ اے پروردگار عالم (نعوذ باللہ) آپ کا خدا کون ہے؟"

نورانی پیکر نے جواب دیا۔

"اپنے سلطان کو باور کرانا کہ شیخ الجبل حسن بن صباح الحمیری کا خدا وہ ذات پاک ہے جس نے ان تمام عالموں کو پیدا کیا"۔

"آپ کس کی امت میں ہیں؟"

"امت محمدی۔ دین مبین"۔

"آپ کس آسمانی صحیفہ کے قائل ہیں؟"

"تمام آسمانی صحیفے تسلیم کر سب سے مکمل اور افضل کلام اللہ۔ کلام مجید ہے جو فرقان عظیم ہے"۔

"آپ کے دین اور عام مسلمانوں کے دین میں کیا فرق ہے"۔

"کوئی فرق نہیں۔ ایک خدا۔ ایک رسول' ایک کتاب' فرق کیسا؟"

"اے تجلی طور"۔ قیس نے گھبرا کے حسن بن صباح کو دیکھا۔ "جب ایک خدا۔ ایک رسول اور ایک کتاب کو آپ مانتے ہیں پھر یہ عام مسلمان میرا مطلب ہے کہ سلطان سلجوق اور وزیر اعظم نظام الملک آپ کے خلاف کیوں ہے آپ کے خلاف فوج کشی کیوں کرنا چاہتے ہیں؟"

"اے قیس اور اے ناقص انسان"۔ حسن بن صباح نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تسبیح کو ہوا بلند کرتے ہوئے کہا۔ "یہی نکتہ ہے جسے تجھے سمجھنا اور اپنے دل کو سمجھانا ہے۔ تیرے اس سوال سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تیرا رجحان ہمارے دین حق کی طرف ہے"۔

قیس نے بے چین ہوکے حسن بن صباح کی بات کاٹ دی اور بولا۔

"اے ملاء اعلیٰ' اے تجلی نور۔ میں آپ کا دین قبول کرتا ہوں۔ آپ مجھے اپنے فدائیوں میں داخل کرلیجئے۔ میں جنت میں ---"۔

اسی وقت حسن بن صباح نے ہاتھ کے اشارے سے قیس کو مزید بولنے سے

روک کے کہا۔

"اے ناقص انسان۔ ہمیں تیرے دل کا حال معلوم ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ تو اپنی جان آرزو شراری سے ملنے کے لئے بہت بے چین ہے۔ تیری شراری اپنی اعلیٰ صفات کی وجہ سے جنت والوں اور خود ہمیں بھی بہت عزیز ہے۔ ہم اسے اتنا عزیز رکھتے ہیں کہ اس کی خواہش پر ہم نے اسے "عالم رویا" (خواب) میں تجھ سے ملایا تھا"۔

"اے ملاء اعلیٰ۔ قیس بڑے بے چینی سے بولا۔ "میں وہی خواب ایک بار پھر دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے وہیں بھیج دیجئے"۔

"ہم تیری یہ آرزو ضرور پوری کریں گے"۔ حسن بن صباح نے قیس کو پوری طرح اپنے سحر میں گرفتار کرلیا تھا۔ "لیکن تجھے اس کے لئے کچھ دن اور انتظار کرنا پڑے گا۔ اس وقت ہمارے پیروکاروں پر ایک سخت وقت آیا ہے اور تیرا سلطان سلجوق کا پیغام لے کر ہمارے پاس آنا اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ہم دراصل سلطان سلجوق سے جنگ نہیں کرنا چاہتے۔ اس لئے تیرا یہ فرض ہے کہ تو واپس جا اور سلطان کو ہماری طرف سے مطمئن کر کہ قلعہ الموت کے خاموش مسلمانوں کو نہ چھیڑا جائے کیونکہ وہ سلطان کے معاملات میں کوئی دخل نہیں دیتے۔ اگر تو سلطان کو اس متوقع جنگ سے باز رکھنے میں کامیاب ہوگیا تو ہم تجھے واپس بلوا لیں گے اور تیرے معاملہ پر دوبارہ غور کریں گے"۔

قیس اس مبہم وعدے سے بہت خوش ہوا۔ اس نے کہا۔

"اے تجلی طور۔ مجھے اجازت دی جائے۔ میں اسی وقت اصفہان روانہ ہونا چاہتا ہوں"۔

"ٹھیک ہے۔ تم واپس جاسکتے ہو مگر اس وقت نہیں۔ تم بہت تھکے ہوئے ہو۔ آج کی شب آرام کرکے کل اپنے سفر پر روانہ ہوجانا"۔

وہ رات قیس نے حسن بن صباح کے مہمان خانہ میں گزاری۔ قیس اس مہمان خانہ کو دیکھ کے حیران رہ گیا۔ اصفہان کا شاہی مہمان خانہ اس کے مقابلہ پر کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا۔ مہمان خانہ کی تمام دیواریں چاندی کی اور چھت سونے سے بنائی گئی تھی۔ جس کے نقش و نگار میں ہیرے جواہرات جڑے گئے تھے۔ وہاں بچھی ہوئی مسہریوں اور کوچوں (چمڑے کے صوفے) کے پائے ٹھوس سونے کے تھے۔ کھڑکیوں اور دروازوں پر آویزاں پردوں کے اوپر جواہرات پروئی ہوئی جھالریں پڑی تھیں۔

یہاں کی ہر چیز دیکھ کے معلوم ہوتا تھا جیسے تمام دنیا کی دولت اس قلعہ میں سمٹ آئی ہے۔ مہمان خانہ کے ایک کونے میں شیشے کے اسٹینڈ پر "تجلی طور" کی ایک تصویر رکھی تھی۔ تصویر کے فریم میں بیش قیمت جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ قیس کو یوں محسوس ہوا جیسے یہ مہمان خانہ بھی اس جنت کا حصہ ہے جسے اس نے خواب میں دیکھا تھا۔

جنت کا خیال آتے ہی اسے شراری یاد آگئی۔ اور قیس کی بے چینیاں بڑھ گئیں۔ وہ سوچنے لگا۔ پتہ نہیں وہ شراری سے دوبارہ مل سکوں گا کہ نہیں۔ تجلی طور نے کہا تو تھا کہ اسے ضرورت پڑنے پر اصفہان سے بلا لیا جائے گا مگر تجلی طور کو اس کی کیا ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اس کے ملازموں اور مصاحبوں کی فوج موجود ہے۔

پھر قیس کو اک دم اصفہان کا خیال آیا۔ اسے سلطان اور نظام الملک پر سخت غصہ آنے لگا۔ نظام الملک نے سلطان کے حکم کے تحت اسے سفیر بنا کر قلعہ الموت بھیجا تھا مگر سوال یہ ہے کہ اسے یہاں کس لئے بھیجا گیا۔ کیا سلطان کو یہ نہیں معلوم کہ حسن بن صباح بھی اس کی طرح کا ایک سچا مسلمان ہے اور اصفہان والوں سے کہیں زیادہ متبرک اور پاکباز۔ تجلی طور حسن بن صباح نے صاف الفاظ میں میرے سامنے اقرار کیا ہے کہ وہ ایک اللہ' ایک رسول اور ایک کتاب کو مانتا ہے پھر جھگڑا کیسا اور اختلاف کا سبب کیا؟

قیس انہی خیالات میں غلطاں و پیچاں خوابوں کی آغوش میں پہنچ گیا۔ پتہ نہیں کہ وہ کتنی دیر سویا تھا کہ مہمان خانہ کے ناظم نے اسے جھنجھوڑ کر اٹھا دیا۔ قیس ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"قیس' باہر ملاء اعلیٰ کا ہرکارہ کھڑا ہے۔ انہوں نے تمہیں فوراً طلب کیا ہے"۔

"مجھے! یعنی قیس کو' قیس نے زیر لب کہا۔

اس وقت ناظم بولا۔

"کیا سوچ رہے ہو قیس' اٹھو اور فوراً تیار ہو کے ملاء اعلیٰ کے حضور پہنچ جاؤ"۔

قیس اٹھ کے کھڑا ہوگیا۔

"مجھے تیاری کیا کرنا ہے۔ دربار عالیہ میں طلبی ہوئی ہے تو میں سر کے بل جاؤں گا"۔

"اس طرح نہیں"۔ ناظم نے کہا "کم از کم منہ ہاتھ دھو کے جاؤ۔ جب لوگوں میں سے کسی کی دربار عالیہ میں طلبی ہوتی ہے تو ہم غسل کرتے ہیں۔ نئے کپڑے پہنتے ہیں اور خوشبوئیں لگا کر سلام کے لئے دربار عالیہ جاتے ہیں"۔

"پھر میرے لئے کیا حکم ہے ناظم؟"۔ قیس نے پوچھا۔ "کیا میں یعنی غسل کرکے کپڑے بدل لوں؟"۔

"نہیں قیس۔ تمہاری طلبی بے وقت ہوئی ہے"۔ ناظم نے اندازہ لگایا۔ "ضرور کوئی خاص بات ہے تم فوراً جاؤ"۔

قیس نے ہاتھ دھوئے۔ منہ پر پانی کا ایک چھپاکا مارا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ ناظم اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ باہر ایک زریں کمر غلام کھڑا تھا۔

ناظم نے اسے بتایا۔

"مہمان خانہ میں قیس نام کا یہی شخص موجود ہے"۔

غلام نے فوراً سر جھکا کر اسے تعظیم پیش کی۔

"مبارک ہے وہ مہمان جسے ملاء اعلیٰ خود طلب فرمائیں"۔

قیس نے سوال و جواب سے پرہیز کیا اور غلام کے ساتھ روانہ ہوا۔

قیس دربار میں پہنچا تو پورا دربار بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ وہاں اس قدر روشنی تھی کہ شام پر دن کا شبہ ہوتا تھا۔ تجلی طور' ملاء اعلیٰ اپنے شام ہی کے لباس میں بے چینی کے عالم میں ٹہل رہا تھا اور ایک درجن سے زیادہ لوگ دو قطاریں بنائے کھڑے تھے جن کے درمیان حسن بن صباح پریشانی کے عالم میں تیز تیز قدموں سے اس سرے سے اس سرے تک آجا رہا تھا۔

قیس داخل ہوا تو ایک شخص نے قدم بڑھا کر حسن بن صباح سے سرگوشی کی۔

"ملاء اعلیٰ۔ قیس آگیا ہے"۔

حسن بن صباح کے قدم رک گئے۔ اس نے پہلے سامنے کی طرف دیکھا تو اسے قیس نظر نہ آیا پھر اس نے پلٹ کے دیکھا تو قیس اسے دوسرے سرے پر کھڑا ہوا نظر آیا۔

"ہمارے قریب آؤ قیس۔ تمہارا آنا مبارک ہو"۔ حسن بن صباح نے بڑے پیار سے کہا۔

قیس کے کانوں میں تجلی طور کی رس گھولتی آواز پہنچی تو اس نے حیران نظروں سے اسے دیکھا پھر قدم بڑھاتے ہوئے بولا۔

"اے تجلی طور۔ خوش قسمت ہے وہ ہستی جسے آپ کی خدمت کا موقعہ حاصل ہو۔ میں تو آپ کے پیروں میں ہمیشہ رہنا چاہتا ہوں"۔

"ہم خوش ہوئے تمہاری بات سے"۔ حسن بن صباح نے قریب پہنچ کے قیس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "کیا تم نے یہ خواہش نہیں کی تھی کہ تمہیں فدائیوں کی صف میں داخل کرلیا جائے؟"

"کاش ایسا ہوجائے اے تجلی طور"۔ قیس پرمسرت لہجے میں بولا۔ "فدائی بننا میری خواہش تھی۔ اس وقت بھی ہے اور اس وقت تک رہے گی جب تک میں

فدائیوں کی صف میں داخل نہیں ہوجاتا"۔

"اچھا تو پھر خوش ہوجاؤ قیس"۔ حسن بن صباح نے بھی مسرت کا اظہار کیا۔

"ہم تمہاری خواہش آج پوری کررہے ہیں"۔

"اے تجلی طور -- اے ملاء اعلیٰ میرے پاس شکریہ کے الفاظ نہیں"۔ قیس بے تابانہ چیخ پڑا۔

حسن بن صباح نے قطار باندھے کھڑے سرداروں میں سے ایک کو اشارہ کیا۔

وہ اپنی صف سے دو قدم پیچھے ہٹا اور ایک طرف چل پڑا پھر چند لمحوں بعد وہ سردار ایک غلام کے ساتھ واپس آیا۔ غلام کے سر پر سونے کا تھال تھا اور اس کے اوپر زرنگار خواں پوش ڈھکا تھا۔ اس وقت حسن بن صباح ایک سونے کی چوکی پر بیٹھا جو اس کے لئے لاکے رکھی گئی تھی۔ قیس کے پاس ایک چاندی کی چوکی رکھی گئی تھی۔ حسن بن صباح کا اشارہ پاکر وہ بھی چوکی پر بیٹھ گیا۔ غلام سونے کا تھال لئے دو زانوں ہوکے حسن بن صباح کی دائیں جانب بیٹھ گیا۔

قیس کی کمر میں تلوار بندھی تھی۔ حسن بن صباح نے تلوار الگ کرتے ہوئے کہا۔

"ہمارے فدائین تلوار نہیں باندھا کرتے"۔

اس کے ساتھ ہی حسن بن صباح نے خوان پوش الٹ کر تھال میں رکھا ہوا خنجر اٹھایا اور اسے قیس کی کمر میں لگا دیا۔

"قیس اب تم قلعہ الموت کے سپاہی ہو۔ صباحیوں کی فوج کے سب سے زیادہ بہادر اور جاں باز سپاہی' یعنی بے دین مسلمانوں کے مقابلہ پر خنجر بردار فدائی"۔

"المدد اللہ' اے ملاء اعلیٰ"۔ اور قیس نے چوکی پر بیٹھے بیٹھے اپنا سر گھٹنوں پر رکھ کر حسن بن صباح کو سجدہ کیا۔

حسن بن صباح نے رعب دار آواز میں حکم دیا۔

"تخلیہ"۔

تمام سردار بڑی تیزی سے مگر نظم و ضبط کے ساتھ آگے پیچھے دربار سے

رخصت ہوگئے۔

جب بالکل تنہائی اور خاموشی ہوگئی تو حسن بن صباح نے کہا۔

"قیس کھڑا ہو جا تاکہ میں آج تجھے پاک کردوں"۔

قیس حکم سن کے فوراً" کھڑا ہوگیا۔ حسن بن صباح نے جو پہلے ہی کھڑا ہوگیا تھا قیس کے سینے پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کے اس نے تین بار --

قیس پاک کیا گیا
قیس پاک کیا گیا
قیس پاک کیا گیا

پھر اس ہاتھ کو قیس کے سر پر رکھ کے بولا۔

"ہم قیس کے تمام اعمال کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں اور اسے تمام مذہبی علائق' فرائض اور پابندیوں سے آزاد کرتے ہیں۔ اس کا ہر قدم ہمارا قدم اور ہر عمل ہمارا عمل ہوگا"۔

قیس تمام باتیں مودب کھڑا دیکھتا اور سنتا رہا۔ جب حسن بن صباح خاموش ہوا تو اس کے بے چین دل نے اس سے سوال کرایا۔

"اے ملاء اعلیٰ۔ کیا اب میں اپنی شراری سے ملاقات کرسکوں گا؟"

"بے شک تو شراری سے ضرور ملے گا"۔ حسن بن صباح نے پر یقین لہجے میں قیس کو یقین دلایا۔ "لیکن پہلے ہمیں اور تجھے اپنے ان دشمنوں کو ٹھکانے لگانا پڑے گا جو ہمارے دروازے پر دستک دے رہے ہیں"۔

"میں انہیں ضرور ٹھکانے لگاؤں گا اے تجلی طور"۔ قیس بڑی مستعدی سے بولا۔ "آپ اس کا نام بتائیے اور مجھے حکم دیجئے۔ میں اسے موت کے گھاٹ اتاردوں گا"۔

حسن بن صباح نے بھاری آواز میں کہا۔

"قیس آج ہم تیری نظروں کے سامنے سے وہ تمام پردے اٹھاتے ہیں جنہوں نے تجھے اندھا، گونگا اور بہرا بنا رکھا ہے۔ سب سے پہلے تجھے تیری شراری کے قاتل کا نام بتایا جاتا ہے"۔

"شراری کا قاتل؟" قیس نے بے ساختہ دہرایا۔ "کس نے میری شراری کو قتل کیا اور اس نے میرا گھر اجاڑا تھا۔۔؟"

قیس بے قابو ہوگیا۔ حسن بن صباح نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"صبر کر قیس صبر۔ تو ابھی سے بے قابو ہوا جارہا ہے۔ تجھے تو بہت کچھ سننا ہے ابھی"۔

قیس نے خود پر قابو پاکے سر جھکا لیا۔

"فرمایئے ملائے اعلیٰ۔ میں بالکل پرسکون ہوں"۔

حسن بن صباح نے انکشاف کیا۔

"تیرا آقا خواجہ نظام الملک طوسی، سلطنت سلجوق کا وزیر اعظم بننے کے بعد اپنی اوقات بھول گیا ہے۔ نظام الملک اور اس کا پورا خاندان سلجوقیوں کی سلطنت کو دیمک کی طرح چاٹے جارہے ہیں۔ اس کے بیٹوں نے تمام زرخیز علاقوں کو آپس میں تقسیم کرلیا ہے نواسے اور پوتے بڑے بڑے شہروں پر قابض ہوگئے"۔

حسن بن صباح نے رک کے قیس کو دیکھا۔ وہ خاموش آنکھیں بند کئے کھڑا تھا۔ حسن بن صباح کو شبہ ہوا کہ کہیں قیس کھڑے کھڑے سو تو نہیں رہا ہے چنانچہ اس نے قہر آلود لہجے میں کہا۔

"قیس تو سو رہا ہے اور ہم سیاست اور ملک گیری کی گتھیاں سلجھا رہے ہیں۔ افسوس ہے تجھ پر"۔

"ملا؟ اعلیٰ۔ میں توہمہ تن گوش ہوں"۔ قیس نے جواب دیا۔ "کیا میں اس قدر بدبخت ہوں کہ آپ کی گفتگو کے دوران سو جاؤں۔ میں آپ کے انکشافات کے ایک ایک لفظ پر غور کررہا ہوں۔ دراصل اب میری آنکھیں کھلتی جارہی ہیں

اور غفلت کی نیند ختم ہورہی ہے"۔

"شاباش قیس۔ اب تمہارا نفس ختم ہوتا جارہا ہے"۔ حسن بن صباح نے خوش ہوکر پھر بولنا شروع کردیا۔ "ہاں تمہیں بتا رہے تھے کہ نظام الملک طوسی سلجوق سلطنت کو لوٹ لوٹ کے اپنے گھر بھر رہے ہیں مگر اب زیادہ دن نہیں چل سکتا۔ سلطان ملک شاہ کی چھوٹی بیگم ترکان خاتون تمہارے وزیراعظم سے سخت بیزار ہے۔ اس نے کئی بار وزیراعظم کی شکایت کی مگر سلطان ہر بار ٹال گیا۔۔"۔

"میرے لئے کیا حکم ہے ملاء اعلیٰ" قیس نے اکتائے ہوئے کہا۔ "اب میں آپ کا فدائی ہوں۔ مجھے نہ سلطان سے کوئی غرض ہے اور نہ وزیر سے کوئی لالچ۔ میں تو صرف آپ کے قدموں میں رہنا چاہتا ہوں"۔

"فکر مت کر قیس۔ ہم تجھے پہلے ہی قبول کرچکے ہیں"۔ حسن بن صباح نے اس کے اطمینان کے لئے کہا۔ "اس لئے ضروری ہے کہ تجھے ان حالات سے ضرور آگاہ کردیا جائے جن حالات سے تجھے سابقہ پڑنے والا ہے۔ مگر تو ہماری بات قطع کرنے کی کوشش نہ کر؟"

"میری گستاخی معاف فرمائی جائے ملا اعلیٰ"۔ قیس نے بڑی لجاجت سے کہا۔ "میں آپ کی باتوں کے دوران قطعی نہیں بولوں گا"۔

حسن بن صباح نے پھر کہنا شروع کیا۔

"ہم تجھے بتاتے ہیں کہ تیری شادی کے دن جو ہنگامہ اور قتل و غارت گری ہوئی تھی وہ نہ تو ڈکیتی تھی اور نہ ڈاکوؤں کا چھاپہ بلکہ ایک گہری سازش تھی"۔

"سازش!!" قیس چونک پڑا۔ "کیسی سازش۔ کس کی سازش اے ملاء اعلیٰ؟
"

حسن بن صباح نے بتایا۔

"وہ سازش تیرے آقا خواجہ نظام الملک طوسی اور اس کے پوتے عثمان بن جمال نے مل کے تیار کی تھی۔ عثمان بن جمال کو مرو کے کوتوال "تودن" سے سخت نفرت تھی کیونکہ سلطان ملک شاہ کا خاص غلام تھا اور عثمان کو یہ شبہ تھا کہ تودن

اس کے خلاف سلطان سے خفیہ خط و کتابت کرتا ہے۔ چنانچہ عثمان بن جمال نے اپنے ایک بااعتماد دستہ کو تیری بارات میں غدر مچانے کا حکم دیا۔ اس حکم میں دو باتیں بہت اہم تھیں۔ ایک تو یہ کہ تیری یعنی قیس کی ہونے والی دلہن کو قتل کردیا جائے تاکہ جب عثمان بن جلال اس ڈکیتی کی اطلاع سلطان کو بھجوائے تو اس میں تیری گواہی شامل ہو "۔

قیس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے سرہلاتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو یہ کمینی حرکت عثمان کی تھی۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا "۔

"تحمل سے کام لے قیس "۔حسن بن صباح نے کہا۔ "تو نے ہماری بات کاٹنے کی پھر کوشش کی ہے "۔

"معافی۔ معافی۔ رحم رحم اے ملائے اعلیٰ ۔ اے تجلی طور "۔ قیس نے حسن بن صباح کے پیروں میں گرنے کی کوشش کی مگر حسن نے اسے روک دیا۔

"ہماری باتوں کو توجہ سے سن اس لئے کہ تجھے ہی اس کا تدارک کرنا ہوگا"۔

حسن بن صباح نے اسے تاکید کی۔ "تیری شراری بظاہر عثمان بن جمال کے حکم سے قتل کی گئی لیکن اصل قاتل عثمان نہیں بلکہ اس کا دادا وزیر اعظم نظام الملک ہے۔ یہ منصوبہ بنایا ہوا ہی نظام الملک کا ہے۔ اسے قودن سے خاص پرخاش ہے۔ پس تیرے آقا نظام الملک نے ایک تیر سے دو شکار کئے۔ ایک طرف تو اس نے اپنے پوتے کی حکمرانی کو مضبوط اور محفوظ کرنے کے لئے بارات کا ہنگامہ کھڑا کرکے اس کا سارا الزام قودن پر لگوا دیا اور دوسری بات یہ ہوئی عثمان بن جمال نے تیری شراری کو قتل کرا کے تجھے قودن کے بھی خلاف کردیا تاکہ تجھے سلطان کے سامنے ایک گواہ کی حیثیت سے پیش کیا جائے "۔

قیس یہ باتیں سن کے سناٹے میں آگیا۔ حسن بن صباح نے تھوڑی دیر اس سے کوئی گفتگو نہیں کی تاکہ تمام واقعات پر قیس غور کرسکے اور اس کے دل میں نظام الملک اور اس کے پوتے عثمان بن جمال کے لئے نفرت کی ایسی آگ بھڑک اٹھے کہ وہ خود ہی ان دونوں کو قتل کرنے پر آمادہ ہوجائے۔

حسن بن صباح کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔

"قیس ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اب تو اصفہان نہیں جائے گا کیونکہ ہم چاہتے تھے کہ تو اصفہان جاکر نظام الملک کو ہماری طرف سے مطمئن کردے کہ قلعہ الموت کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے مگر اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی "۔

قیس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ اور وہ حیران ہوکے حسن بن صباح کا منہ دیکھنے لگا۔

حسن بن صباح نے قیس کو حیران دیکھا تو خود ہی بتایا۔

"تو پریشان یا حیران نہ ہو قیس۔ ہم نے یہ فیصلہ اس لئے کیا ہے کہ سلجوق لشکر نے ہمیں اور ہمارے دین کو یعنی تیرے دین کو مٹانے کے لئے ہم پر حملہ کردیا ہے۔ سلطان لشکر نے ہمارے تمام علاقے کو اپنے گھیرے میں لے لیا ہے "۔

"پھر پھر۔ ملائی اعلیٰ ۔۔ " قیس کہتے کہتے رک گیا کہ ملاء اعلیٰ نے اسے درمیان دخل نہ دینے کا حکم دیا تھا۔

"قیس "۔ حسن بن صباح نے کہا۔ "ہم جانتے ہیں کہ تو اس خبر سے پریشان ہوا ہے اور یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ ہم اس سلسلہ میں کیا قدم اٹھا رہے ہیں۔ تجھے اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارا قلعہ ناقابل تسخیر ہے اور ہمیشہ ناقابل تسخیر رہے گا مگر ہمیں اطلاع دی گئی ہے کہ سلطان ملک شاہ ہمارے خلاف فوج کشی پر تیار نہیں تھا مگر تیرے آقا نظام الملک نے سلطان ملک شاہ کو مجبور کرکے ہم پر حملہ کی اجازت حاصل کی ہے۔ اب جو کچھ بھی ہمارے خلاف ہورہا ہے۔ یہ سب نظام الملک کا کیا دھرا ہے۔ مگر وہ نہیں جانتا کہ ہم اور ہمارا دین برحق ہے اسے کوئی نہیں مٹا سکتا بلکہ ہمیں مٹانے کاارادہ کرنے والا خود ہی اس دنیا سے مٹ جائے گا "۔

حسن بن صباح نے آخری جملہ اتنے جوش اور غصہ سے کہا اس کے ہونٹ جملہ ادا کرنے کے بعد بھی مرتعش اور حرکت کرتے رہے۔

"بے شک۔ بے شک"۔ قیس کی زبان سے نکل گیا۔ "نظام الملک اس قابل ہے کہ اسے مٹا دیا جائے"۔

"تو کیا تو بھی یہی چاہتا ہے کہ نظام الملک یعنی تیرا آقا اس دنیا سے ناپید ہوجائے؟" حسن بن صباح نے اسی غصہ کے عالم میں قیس سے سوال کیا۔

قیس فوراً بولا۔

" اے تجلی طور۔ اے ملاء اعلیٰ - میں ہی کیا۔ ہر دیندار کی یہی خواہش ہوگی کہ بدبخت اور بے دین نظام الملک کو فوراً قید زندگی سے آزاد کردیا جائے اور اگر اس خدمت کا اعزاز مجھے بخشا جائے تو میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا"۔

" تو --- تو قیس تو ---" حسن بن صباح نے قیس کو گھورتے ہوئے کہا۔ " مگر تو نے یہ بھی سوچا کہ نظام الملک تیرا آقا تھا۔ اس نے تجھ پر مہربانیاں کی ہوں گی۔ کہیں اس پر خنجر اٹھاتے ہوئے تیرا ہاتھ کانپ تو نہیں جائے گا"۔

"اے تجلی طور۔ دینی فرض ادا کرنے میں بزدل کے قدم ڈگمگاتے اور ہاتھ کانپتے ہیں۔ قیس بزدل نہیں۔ پھر اب تو اس پر ملاء اعلیٰ کا سایہ ہے"۔ قیس نے بھی بڑے خلوص سے اپنی خدمات پیش کردیں۔

حسن بن صباح نے بھی فوراً ہی فیصلہ کردیا۔ وہ بولا۔

"ٹھیک ہے قیس۔ ہم نے تیری کمر میں خنجر باندھا تھا تاکہ تیرا امتحان لیا جاسکے تو اس کا موقعہ فوراً ہی آگیا۔ جا ہماری دعائیں تیرے ساتھ ہیں۔ تو شاد کام ہوکے واپس آ تو ہم تیری شراری کی وہ درخواست بھی قبول کریں جو وہ ہر روز ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔ شراری تیری ہے۔ ہم نے اسے تیرے لئے محفوظ کردیا ہے اور وہ تجھے عطا کردی جائے گی"۔

قیس کا دل چاہا کہ وہ حسن بن صباح سے دریافت کرے کہ اس کی شراری اسے کب ملے گی مگر اس نے خاموش رہنا بہتر خیال کیا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس آزمائش کے بعد ملاء اعلیٰ سے شراری کے حصول کی درخواست کرے گا۔

قلعہ الموت کوئی چھوٹا سا قلعہ نہ تھا بلکہ اندر ہی اندر یہ کئی میل تک پھیلا

ہوا تھا۔ جہاں پر قلعہ الموت کی حدیں ختم ہوتی تھیں وہاں سے خفیہ راستے تھے جو دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ تھے مگر حسن بن صباح کے پیروکار ان راستوں کو کام میں لاتے ہوئے ان دوسرے قلعوں تک پہنچ جاتے تھے جو حسن بن صباح ہی کے آدمیوں کے قبضے میں تھے۔ اس طرح ایک کے بعد ایک قلعہ کی ایک زنجیر تقریباً" ایک سو میل تک بنتی چلی گئی تھی۔ جس کے زور پر حسن بن صباح اپنے خنجر بردار فدائیوں کے ساتھ قلعہ الموت میں بے خوف و خطر بیٹھا تھا اور اس کے کارکن یعنی داعی۔ رفیق اور سب سے خطرناک گروہ فدائین قرب و جوار کے تمام علاقوں میں طوفان برپا کئے ہوئے تھا۔

قیس کو بھی حسن بن صباح نے اپنی دعاؤں کے ساتھ انہی خفیہ راستوں سے قلعہ الموت سے باہر بھجوایا پھر اسے ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار کرا کے اصفہان بھیج دیا گیا۔

قلعہ الموت سے نکلتے ہی قیس کو شراری کی یاد نے گھیر لیا تھا بلکہ اس یاد نے اسے اپنے گھیرے میں اسی وقت لے لیا تھا جب حسن بن صباح نے قیس کی کمر میں خنجر لگا کر اسے "فدائی" کا درجہ دیا تھا۔ پھر اسے اس خنجر کو استعمال کرنے کا حکم بھی دیا گیا اور وہ اس حکم کی تعمیل میں بھاگم بھاگ اصفہان کی طرف اڑا چلا جارہا تھا۔

قلعہ الموت سے اصفہان پہنچنے تک قیس نے کہاں کہاں پڑاؤ کیا' کس کس کو ملا اور کیا کھایا پیا' ان باتوں میں سے اسے کوئی بات یاد نہ تھی۔ ہاں اگر اسے کچھ یاد تھا تو وہ شراری کی یاد تھی یا پھر مختلف کارواں سراؤں میں قیام کے دوران کچھ اجنبی لوگوں کا اسے سلام کرنا اور مبارک باد دینا تھا۔ جب وہ کسی سرائے میں ٹھہرتا تو وہ کبھی ایک' کبھی دو اور کبھی کبھی چار چار اجنبی اس کے پاس اور بڑے ادب سے کہتے۔

"سلام ہو اس مبارک شخص پر جسے ملاء اعلیٰ نے خود اپنے ہاتھوں سے فدائی بنایا"۔

قیس ابھی تک شراری کی یادوں میں کھویا ہوا تھا اس لئے اس سلام و مبارک پر غور نہیں کرسکا تھا مگر جب اس کا گھوڑا دارالسلطنت اصفہان کی "فصیل شہر" میں داخل ہوا تو اسے اک دم ہوش آیا۔ اس نے فوراً اپنا گھوڑا روکا۔ کچھ دیر سوچتا رہا پھر اصفہان کی سب سے بڑی کارواں سرائے میں جاپہنچا۔ یہ بہت بڑی سرائے تھی۔ بیک وقت دس دس تجارتی قافلے وہاں ٹھہرتے اور اسی قدر وہاں سے شمال و جنوب اور مشرق و مغرب کو روانہ ہوجاتے تھے۔

قیس کو اتنا تو ہوش آہی گیا تھا کہ وہ اب نظام الملک کا غلام نہیں بلکہ فرمانروا ہے۔ قلعہ الموت کے ملاء اعلیٰ کا فدائی ہے اور اسے اپنے آقا اور ولی نعمت کے سینے میں احسان فراموشی اور بے وفائی کا خنجر اتارنا ہے۔ جس کا انعام اسے جنت میں داخلہ کا پروانہ ملنا تھا۔ قیس کوبتایا گیا تھا اور یہ بات اس کے دل میں بیٹھ گئی تھی یا بٹھا دی گئی تھی کہ اسے بہرصورت نظام الملک کا خاتمہ کرنا ہے کیونکہ نظام الملک کا قتل ہی اس کے جنت میں جانے کی ضمانت تھی۔

قیس یہ بھی جانتا تھا کہ اگر وہ نظام الملک کا خاتمہ کرنے میں کامیاب ہوگیا تو اس کے قتل ہونے یا بھاگ نکلنے‘ دونوں صورتوں میں وہ جنت میں پہنچ جائے گا۔ وہ اگر قتل کرنے کے بعد جان بچانے کے لئے بھاگ نکلا تو وہ سیدھا قلعہ الموت جائے گا اور پکڑے جانے پر پھانسی پر چڑھنے یا قتل کئے جانے کے بعد بھی وہ تجلی طور اور ملاء اعلیٰ کے کہنے کے مطابق اسے جنت میں پہنچا دیا جائے گا تاکہ وہ شراری کے وصل سے شاد کام ہوسکے۔

سرائے میں وہ اس لئے بھی ٹھہرا تھا کہ وہ اصفہان کے اس وقت کے حالات سے پوری طرح واقف ہوسکے اور اس کے مطابق نظام الملک کے حضور پیش ہوکے گفتگو کرے۔ سرائے میں داخل ہونے کے ایک ہی گھنٹے بعد قیس کو معلوم ہوگیا کہ نظام الملک کو وزارت سے معزول کردیا گیا ۔ مگر اس کی تمام مراعات برقرار ہیں۔

وہ دربار جاتا ہے اور سلطان کے صلاح مشورے میں بھی شریک ہوتا ہے۔ قیس کے لئے سب سے اہم خبر یہ تھی کہ سلطان بغداد جارہا ہے اور اس کے اس سفر میں نظام الملک اس کے ساتھ ہوگا۔

خواجہ نظام الملک طوسی کی معزولی کے اسباب میں دو باتیں زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ پہلی بات تو نظام الملک اور سلطان ملک شاہ کی ملکہ توران خاتون کے درمیان اختلاف اور دوسری بات نظام الملک کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی اقربا پروری۔ ملکہ ترکان خاتون رات دن سلطان کے کان بھرتی رہتی تھی اور اسے معزول کرکے اپنے وزیر تاج الدولہ کو وزیر اعظم بنانے کی فکر میں لگی رہتی تھی۔

مگر خواجہ نظام الملک طوسی کے سلطنت سلجوق اور خاص کر ملک شاہ پر اس قدر احسانات تھے کہ سلطان ملک شاہ سب کچھ سننے اور دیکھنے کے باوجود وزیر اعظم نظام الملک کے خلاف کوئی قدم اٹھانے پر تیار نہ تھا۔ جب بھی کوئی موقعہ آتا تو ملک شاہ کے سامنے نظام الملک کی وہ تمام سنہری خدمات آکے کھڑی ہوجاتیں جو اس نے سلجوق خاندان کے سلسلہ میں انجام دی تھیں۔

خواجہ نظام الملک نے صرف ملک شاہ کو سلطان بنوانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا بلکہ اس نے سلطان کے باپ دادا کی بھی بے پناہ خدمات انجام دی تھیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ نظام الملک کا پورا نام ابو علی حسن بن علی المتلقب بہ اتابک نظام الملک رضی امیر المومنین ہے۔ اس کا باپ علی‘ طوس کا ایک معمولی سا زمیندار تھا۔ اس کی پیدائش ۴۰۸ ہجری میں ہوئی۔ اس نے اور اس کے دو ساتھیوں یعنی عمرو خیام و حسن بن صباح نے ایک غیراہم مدرسہ میں ایک ساتھ تعلیم حاصل کی اور ان تینوں دوستوں نے اپنے اپنے ذہن و ذوق کے مطابق دنیا میں بڑا نام پیدا کیا ۔

نظام الملک حافظ قرآن تھا۔ صرف سات سال کی عمر میں وہ حافظ ہوگیا تھا اور نوعمری ہی میں وہ فقہ‘ حدیث‘ ریاضی اور جملہ مروجہ علوم میں کامل ہوگیا تھا۔ وہ نہایت محنتی اور ذہین تھا۔ ابو علی شاذاں والی بلخ کے دربار سے منسلک ہوا پھر اس

علی کے رویے سے دلبرداشتہ ہوکر جعفر بن داؤد کے پاس مرو چلا گیا۔ جعفر نے نظام میں چھپی ہوئی خوبیوں کو بھانپ لیا اور اسے اپنے بیٹے الپ ارسلان کا کاتب مقرر کردیا۔

نظام الملک نے اپنی محنت' خدمت اور ذہانت سے الپ ارسلان کے دل میں ایسی جگہ پیدا کی جب الپ ارسلان تخت نشین ہوا تو اس نے قلمدان وزارت نظام الملک کو عطا کیا۔ الپ ارسلان کے بعد جب ملک شاہ تخت نشین ہوا تو الپ ارسلان کے بھانجے قاروت بک نے ملک شاہ کو بادشاہ تسلیم نہ کیا اور فوج لے کے مقابلہ پر آگیا۔ اس وقت نظام الملک ہی کی کوششوں اور تدبیروں سے قاروت بک کے خلاف ملک شاہ کو کامیابی حاصل ہوئی اور ملک شاہ نے اس کے صلہ میں نظام الملک کو نہ صرف وزارت کا منصب عطا کیا بلکہ سلطنت کا مختار کل بنا دیا۔ یہی وہ خدمات تھیں جن کی بنا پر ملک شاہ' نظام الملک کی اقربا پروری کو برداشت کرتا اور خاموش ہوجایا کرتا تھا۔

مگر مثل مشہور ہے کہ کہنے سننے سے دیواریں بھی ہل جاتی تھیں چنانچہ ملکہ ترکان خاتون کے روز کے طعنوں تشنوں اور ملک شاہ کے غلام قودون جو مرو کی کوتوالی چھوڑ کے اصفہان آگیا تھا اور وہ بھی موقع بے موقع سلطان کو نظام الملک کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا۔ آخر سلطان انسان ہی تھا اسے بھی ایک دن جلال آگیا نظام الملک کا وہی انجام ہوا جو خلافت میں عباس کے برامکہ خاندان کا ہوا تھا۔

یہ واقعہ مختلف تواریخ میں مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ ان سب بیانات کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دن جب سلطان کو نظام الملک پر بہت غصہ آیا تو اس نے اپنے امیروں کے ذریعہ نظام الملک کو ایک تفصیلی پیغام بھیجا جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے۔

"اگر تم سلطنت اور حکومت میں میرے شریک بھی ہو تو بھی تمہیں کسی نہ کسی اصول کا پابند ہونا پڑے گا اور اگر ماتحت ہو تو ماتحتی کی حدود کا لحاظ کرنا ہوگا۔ تمہاری اولاد نے میری بڑی

بڑی ولایتوں پر قبضہ کررکھا ہے اور سیاست ملکی کے اصولوں کو توڑ کر خودسری اور مطلق العنانی کرنا چاہتے ہیں"۔

تاریخ بتاتی ہے کہ نظام الملک کو بھی غصہ آگیا اور اس نے پیغام لانے والے امراء کو کچھ اس طرح جواب دیا۔

"سلطان اگر اب تک نہیں معلوم تھا تو اب معلوم ہونا چاہیے کہ میں حکومت میں اس کا شریک ہوں۔ اس کو میری ہی تدبیروں سے تخت و تاج ملا۔ وہ بھول گیا کہ اس کے والد کے بعد میں نے مخالف قوتوں کو ختم کیا اور اس کے لئے میدان صاف کیا تھا۔ اس وقت اس نے میرے کسی کام کی مخالفت نہیں کی اور مجھ سے چمٹا رہا اور اب جبکہ جملہ مخالفین ختم ہوچکی ہیں اس کا مدمقابل کوئی نہیں رہا اور دور و نزدیک کے تمام ممالک اس کے قبضہ اقتدار میں آگئے ہیں تو اس وقت میرے گناہ گنواتا اور دوسروں سے میری چغلی سنتا ہے۔ اس سے جاکر کہہ دو کہ اس کا تاج سلطنت میرے قلمدان وزارت سے وابستہ ہے۔ جب یہ الٹے گا تو تاج بھی باقی نہ رہے گا۔ اس بارے میں اسے سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیے"۔

سلطان ملک شاہ کا پیغام اگر سخت تھا تو نظام الملک کا جواب اس سے سخت تر بلکہ سخت ترین تھا۔ نظام الملک کہنے کو تو سب کچھ بک گیا مگر فوراً ہی اپنی غلطی کا خیال آیا۔ اس وقت تک پیغام لانے والے امراء خاموش بیٹھے اس کے غم و غصہ میں ڈوبے ہوئے جملے سنتے رہے۔ انہیں تعجب تھا کہ نظام الملک جیسا جہاندیدہ انسان غصہ میں اس قدر بے قابو کیسے ہوگیا ہے۔

نظام الملک کو ہوش آتے ہی اپنی حماقت اور بکواس پر افسوس ہوا اور فوراً معذرت کے انداز میں کہا۔

"سلطان کے نشتروں سے مجھے تکلیف پہنچی تھی۔ اس لئے غم و غصہ کے عالم

میں ایسے ناروا الفاظ زبان سے نکل گئے۔ آپ لوگوں کو اختیار ہے جس طرح چاہیں سلطان سے جاکے کہہ دیجئے"۔

نظام الملک امراء کے ساتھ عام طور سے اچھا سلوک کرتا اور ان کی ضرورتوں کا خیال رکھتا تھا۔ یہ امیر بھی اس کے ممنون احسان تھے اس لئے انہوں نے سلطان کے پاس جاکے رفع شر کے لئے نظام الملک کی طرف سے معذرت پیش کی اور آئندہ وفاداری اور اطاعت شعاری کا اظہار کیا مگر نظام الملک کی بدقسمتی کہ ان میں سے ایک وزیر جس کا نام بلیرو بتایا گیا ہے' نے بھانڈا پھوڑ دیا اور سلطان کو نظام الملک کے اصل جواب سے آگاہ کردیا۔

سلطان اس وقت ملکہ ترکان خاتون کے محل میں تھا اس لئے ملکہ ترکان نے جو پس پردہ بیٹھی تھی' نظام الملک کا اصل جواب سنا تو بھڑک اٹھی اور سلطان سے اس قدر لڑی جھگڑی کہ سلطان کو مجبور ہوکے نظام الملک کو معزول کرنا پڑا۔ پھر تو ملکہ ترکان خاتون کی چاندی ہوگئی اس نے فورا" وزارت کے لئے اپنے وزیر تاج الدین ابوالقاسم کا نام پیش کیا اور سلطان نے اسے وزیر اعظم مقرر کردیا۔

یہ خیال رہے کہ ملکہ ترکان خاتون کے وزیر کا نام تاج الدولہ' تاج الملک اور تاج الدین ابوالقاسم بیان کیا گیا ہے۔ دراصل یہ تینوں نام ایک ہی شخص کے ہیں۔

نظام الملک کے وزارت سے ہٹ جانے کے بعد ہی قیس' اصفہان پہنچا تھا اور اسے اصفہان کی سرائے میں نظام الملک کی معزولی کی خبر ملی تھی۔ قیس کو نظام الملک کی معزولی یا وزارت سے اب کوئی دلچسپی نہ رہی تھی اسے تو اپنا کام کرکے ملاء اعلیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا تھی تاکہ وہ اس سے جنت میں جانے کی درخواست کرسکے۔ یہ ضرور ہوا کہ قیس نے معزولی کی خبر سن کر اپنے منصوبہ میں کچھ تبدیلی کی تاکہ وہ نظام الملک کو اس وقت قتل کرے جب اس کے پکڑے جانے کا کم از کم امکان ہو۔

پس قیس کے لئے حالات نے وہ موقعہ مہیا کردیا جس کی وہ تلاش میں تھا۔

تاریخ نے اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہے۔

"رمضان ۴۸۵ ہجری میں سلطان ملک شاہ نے بغداد کا سفر اختیار کیا۔ نظام الملک بھی ہمرکاب تھا۔ نہاوند کے قریب منزل ہوئی۔ نظام الملک افطار کے بعد سواری پر اپنے حرم کے خیمے کی طرف جارہا تھا کہ ایک باطنی نوجوان فریادی کی صورت میں اس کے پاس آیا۔ نظام الملک نے اس کی درخواست سننے کے لئے اسے پاس بلا لیا۔ جوان نے آگے بڑھ کے خنجر سے ایسا کاری وار کیا کہ نظام الملک اف تک نہ کرسکا اور ڈھیر ہوگیا"۔

اچانک راستے میں ملنے والا یہ باطنی جوان دراصل قیس تھا جسے دیکھ کے نظام الملک فورا" رک گیا مگر قیس نے اسے گفتگو کا موقعہ نہ دیا اور اس کا خنجر نظام الملک کے سینے میں اتر گیا۔ ہر طرف اندھیرا پھیل رہا تھا اس لئے قیس اپنا کام کرنے کے بعد ایک طرف نکل گیا۔ اگر کسی نے اسے دیکھا بھی ہوگا تو وہ جانتے ہوں گے قیس تو نظام الملک کا پروردہ ہے۔ اس لئے کسی نے روک ٹوک بھی نہ کی ہوگی۔

اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے بعد قیس بڑی تیزی سے قلعہ الموت کی طرف واپس ہوا۔ وہ راستے ہی میں تھا کہ اسے معلوم ہوا کہ سلجوق لشکر جو قلعہ الموت کو گھیرے ہوئے تھا وہ واپس اصفہان جارہا ہے۔ دراصل نظام الملک کی معزولی کے بعد نئے وزیراعظم تاج الدین نے سلطان کو مشورہ دیا تھا کہ قلعہ الموت کے جھگڑے میں نہ پڑا جائے اور سلطان نے اس کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے سلجوق لشکر کو واپسی کا حکم بھیج دیا تھا۔

حسن بن صباح کا محکمہ سراغرسانی اور جاسوسی کس قدر مستعد اور برق رفتار تھا کہ جب قیس قلعہ الموت پہنچا تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ نظام الملک طوسی کے مارے جانے اور قاتل کے زندہ بچ جانے کی خبر قیس کے وہاں پہنچنے سے پہلے قلعہ

کے ہر شخص تک پہنچ چکی ہے۔ چنانچہ قلعہ الموت پر قیس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ قلعہ میں موجود تمام داعی، رفیق اور فدائین اس کی آمد کی خبر کو سن کر اسے خوش آمدید کہنے کو موجود تھے۔

حسن بن صباح جب کسی کو فدائین کے حلقہ میں داخل کرتا تو خنجر کی نوک سے اس کے کان کی کوچ پر ہلکا سا نشان ڈالا جاتا تھا جو اس کے فدائی ہونے کی نشانی تھی۔ قیس کے اصفہان کے سفر کے دوران کئی آدمیوں نے اسے اس طرح سلام کیا تھا جیسے وہ اسے پہلے سے جانتے تھے۔ دراصل اس کے کان کے نشان ہی سے اسے پہچان لیا جاتا تھا کہ وہ فدائی ہے اور اس کا تعلق قلعہ الموت سے ہے۔

قیس بہت خوش تھا۔ اپنا اتنا شاندار استقبال دیکھ کے اور زیادہ خوش ہوا۔ پھر اسے فوراً ہی ملاء اعلیٰ کے دربار میں طلب کرلیا گیا۔ آج دربار کا کچھ اور ہی حال تھا۔ بوڑھے ملاء اعلیٰ کو درجنوں خوبصورت لڑکیاں اور عورتیں گھیرے ہوئی تھیں۔ ملاء اعلیٰ اپنے تخت پر جلوہ افروز تھا اور لڑکیاں اس پر ٹوٹی پڑی تھیں۔ ان سب کے ہاتھ میں بلوریں صراحیاں تھیں جس میں سرخ رنگ کا عرق بھرا ہوا تھا۔

قیس کے دماغ میں خیال آیا کہ شائد یہ عرق شراب ہے۔ مگر اس نے اس خیال کو فوراً جھٹک کے اپنے خیالوں سے نکال پھینکا۔ بھلا شراب جیسی ناپاک چیز قلعہ الموت میں کس طرح لائی جاسکتی ہے۔ قیس بڑھتا ہوا ملاء اعلیٰ کے تخت کے بالکل قریب پہنچ گیا۔

قیس نے دیکھا کہ ملاء اعلیٰ (حسن بن صباح) مسند پر ٹیک لگائے بیٹھا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ساغر ہے اور نہایت خوبصورت دوشیزہ ملاء اعلیٰ کی طرف جھکی ہوئی اس کے ساغر میں سرخ رنگ کا رقیق انڈیل رہی ہے۔ قیس کا ایک بار پھر ضمیر جاگا اور دل کے کسی کونے سے آواز آئی۔

"یہ انگوری شراب ہے"۔

اس وقت حسن بن صباح نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"قیس حیران کیوں ہو رہے ہو۔ کیا تم نے "شراباً" طہورا" کا نام نہیں سنا؟"

"کیوں نہیں۔ کیوں نہیں ملاء اعلیٰ"۔ قیس نے سنبھل کے جواب دیا۔

ملاء اعلیٰ نے اپنی سرخ سرخ اور مست آنکھیں گھماتے ہوئے کہا۔

"قیس تم نے ایک ایسے بے دین کو جہنم رسید کیا ہے جو ہمارے مذہب اور مذہب کے اس قلعہ کو برباد کرنے پر تل گیا تھا۔ اس کام کے صلہ میں تم پر آسمان کے تمام دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ تم یہاں کے ہر محل میں داخل ہوسکو گے۔ تمام حوریں اور تمام غلماں تمہارے غلام ہوں گے۔ حوریں تم سے ہم آغوش ہونے کی تمنا کریں گے اور غلماں تمہارے پیر دبانے کے لئے ہمہ وقت تیار رہیں گے"۔

حسن بن صباح کہہ رہا تھا اور قیس کی نظروں کے سامنے جنت کا نقشہ گھوم رہا تھا۔ وہی باغات، وہی دودھ کی نہریں اور وہی قوس قزح، دھوپ، نہ سردی اور نہ گرمی، چہچہاتے پرندے، مہکتی فضائیں

"اے ملاء اعلیٰ ---!"

قیس اسی بے خودی میں چیخ پڑا۔ پھر فوراً ہی سنبھلا اور بولا۔

"معافی ملاء اعلیٰ معافی۔ میں جوش مسرت سے حد ادب سے گزر گیا"۔

"نہیں قیس" اور ملائے اعلیٰ نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "ہمارے دربار میں فدائیوں پر کوئی پابندی نہیں۔ پھر تم تو ایک کامیاب فدائی ہو اور کامیاب فدائی کی کوئی غلطی، غلطی تصور نہیں ہوتی۔ تم نے اپنی کامیابی کے ساتھ ہی تمام فرائض اور شرطیں حدیں توڑ دی ہیں۔ تم ہر گناہ سے مبرا کردیئے گئے ہو۔ اب جنت تمہاری ہے۔ وہاں کا ہر گھر اور ہر گوشہ تمہارا ہے۔ تم جس چیز کی بھی خواہش کرو گے وہ تمہیں مہیا کردی جائے گی ---"

"میں جنت میں کب جاؤں گا، اے ملائے اعلیٰ؟" قیس نے بڑی بے چینی سے کہا اور بڑی پرامید نظروں سے ملاء اعلیٰ کو دیکھا۔

ملاء اعلیٰ نے ایک اور قہقہہ لگایا۔

"بہت بے چین ہو اپنی شراری کے لئے؟"

"جی ہاں ملاء اعلیٰ- مجھ پر رحم کیجئے' مجھے پہنچا دیجئے وہاں"- قیس کا اضطراب بڑھتا جارہا تھا-

ملاء اعلیٰ نے اب زیر لب تبسم فرمایا-

" مت گھبرا قیس- ہم تمہیں ابھی جنت میں بھیجتے ہیں- تم شراری کے لئے بے چین ہو مگر وہاں تک شراری سے کہیں زیادہ خوبصورت حوریں موجود ہیں تم وہاں گھوم پھر کے تو دیکھو ذرا "-

قیس خاموش رہا- ملاء اعلیٰ نے قریب کھڑی ایک حسینہ سے کہا-

"قیس کی حالت نہیں دیکھتیں- اس کا گلہ پیاس سے خشک ہورہا ہے جاؤ اور ایک جام شراب طہور کا قیس کے لئے بھی لاؤ "-

حسینہ مسکراتی' لجاتی اور بل کھاتی ایک طرف چل پڑی- قیس نے نظر گھما کر تخت کی طرف دیکھا- ملاء اعلیٰ کے گرد حسینوں کا جمگھٹا کچھ اور بڑھ گیا تھا- دوشیزائیں بڑھ بڑھ کے ملاء اعلیٰ کو شراب طہور کے جام پیش کررہی تھیں' ہنس رہی تھیں' کھلکھلا رہی تھیں' انکھیلیاں کررہی تھیں' ناز و غمزے دکھا رہی تھیں-

حسن بن صباح نے قیس کو اپنی طرف مخاطب دیکھا تو ہنس کے کہا-

"قیس تم آزاد و آلام دنیا سے آزاد کردیئے گئے ہو- کچھ دیر بعد تم جنت میں ہو گئے- تم نے اپنے مذہب کے لئے جو کارنامہ انجام دیا ہے اس کے صلہ میں تمہارے پچھلے گناہ معاف کرائے گئے ہیں اور تم سے سرزد ہونے والے آئندہ کے گناہ بھی معاف کردیئے گئے ہیں اور تمہیں دائمی مسرت عطا کی گئی ہے- جنت کی ہر حور تمہاری مرضی کی پابند اور خدمت پر تیار رہے گی- اس جنت کا ہر گوشہ' ہر قطعہ اور ہر محل تمہارا اور ہر حور اور ہر غلماں تمہارا تابعدار ہوگا- تمہیں کوئی غم نہ ہوگا- تمہاری شراری تمہارے پاس ہوگی- شراری کیا وہاں کی ہر دوشیزہ تمہاری ملکیت ہوگی- تمہارے لئے گناہ و ثواب کی تمام حدود ختم کردی گئی ہیں "-

شراب طہور کا جام آگیا- حسن بن صباح کے اشارے پر قیس نے جام منہ سے لگالیا- ایک گھونٹ پیا تھا کہ اسے یاد پڑا کہ اس نے اس ذائقہ کا ایک جام

پہلے بھی پیا تھا- اسے پہلے پتہ نہ تھا کہ یہ جام' جام طہور ہے-

قیس نے ایک ہی سانس میں جام خالی کردیا- اس کا سر ہلکا سا بھاری ہوا مگر گرانی کے بجائے اس نے سرور سا محسوس کیا- اسی وقت جام لانے والی نے اس کے سر کو سہارا دیا اس کے ساتھ ہی قیس بیخود ہوگیا-

پھر جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو خوشبودار پھولوں کی کیاریوں کے درمیان لیٹا ہوا پایا- وہ اٹھ کے بیٹھ گیا- عجب دلفریب نظارہ تھا- تاحد نظر جاں بخش مرغزار نظر آرہے تھے- ہرے بھرے درختوں سے قوس قزح کی روشنی چھن چھن کے زمین پر پڑرہی تھی- ایک سے ایک خوبصورت محل' برج والے اور بغیر برج والے مکانات' جن میں جواہرات جڑے ہوئے تھے- مکانوں کی خوبصورت ترتیب و خوشنمائی' باغات کی تازگی' نزہت گاہوں کے دنیا بھر کے درختوں اور پھولوں پھلوں کے نظارے اور وہ ہوا کے چلتے ہوئے خنک جھونکے-

قیس کی پھر آنکھیں بند ہونے لگیں- وہ اٹھ کے کھڑا ہوگیا پھر قطار اندر قطار بنے ہوئے محلات اور مکانوں کی طرف بڑھا- وہ جس مکان کے سامنے پہنچتا وہاں کی مکیں خوبصورت حور' مسکراتی' زلفیں لہراتی اندر سے نکل کر قیس کا استقبال کرتی اور التجا کرتی-

"معزز مہمان- ایک شب مجھے مہمان نوازی کا موقعہ عطا کیجیے "-

قیس سوچتا پھر بغیر کچھ کہے آگے بڑھتا دوسرا محل دوسری حور' تیسرا محل تیسری حور- قیس ایک درجن سے زائد محلوں کے سامنے سے گزرا اور ہر محل کی مکین حور نے اسے ایک شب قیام کی دعوت دی مگر قیس نے کسی کی دعوت قبول نہ کی حالانکہ ہر حور اپنی مثال آپ تھی مگر قیس نے کسی کی طرف التفات کی نظروں سے نہ دیکھا اور آگے ہی آگے بڑھتا رہا-

پھر ایک محل کے سامنے اس کے قدم رک گئے - ایک ہیولا محل سے نکلا اور دوڑ کے قیس کے گلے سے لگ گیا- قیس نے اسے اپنی باہوں میں سمیٹ لیا- یہ تھی قیس کی جان بہار- امیدوں کا مرکز اور نکاح سے پہلے اغوا ہونے والی بیوی

شراری۔

"میری شراری"

"میرے قیس"

دونوں نے ایک دوسرے کو اس طرح بانہوں میں بھینچ لیا جیسے انہیں الگ کر دیئے جانے کا خطرہ ہو۔ جب دل کی دھڑکنوں کو کچھ سکون ملا تو شراری نے اچانک قیس سے الگ ہوتے ہوتے کہا۔

"قیس تمہارے جسم سے مجھے خون کی بو آرہی ہے؟"

قیس ہنس دیا اور بولا۔

"شائد تمہیں معلوم نہیں کہ میں فدائیوں کے حلقے میں داخل ہوگیا ہوں۔ میرے لئے خون معاف ہوچکے ہیں۔ اس لئے کہ میرے اعمال کی تمام تر ذمہ داری تجلی طور یعنی ملاء اعلیٰ نے اٹھالی ہے"۔

"اوہ - میرے اللہ"۔ شراری نے اپنا سر پکڑ لیا۔ پھرچاروں طرف نظر دوڑانے کے بعد بولی۔

"قیس تم مجھ سے کوئی سوال نہ کرنا اور جو کچھ کہہ رہی ہوں اسے خاموشی اور توجہ سے سنتے رہنا"۔

قیس نے اثبات میں سرہلا دیا۔

شراری نے قیس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے ساتھ ایسی بے پروائی سے ٹہلنے لگی جیسے وہ بہت خوش ہو۔ اس گل گشت کے دوران اس نے قیس کو بتایا۔

"پیارے قیس۔ جسے تم تجلی طور اور ملاء اعلیٰ کہتے ہو دنیا کا سب سے بڑا شیطان حسن بن صباح ہے۔ جہاں اس وقت ہم دونوں ٹہل رہے ہیں یہ جنت نہیں بلکہ حسن بن صباح کی بنائی ہوئی مصنوعی جنت ہے۔ یہاں کی ہر چیز نقلی، جھوٹی اور مصنوعی ہے۔ یہاں جو حوریں اور غلماں نظر آتے ہیں یہ سب وہ مجبور ہستیاں ہیں جنہیں حسن بن صباح کے حکم سے اس کے کارندے ان کے گھروں سے اٹھا لائے ہیں۔

یہ لوگ ایک مسلسل خوف و دہشت کے تحت زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کو تاکید کردی گئی ہے کہ اگر انہوں نے ملاء اعلیٰ کے حکم کی ذرا بھی خلاف ورزی کی یا اس جنت کا راز کھولنے کی کوشش کی تو انہیں قتل کردیا جائے گا۔ یہ صرف ڈراوا انہیں بلکہ روزانہ ایک دو حوریں اور غلماں اپنی کسی غلطی کی بنا پر قتل کردئے جاتے ہیں۔

"حسن بن صباح کی آنکھوں میں جادو ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ بہت بڑا حکیم بھی ہے۔ اس نے ایک ایسی گھاس دریافت کی ہے جسے گھوٹ کر اگر شراب میں ملا دیا جائے تو وہ شراب کا کام کرتی ہے اور پینے والا بیہوش ہوجاتا ہے - اس جنت میں آتے اور جاتے وقت ہراجنبی کو یہ شربت شراب طہور کے نام سے پلا کر بے ہوش کیا جاتا ہے تاکہ وہ یہاں سے جانے کے بعد اس مصنوعی جنت کو اصلی جنت تصور کرے اور حسن بن صباح کے حکم سے اس شخص کو قتل کر آئے جسے حسن بن صباح اپنے لئے خطرناک سمجھتا ہے ---"

"ہائے شراری"-- قیس نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے"۔

شراری نے مسکرا کر کہا۔

"میں جانتی ہوں کہ تم نے کسی کو قتل کیا ہوگا اور اس کے صلہ میں تمہیں میرے پاس پہنچایا گیا ہے"۔

"تم نے ٹھیک سمجھا شراری"-- قیس نے انتہائی افسردگی سے کہا "ان ظالموں نے میرے ہاتھوں سلطنت سلجوق کے وزیر اعظم نظام الملک کو قتل کرایا ہے۔ جنہوں نے مجھے پال پوس کے اتنا بڑا کیا تھا"۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر شراری نے بتایا۔

"قیس مجھے معلوم تھا کہ تم ایک روز میرے پاس ضرور پہنچو گے پھر جب مجھے اور تمہیں شہر درمیان میں رکھ کر ملایا گیا تھا' اس دن تو مجھے پورا یقین ہوگیا تھا کہ تم بہت جلد کسی کو قتل کرکے میرے پاس بھیجے جاؤ گے ---"

شراری کہتے کہتے ایک دم رک گئی۔ قیس نے اسے شاید کوئی سوال کرنا چاہا مگر شراری نے اسے اشارہ کرکے منع کردیا کچھ فاصلہ ان دونوں نے خاموشی سے طے کیا پھر شراری نے بتایا۔

میں اس جنت کے اور قلعہ کے بہت سے راستوں سے واقف ہوں اور اگر کوشش کی جائے تو ہم باہر بھی نکل سکتے ہیں۔ اس لئے میں نے طے کیا تھا کہ جب تم میرے پاس آؤ گے تو اسی رات ہم تینوں یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کریں گے "۔

قیس نے چونک کے پوچھا۔

"ہم تو دو ہیں تم تین کہہ رہی ہو۔ یہ تیسرا کون ہے ؟"

"میری طرح وہ بھی ایک مجبور لڑکی ہے حسن بن صباح نے اس کے چاہنے والے کو بلوا کر کہا تھا کہ اگر وہ کسی خاص آدمی کو قتل کر آئے تو اسے بالی سے ملا دیا جائے گا۔ بالی اس لڑکی کا نام ہے "۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ ہم لوگ یہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوجائیں گے "۔

شراری نے اس کا فورا" جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولی۔

"قیس ہمارے بچ کے نکل جانے کے امکانات بہت کم ہیں مگر یہاں کی زندگی اس قدر غلیظ اور گھناؤنی ہے کہ موت اسے بدرجہا بہتر ہے۔ میں نے اپنے آپ کو اب تک حیلوں بہانوں سے بچا رکھا ہے اور ان لوگوں نے بھی مجھ پر اس لئے ہاتھ نہیں ڈالا کہ انہیں تم سے کام لینا تھا۔ اب ان کا مقصد پورا ہوگیا ہے چند دن تمہیں میرے پاس رکھنے کے بعد تمہیں کسی اور کو قتل کرنے کے لئے بھیج دیا جائے گا اور مجھے بھی خراب کرکے طوائف بنا دیا جائے گا جس کا کام نئے مہمانوں کی خاطرمدارت اور ان کی ہر خواہش پوری کرنا ہوگی۔ کیا اس زندگی سے موت بہتر نہیں ؟"

"بے شک اب واپس چلتے ہیں۔ بالی نے سب تیاریاں کرلی ہوں گی "۔

شراری نے پلٹ کر چلنا شروع کردیا۔ "اب ہم میں کوئی گفتگو نہ ہوگی۔ تم بس میرے اشاروں پر عمل کرتے رہنا "۔

قیس نے جواب میں سر ہلا دیا۔

شراری نے سرگوشی کی۔

"تم ابھی سے میرے کہنے پر عمل شروع کر دو۔ انشاء اللہ ہم ضرور کامیاب ہونگے "۔

شراری، قیس کو ساتھ لئے گھر پہنچی۔ شراری کی خدمت کے لئے دو غلمان لڑکے مقرر کئے گئے تھے۔ رات کے کھانے کے بعد شراری اور ان دونوں کو رخصت کردیتی تھی۔ غلمانوں نے دسترخوان پر کھانا لگانا شروع کردیا۔ قیس نے دیکھا کہ یہاں کے کھانے سلطانی کھانے سے کسی طرح کم نہ تھے۔ صرف دو آدمیوں کے لئے اتنا کھانا لگایا گیا گویا بیس آدمی کھانے والے ہیں۔

کھانے کے بعد کچھ دیر شراری اور قیس سامنے کے لان میں ٹہلتے رہے۔ پھر شراری نے دونوں غلمانوں کو رخصت کردیا اور قیس کو لے کر اندر آگئی۔ اس نے اندر سے زنجیر چڑھادی اور احتیاط کے طور پر بہت سا سامان دروازے سے اڑا کر رکھ دیا کہ جب باہر سے دروازہ کھولا جائے کھولنے والوں سے زیادہ سے زیادہ وقت لگے۔

شراری نے اندر کی تمام شمعیں گل کردیں۔ پھر اس نے ایک تھیلے میں کچھ سامان رکھ کر تھیلا قیس کو پکڑا دیا۔ اس کے بعد شراری نے کمرے کی پشت کی کھڑکی کھولی اور باہر کی طرف ایک رسی لٹکا دی۔ رسی کا اندر کا سرا اس نے کھڑکی کی چوکھٹ میں مضبوطی سے باندھ دیا۔

شراری نے قیس کا ہاتھ پکڑے اسے کھڑکی سے اترنے کا اشارہ کیا۔ قیس کو کیا عذر ہوسکتا تھا۔ وہ مسلمان سے مشرک پھر مشرک سے مسلمان ہوچکا تھا۔ اس نے کھڑکی سے گزر کر رسی مضبوطی سے پکڑی اور تیزی سے نیچے کی طرف اترنے لگا۔ قیس کو نیچے کچھ نہ دکھائی دے رہا تھا کہ زمین کتنی دور ہے۔ شراری کی

رہائش گاہ یا کمرہ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر بنا تھا جس کی پشت پر ایک گہرا غار تھا۔ قیس کے پیر اس غار کی زمین پر جاکے ٹھہر گئے۔ اس نے رسی کو جھٹکا دے کر شراری کو اطلاع دی کہ وہ خیریت سے نیچے پہنچ چکا ہے۔

کچھ ہی دیر بعد شراری بھی رسی کے ذریعہ قیس کے پاس پہنچ گئی۔ شراری بڑی عقلمند تھی۔ اس نے جس وقت فرار کا منصوبہ بنایا تھا اس وقت سے اس فرار کے راستے میں جگہ جگہ نشانات مقرر کردیئے تھے چنانچہ قیس اور شراری غار سے نکل کے اس جگہ پہنچے جہاں شراری نے بالی سے پہنچنے کے لئے کہا تھا۔

بالی ان دونوں سے پہلے ہی وہاں پہنچ چکی تھی۔ ایک تھیلہ شراری کے پاس تھا تو دوسرا تھیلا بالی اپنے ساتھ لے کر آئی تھی۔اس کے تھیلے میں دو مردانے جوڑے تھے۔ یہ لوگ تمام رات پہاڑ کے اونچے نیچے راستوں پر چلتے رہے۔ ان کی رہبری شراری کررہی تھی۔ صبح ہوتے ہوتے یہ لوگ قلعہ الموت (اسے قلعہ التمونت بھی کہا جاتا ہے) سے کافی دور پہنچ چکے تھے۔

دن کا تمام وقت انہوں نے غار میں چھپ کے گذارا پھر جب رات ہوئی تو انہوں نے پھر اپنا سفر جاری رکھا۔اب قیس کے ساتھ دو لڑکے بھی تھے۔ یہ لڑکے شراری اور بالی تھے۔ ان دونوں نے مردانے کپڑے پہن لئے تھے۔ تیسرے دن صبح کے وقت یہ لوگ اس جگہ پہنچے جہاں سے قلعہ الموت کو دودھ مہیا کیا جاتا تھا۔

حسن بن صباح نے قرب و جوار کے گوالوں (دودھ فروش) سے یہ طے کرلیا تھا کہ دو سو گوالے صبح سے شام تک ایک خاص پہاڑی پر دودھ پہنچاتے رہیں گے۔ اس کے لئے گوالوں کو پیشگی معقول معاوضہ ادا کیا جاتا تھا۔ جس پہاڑی پر دودھ پہنچایا جاتا تھا وہاں پتھروں کو کاٹ کر ایک حوض بنایا گیا تھا۔ گوالے دن بھر اس حوض میں دودھ انڈیلتے رہتے تھے اور یہ دودھ حوض میں بنے ہوئے ایک راستے سے ایک نہر میں جاتا تھا یہ نہر اس دودھ کو قلعہ الموت تک پہنچاتی تھی اور یہی دودھ وہاں کی جنت میں دودھ کی نہروں میں دوڑتا تھا۔

قیس نے ان گوالوں سے درخواست کی کہ انہیں قریب کی کسی کارواں

سرائے یا شہر تک پہنچا دیا جائے۔ اس نے گوالوں سے کہانی یہ بیان کی کہ اس کے قافلہ کو رہزنوں نے لوٹ لیا ہے اور وہ اپنے ملازموں کے ساتھ جان بچا کر ادھر آنکلا ہے۔

گوالوں نے ان کی مدد کی اور انہیں قریبی شہر میں پہنچا دیا۔ وہاں پہنچ کے قیس نے تین گھوڑے خریدے (شراری اپنے ساتھ بہت سی رقم لے آئی تھی) پھر انہوں نے ملک ایران کا رخ کیا۔ شراری اور بالی کی شکلیں مردانے کپڑوں میں اس طرح چھپ گئی تھی کہ انہیں کسی نے نہیں پہچانا۔ اثناء راہ میں ایک سوار نے قیس کو کان پر پڑے ہوئے نشان سے پہچان لیا۔ قیس نے بھی اسے پہچان لیا کہ وہ بھی اس کی طرح ایک فدائی ہے مگر قیس نے اسے سوال و جواب کا موقعہ ہی نہیں دیا۔ وہ گھوڑا بڑھا کے اس کے پاس پہنچا اور قبل اس کے کہ سوار قیس سے کوئی سوال کرتا ' قیس کا خنجر سوار کے سینے میں پیوست ہوگیا تھا۔

سوار زین سے لٹک گیا تھا۔ قیس نے اسے زین سے الگ کیا پھر اس کی لاش گھسیٹ کر پہاڑ کے اوپر سے ایک ایسی غار میں پھینک دی کہ غار کے اندھیرے میں غائب ہوکر رہ گئی۔ حسن بن صباح کا یہ پہلا شکار تھا جو اسے دھوکہ دے کر قلعہ الموت سے بچ کر نکل گیا۔ حسن بن صباح اس خبر سے کس قدر چراغ پا ہوا ہوگا اور اس نے ان تینوں کو تلاش کرنے کے لئے کیا کیا جتن نہ کئے ہوں گے۔

مگر مثل مشہور ہے کہ جس کو اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ قیس شراری اور بالی کو لے کر منزلیں مارتا ایران پہنچا۔ ایران میں قیس نے اپنی دل آرام شراری کے ساتھ شادی کی۔ بالی کو بھی اس نے ایک اچھے جوان کے ساتھ بیاہ دیا پھر یہ لوگ ایران ہی میں رہ پڑے اور انہوں نے اصفہان سے ہمیشہ کے لئے اپنا رشتہ توڑ لیا۔

اصفہان میں بڑا انقلاب آگیا تھا۔ ملک شاہ ۔نے بغداد کا سفر اختیار کیا تھا۔ اس سفر کے دوران قیس نے اپنے آقا یعنی نظام الملک کو اپنے خنجر کا نشانہ بنایا تھا۔ نظام الملک کی موت کے چند ہی دن بعد سلطان ملک شاہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ اسے

بغداد سے آنا ہی نصیب نہ ہوا۔

ملک شاہ کے بعد اس کے بیٹوں کے درمیان تخت کے لئے بہت جھگڑے ہوئے۔ قتل و غارت گری بھی ہوئی۔ قلعہ الموت سے سلطانی لشکر واپس آہی گیا تھا۔ حسن بن صباح نے سلجوق شہزادوں کی خانہ جنگی سے خوب فائدہ اٹھایا اور اپنی طاقت میں خوب اضافہ کیا۔

قیس اور شراری کا قصہ یہاں پر ختم ہوتا ہے سوائے اس کے کہ حسن بن صباح کو کسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ ایران میں ایک ایسا خاندان ہے جو قلعہ الموت کے حالات سے پوری طرح واقف ہے چنانچہ حسن بن صباح نے اپنے فدائیوں کو اس کی تلاش پر لگا دیا۔ ادھر قیس کو یہ معلوم ہوگیا کہ فدائی اس کی تلاش میں ہیں۔ اس نے اپنی شکل و صورت کو پوری طرح تبدیل کرلیا تھا۔ کان کا وہ نشان جس سے وہ فدائی کے طور پر پہچانا جاتا تھا اس نے اس نشان کو بھی ختم کردیا تھا۔

ایک رات ایسا ہوا کہ چار فدائیوں نے اس کے گھر پر حملہ کیا۔ قیس کے اس وقت ایک بیٹا تھا۔ اس نے شراری اور بیٹے کو کوٹھری میں بند کرکے تالا لگا دیا اور فدائیوں کے مقابلہ پر نکلا۔ ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ قیس نے اس اندھیرے سے فائدہ اٹھایا۔ پہلے ایک فدائی اس کے گھر کے اندر آیا۔ قیس نے ایک ہی وار میں اس کا خاتمہ کردیا۔ پھر دوسرا آیا قیس نے اس کا بھی اسی طرح خاتمہ کردیا۔ غرض یہ کہ چاروں فدائی قیس کے ہاتھ سے مارے گئے۔ پھر قیس نے کوٹھری کھول کر شراری کو نکالا۔

انہیں اب یہ فکر ستا رہی تھی کہ ان لاشوں کو کہاں ٹھکانے لگائیں۔ اس وقت شراری نے مشورہ دیا کہ کوٹھری کے اندر گڑھا کھود کر ان سب کو اس میں دبا دیاجائے۔ پس میاں بیوی نے مل کر کوٹھری میں گڑھا کھودا اور چاروں کو اس گڑھے میں دبا دیا۔ چار فدائیوں کو مارنا بڑے کمال کی بات تھی۔ مگر اب قیس کے لئے خطرہ بڑھ گیا تھا اس لئے اس نے وہ جگہ چھوڑ دی اور کسی دوسرے شہر میں

جا کے آباد ہوگیا۔

قیس خوش قسمت تھا کہ فدائیوں کے ہاتھوں سے بچ نکلا ورنہ فدائی جس کو تاک لیتے تھے اسے جب تک ختم نہ کردیتے اس وقت تک چین نہ لیتے تھے۔ فدائی اس قدر دیدہ دلیر ہوگئے تھے کہ ایک بار تین پرجوش فدائیوں نے جنہیں حسن بن صباح نے دمشق کے اتابک کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا وہ خلیفہ بغداد کے بھرے دربار میں گھس گئے اور انہوں نے دمشق کے والی اتابک کے دھوکے میں والئی خراساں پر حملہ کرکے اسے ختم کردیا۔

اسی طرح کئی صوبوں کے گورنر ان فدائیوں کے خنجروں کا نشانہ بنے۔ چھوٹے حکمرانوں کے دلوں میں تو حسن بن صباح کی اس قدر ہیبت سما گئی تھی کہ انہوں نے اپنے پہاڑی اور مضبوط قلعے خود ہی مسمار کرادیئے تھے کہ حسن بن صباح مانگے گا تو انہیں دینا پڑیں گے۔

آخر حسن بن صباح جس نے سینکڑوں زندگیوں کا شکار کیا تھا' خود بھی موت کا شکار ہوا۔ وہ پینتیس سال غنڈہ گردی' بربریت اور قتل و غارت گری کرنے کے بعد ۵۱۸ ہجری میں مرض الموت میں مبتلا ہوا۔ اس ظالم نے زندہ رہنے کے لئے کیا کیا جتن نہ کئے ہوں گے مگر موت تو برحق ہے۔ اس سے کسی کو مفر نہیں۔ حسن بن صباح نے اپنے دونوں بیٹوں کو قتل کرا دیا تھا۔ پس اس نے اپنے قلعہ دار جس کا نام "کیا بزرگ" تھا اپنا جانشین مقرر کیا اور ۲۶ جماد الثانی کو وہ واصل جہنم ہوا۔

"کیا بزرگ" کے عہد میں بدستور قتل و غارت گری کابازار گرم رہا۔ مسلمانوں میں فدائیوں اور قلعہ الموت کے حکمران کے خلاف بہت زیادہ غم و غصہ پھیل گیا تھا۔ انہوں نے باہم مشورہ کرکے قلعہ الموت پر حملہ کیا۔ اس حملہ کی کمان سلجوق حکمران سلطان سنجر کے جانشین سلطان محمود کے ہاتھوں میں تھی۔اس نوجوان نے بڑا زبردست حملہ کیا۔ ہزاروں فدائی مارے گئے اور سلطان محمود قلعہ الموت پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ قبضہ کچھ ہی عرصہ برقرار رہا کیونکہ سلطان محمود کا انتقال جلدی ہوگیا اور کیا بزرگ نے اس کی موت کے بعد قلعہ

الموت پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔

حسن بن صباح کے فدائیوں کے ہاتھوں جن عظیم مسلمانوں کی موت واقع ہوئی اس کی تفصیل بہت طویل ہے جن میں چند نام تحریر کئے جارہے ہیں۔ ان مقتولین میں خواجہ نظام الملک طوسی۔ فخر الملک بن خواجہ نظام الملک۔ شمس تبریزی۔ پیر طریقت مولوی رومی۔ نظام الملک مسعود بن علی وزیر خوارزم شاہ' سلطان شہاب الدین غوری۔ مصر کے فاطمی خاندان کے خلفاء میں آٹھواں فاطمی خلیفہ اور عباسی خلفاء میں خلیفہ المستبر شدباللہ (اسے فدائیوں نے سربازار مارا تھا)۔ ابو سعید ہردی' دولت شاہ فرمانروائے اصفہان' آقا مستنصر حاکم مراغہ' ابوالقاسم حسن مفتی قزوین' عباسیوں کا ایک دوسرا خلیفہ الراشد باللہ جیسے بڑے بڑے مسلمان امرا' وزراء' فرمانروا اور علماء کرام وغیرہ فدائیوں کے خنجر کا شکار ہوئے تھے۔

حضرت امام فخرالدین رازی اور فاتح بیت المقدس سلطان صلاح الدین ایوبی پر بھی فدائیوں نے حملہ کیا تھا مگر وہ کامیاب نہ ہوسکے تھے۔ ان فدائیوں کی مار یورپ کے عیسائی درباروں تک بھی تھی اور انہوں نے وہاں پہنچ کے بہت سے عیسائی حکمرانوں اور سرداروں کو بھی سر دربار خنجر مار کر ختم کردیا تھا۔

آخر ہر عروج کو زوال لازمی ہے۔ ڈیڑھ سو سال تک قلعہ الموت کے حکمرا جو شیخ الجبل کہلاتے تھے' یورپ اور ایشیا میں قتل کا بازار گرم کئے رہے پھر ان خدا کا قہر نازل ہوا اور منگولیا کے مغل سردار ہلاکو خان نے قلعہ الموت پر حما کرکے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ تاتاریوں نے پورے قلعہ کو زمین بو کردیا اور کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔

انہی دنوں مصر کے حکمران بیبرس [redacted] قدار نے ان فدائیوں کے خاتمہ کا ب اٹھایا۔ پھر شمال سے ہلاکو خان اور جنوب سے [redacted] بیبرس [redacted] قدار نے صباحیوں' فدائ اور اسمعیلیوں کو چن چن کر ختم کردیا اور یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔